وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

# الصَّحِيفَةُ الصَّحِيحَةُ

سلسلة خدمة الحدیث النبوی 4

المعروف

# صحیفہ ہمّام بن مُنبّہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث نبویہ جو انہوں
نے اپنے شاگرد ہمّام بن مُنبّہ (المتوفی ۱۳۲ھ) کو لکھوائی تھیں


ترجمہ و شرح

حافظ عبداللہ شمیم

تقدیم، تخریج و اضافہ

حافظ حامد محمود الخضری





انصار السنّہ پبلیکیشنز لاہور

# فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عرضِ ناشر

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِينُهٗ ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا ، وَمِنْ سَيِّاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝١٠٢﴾

(آل عمران: ١٠٢)

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝١﴾ (النساء: ١)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٧٠ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٧١﴾

(الاحزاب: ٧٠ـ٧١)

اَمَّـا بَـعْدُ! فَإِنَّ اَحْسَنَ الْكِتَابِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ .

اَمَّا بَعْدُ!

دین اسلام، عالمگیر مذہب ہے، اس کی دعوت، تبلیغ اور نشر و اشاعت کی خاطر اللہ تعالیٰ نے پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ٤٤)

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر کو نازل کیا ہے تاکہ آپ ان کے لیے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔''

شریعت اسلامیہ، کتاب وسنت کا نام ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢﴾ (الجمعه: ٢)

''اُسی نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں (کفر و شرک کی آلائشوں سے) پاک کرتا ہے اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ لوگ اُس کی بعثت سے قبل صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔''

سنت رسول وحی الٰہی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ کہتے ہیں، وہ صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہی پیغام ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے شریعت میں کچھ نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم: ٣تا٤)

''اور نہ ہی وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اُتاری جاتی ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ٨٠)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

حدیث وسنت رسول علی صاحبها الصلوٰة والسلام راہ ہدایت ہے:

﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (الشوریٰ: ٥٢)

''اور بلاشبہ آپ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور حدیث سب سے بہترین طریقہ ہے:

((فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ.)) ❶

''سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا ہے۔''

حدیث وسنت پر عمل پیرا ہونے والا کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا، جبکہ اس کے علاوہ گمراہی ہی گمراہی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللّٰهِ، وَسُنَّةُ رَسُوْلِهِ.)) ❷

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے، وہ دو چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔''

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، رقم: ٢٠٠٥.

❷ مؤطا مالك، كتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر، رقم: ٣۔ مستدرك حاكم: ١/٩٣، رقم: ٣٢٤۔ حاکم نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

حدیث مثل قرآن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ . ))❶

''مجھے قرآن اور اس جیسی اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی حلت وحرمت بھی اللہ تعالیٰ کی حلت وحرمت کے مترادف ہے:

((إِنَّمَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ . ))❷

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے بھی کچھ چیزوں کو اس طرح حرام کیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔''

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے:

''اللہ تعالیٰ نے گودوانے والیوں اور گودنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور حسن کے لیے آگے کے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرتی ہیں۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کلام قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کو معلوم ہوا جو اُم یعقوب کے نام سے معروف تھی وہ آپ کے پاس آئی، اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس طرح کی عورتوں کو لعنت بھیجی ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آخر کیوں نہ میں انہیں لعنت کروں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ملعون ہے۔ اس عورت نے کہا: میں نے اس سارے قرآن کو پڑھا ہے، لیکن قرآن میں ایسی عورت پر لعنت کہیں نہیں ہے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو اس کو پڑھتی تو ضرور پالیتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی؟

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ (الحشر : ٧)

''جو تمہارا رسول دے اس کو لے لو، اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔''

تو اس عورت نے کہا: کیوں نہیں پڑھی ہے۔''❸

حدیث وسنت قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اس کے علاوہ قرآنِ مجید کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ سیّدنا عبد اللہ بن

---

❶ مسند أحمد: ٤/ ١٣٠۔ صحیح ابن حبان، رقم: ٢.

❷ سنن ترمذی، کتاب العلم، رقم: ٢٦٦٤۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: ٤٨٨٦.

مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾

(الانعام: ۸۲)

''وہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان میں ظلم کو شامل نہیں کیا، انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوگئے، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی ظلم نہ کیا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے، کیا تم نے لقمان (علیہ السلام) کی اپنے بیٹے کو نصیحت نہیں سنی کہ انہوں نے کہا:

﴿ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ⑬ ﴾ (لقمان: ۱۳)

''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے۔'' ❶

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات قرآن کریم کی تفسیر ہیں، تو قرآن اور حدیث کے درمیان ذرہ برابر تضاد اور تعارض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ ﴾ (النساء: ۸۲)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ قرآن مجید کی تلاوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ ﴾ (الاحزاب: ۳۴)

''اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے انہیں یاد رکھو۔''

مذکورہ آیت کریمہ میں امہات المؤمنین کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کے گھروں میں قرآن مجید اور حدیث رسول جو خیر و برکت کا ذریعہ اور آداب و اخلاق عالیہ کا سرچشمہ ہیں کی تلاوت کریں، ان میں غور وفکر کریں اور ان سے نصیحت حاصل کریں۔

پس اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے بھی تقاضا ہے کہ وہ پوری زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، مسجد کے اندر ہو یا باہر، بیوی بچوں کے ساتھ ہو یا دوست احباب کے ساتھ، گویا ہر جگہ، ہر لمحہ اور ہر موڑ پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدنظر رکھیں۔ اور اُس پر عمل پیرا ہوکر اپنی زندگی گزاریں، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت قرآن وسنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے تھے اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ہمارے دل میں حدیث وسنت کی محبت اور اس کی

❶ صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، رقم: ۳۳۶۰۔ سنن ترمذی، رقم: ۲۴۲۵.

قطعیت پر یقین ہوگا۔مگر افسوس صد افسوس! کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اور کئی اداروں میں حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے اور وہ بڑی عرق ریزی اور جانکاہی سے اس عمل بد اور فعل شر پر مصروف کار ہیں۔کمال حیرت کا موجب یہ امر ہے کہ طبقۂ علماء میں سے بھی بعض حضرات منہج صحیح سے انحراف کر گئے ہیں اور وہ حدیث نبوی کی حجیت و اہمیت کے بارے غلط نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ یہ طرز بڑا ہی خطرناک اور افسوس ناک ہے۔اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

ان احوال وظروف میں حدیث رسول ﷺ سے محبت کا ثبوت اسی انداز میں دیا جاسکتا تھا کہ تراجم، و شروحات کے ساتھ ذخیرہ حدیث عوام الناس تک پہنچایا جائے، تاکہ ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی سانسیں مبارک، آپ کے اقوال و افعال اور تقریرات گھر کر جائیں، اور انہیں حدیث وسنت کی اہمیت کا پتا چلے اور اور اس پر عمل کر کے اپنی زندگیاں سنوار لیں۔عظیم محدث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول ہے:

”اَوَّلُ الْعِلْمِ اَلنِّيَّةُ ثُمَّ السِّمَاعُ ثُمَّ الْفَهْمُ ثُمَّ الْحِفْظُ ثُمَّ الْعَمَلُ ثُمَّ النَّشْرُ . “

”پہلا علم نیت، پھر سماع، پھر فہم، پھر حفظ، پھر عمل اور پھر اس کی نشر و اشاعت ہے۔“

اس سلسلہ کی کڑی ”الصحیفہ الصحیحۃ المعروف صحیفہ ہمام بن منبہ“ ہے۔ یہ صحیفہ مشہور صحابی رسول عبدالرحمٰن بن صخر، ابو ہریرۃ الدوسی رضی اللہ عنہ کی اُن روایات کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے اپنے انتہائی قریبی تلمیذ ہمام بن منبہ بن کامل الصنعانی، ابوعتبہ، اخو وہب، ثقہ تابعی (م۱۳۲ھ) رحمہ اللہ کو املاء کروائی تھیں۔ اس صحیفہ میں (۱۳۹) احادیث ہیں۔ اُن میں سے (۶۱) عقائد و ایمانیات، (۴۶) عبادات، (۹) معاملات، (۱۷) اخلاق و ادب اور (۶) متفرق مسائل سے متعلق ہیں۔جبکہ احادیث قدسیہ کی تعداد (۱۲) ہے۔

صحیفہ ہمام بن منبہ کو دستیاب شدہ ذخیرہ حدیث النبوی الشریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے اوّلیت اور اقدمیت کا اعزاز حاصل ہے۔تقریباً پہلی صدی ہجری کے وسط کی یہ تحریر ہے، جس کی روایت کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے اپنی مسند میں شامل کیا۔ امام عبدالرزاق نے (۶۱) روایات، امام بخاری نے (۵۲)، امام مسلم نے (۸۳) جبکہ امام بغوی نے شرح السنۃ میں اس کی (۹۷) روایات کو مختلف ابواب میں بکھیر دیا ہے۔

صحیفہ ہمام بن منبہ اگرچہ کتب حدیث میں محفوظ ہو چکا تھا لیکن اصل صحیفہ مفقود تھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ کی جہود مخلصہ سے یہ عظیم الشان صحیفہ دریافت کر لیا گیا۔ اور اس پر بعض اہل علم نے علمی کام بھی کیا لیکن صحیفہ کی شایانِ شان کام نہیں ہوا تھا۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حافظ حامد محمود الخضری حفظہ اللہ رفیق ادارہ انصار السنہ پبلی کیشنز اور ان کے تلمیذ حافظ عبداللہ شمیم جنہوں نے اس عظیم کتاب کے ترجمہ، تخریج اور شرح کا

کام کیا۔ ایسا علمی کام بزبان اردو پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔ والحمد لله علی ذالك .

فضیلۃ الشیخ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ بھی شکریہ کے حقدار ہیں، جنہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود ادارہ ہذا کی سرپرستی قبول کر رکھی ہے اور ادارہ کی مطبوعات کو پڑھ دیکھ کر ہماری رہنمائی بھی کرتے رہتے ہیں۔ جزاهم الله خيرا في الدنيا والآخرة .

ممبران ادارہ جناب ابو یحییٰ محمد طارق جاوید، منصور سلیم، میاں سجاد، محمد ناظر سدھو، ظفر اقبال، محمد نادر، فیصل جاوید، فیصل خان، اسجد محمود منج، محمد عرفان، اختر علی، شوکت حیات، انتصار، عبدالوحید، زاہد حسین، محمد مشتاق، ماسٹر الطاف، عندلیب اور ادارہ کی مجلس شوریٰ جناب محمد شاہد انصاری، حاجی نوید آصف، شمشیر اشرف، محمد اکرم سلفی، مرزا ذاکر احمد اور ابوطلحہ صدیقی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جن کے تعاون سے کتب حدیث کا کام جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ شہزاد وحید چوہدری کو بھی اجر جزیل عطا فرمائے جنھوں نے صحیفہ کی شرح، ترجمہ اور تخریج کے نفقات برداشت کیے۔ اور اس عمل خیر کو شہزاد وحید چوہدری کی والدہ مرحومہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

جناب انکل ابومؤمن منصور احمد حفظہ اللہ، محمد رمضان محمدی اور محمد سلیم جلالی کی تمام کوششیں اللہ عزوجل اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، کیونکہ ان کے تعاون سے ان کتابوں کی اشاعت ہو رہی ہے۔

عبدالرؤف بھائی اور محمد حسن کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے، جنہوں نے کتاب کی دیدہ زیب کمپوزنگ کی۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دین اسلام کا سچا خادم اور خیر خواہ بنائے اور اسلام کی مخالف قوتوں کے خلاف علمی جہاد کرنے کی توفیق بخشے اور ہمارے اس متواضع عمل کو شرف قبولیت بخشے۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد و آله و صحبه أجمعين

وكتبه

ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی

رئیس: انصار السنۃ پبلی کیشنز، لاہور

# مقدمۃ الکتاب

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا ، وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝١٠٢﴾

(آل عمران: ۱۰۲)

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝١﴾ (النساء: ۱)

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٧٠ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝٧١﴾

(الاحزاب: ۷۰-۷۱)

اَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ اَحْسَنَ الْكِتَابِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ .

اَمَّا بَعْدُ!

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٠﴾

(الروم: ۳۰)

’’پس (اے میرے نبی!) آپ یکسو ہو کر دین اسلام پر قائم رہیے، یہ اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے، یہی سچا

اور صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔''

بخاری، مسلم اور احمد کی سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے مادہ چوپایہ ایک مکمل چوپائے کو جنتی ہے، کیا اس میں کوئی بچہ کان کٹا ہوتا ہے؟ پھر ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ﴾

(الروم: ۳۰)

''یہ اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے، یہی سچا اور سیدھا دین ہے۔'' ❶

اسلام کا مطلب ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے۔ دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھیں کہ اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کے فرامین اور پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۳۳﴾

(محمد: ۳۳)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔''

حدیث رسول ﷺ قرآن مجید کی تفسیر ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ٤٤)

''اے نبی اور ہم نے یہ ذکر آپ کی طرف اس لئے نازل کیا کہ تم لوگوں کے لئے واضح کر دو اس کو جو ان کی طرف اتارا گیا۔''

جیسے قرآن مجید کی آیات بینات قطعی الثبوت ہیں۔ بعینہ احادیث رسول کی قطعیت میں بھی شک وشبہ نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ:

﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۴﴾ (النجم: ۳۔٤)

''اور آپ اپنی خواہش سے بات نہیں فرماتے، بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ)) ❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رقم: ۱۳۰۹۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۲۲۔ مسند احمد: ۲/۳۰۱۔ المشکاۃ، رقم: ۹۰.

❷ مسند احمد: ٤/۱۳۰۔ صحیح ابن حبان، رقم: ۲۔ ابن حبان اور علامہ البانی نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

''مجھے قرآن اور اس جیسی اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔''

جس محفوظ طریق پر قرآن مجید نازل ہوا، بعینہٖ اس کے اصولوں اور احکامات کی تفسیر و توضیح بھی پوری حفاظت اور ذمہ داری کے ساتھ انہیں ہاتھوں محفوظ ہوئی:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۞﴾ (الحجر : ۹)

''بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

حدیث کی حفاظت اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس اسوۂ حسنہ کو محفوظ رکھنے کا شدید احساس تھا، اس بات کی دلیل وہ بیسیوں روایات ہیں جن میں احادیث کو لکھنے، سیکھنے سکھانے اور دوسروں تک پہنچانے کی تلقین موجود ہے:

((تَسْمَعُوْنَ مِنِّیْ، وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ، وَيُسْمَعُ مِمَّنْ سَمِعَ مِنْكُمْ .)) ❶

''تم لوگ مجھ سے سنتے ہو، دوسرے لوگ تم سے سنا کریں گے اور پھر تم سے سننے والوں سے بھی لوگ سنیں گے۔''

مزید برآں آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا، ثُمَّ أَدَّاهَا اِلٰى مَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا .)) ❷

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق اور چمک عطا فرمائے جس نے میری بات سنی، اور پھر یاد رکھی، اور پھر وہ بات اس شخص تک پہنچا دی، جس نے اسے سنا نہیں۔''

مذکورہ بالا حدیث شریف میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے دعا فرمائی گئی جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کی حفاظت کرتے اور ضبط میں رکھتے اور پوری صحت اور اتقان کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دیتے۔ حفاظ حدیث اور مبلغین حدیث کے لئے رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ حفظ حدیث، تبلیغ حدیث اور نشر حدیث آپ ﷺ کی رضا اور دلی چاہت تھی۔ پس عہد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے لے کر اب تک کوئی بھی دور ایسا نہیں گزرا کہ جس میں حدیث اور روایات لکھنے کا سلسلہ منقطع ہوا ہو۔

سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے جو لفظ سنتا تھا اسے یاد کرنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا۔ پھر قریش کے لوگوں نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا: تم ہر بات لکھتے ہو۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے منہ اقدس کی طرف اشارہ

❶ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، رقم: ۳۶۵۹۔ سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ۱۷۸٤.

❷ شرف اصحاب الحديث، رقم : ۲۰۔ موافقة الخبر الخبر لابن حجر : ۱۷۱/۱۔ حافظ ابن حجر نے اسے ''صحیح المتن'' قرار دیا ہے۔

کیا اور فرمایا:

"اُكْتُبْ فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ ، مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ ." ❶

''تم لکھا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس (منہ) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا ہے۔''

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قَيِّدُوْا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ ." ❷

''علم کو لکھ کر محفوظ کرلو۔''

## عہد نبوی میں کتابت حدیث

عہد نبوی سے پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک کے جامعین حدیث اور قلم بند کی ہوئی یادداشتوں اور مجموعوں کا سلسلہ کچھ اس طرح ہے؟

### صحیفہ علی بن ابی طالب:

یہ صحیفہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ: ''میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے پاس کوئی علیحدہ کتاب ہے؟ (جو اور مسلمانوں کے پاس نہ ہو) فرمایا: نہیں، مگر اللہ کی کتاب یا وہ سمجھ (کتاب وسنت کی فہم وفراست) جو ہر مسلمان کو دی گئی ہے، یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کے آزاد کرنے کے احکام اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔'' ❸

### الصحیفۃ الصادقہ:

سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (م ۶۵ھ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل ایک صحیفہ مرتب کیا جسے "الصحیفه الصادقه" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں: ''اگرچہ یہ صحیفہ اصالتاً ہم تک نہیں پہنچا مگر یہ مسند احمد میں جوں کا توں محفوظ ہے۔'' ❹

---

❶ سنن ابوداؤد، كتاب العلم، رقم: ٣٦٤٦۔ مسند أحمد: ١٦٢/١۔ مستدرك حاكم: ١٠٥/١۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٠٣٢.

❷ صحيح الجامع الصغير، رقم: ٤٤٣٤۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ٢٠٢٦.

❸ صحيح بخارى، كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم: ١١١۔ سنن ترمذى، كتاب الديات، باب ماجاء لايقتل مسلم بكافر، رقم: ١٤١٢.

❹ علوم الحديث و مصطلحه، ص: ٢٧.

ابن اثیر فرماتے ہیں: ''اس میں ایک ہزار احادیث تھیں۔'' ❶

سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے بذاتِ خود یہ صحیفہ رقم کیا، فرماتے ہیں:

((الصادقة صحيفة كتبتها من رسول الله وقال: هى الصادقة فيها ما سمعته من رسول الله ﷺ و ليس بينى و بينه احد)) ❷

''صادقہ ایک صحیفہ ہے جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سن کر لکھا ہے۔ میں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور میرے اور ان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔''

## عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی کتاب:

رسول اللہ ﷺ نے جب سیّدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا تو انہیں ایک تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں احکام اور دینی ہدایات تھیں:

"إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ إِلٰى أَهْلِ الْيَمَنِ كِتَابًا فِيْهِ الْفَرَائِضُ، وَالسُّنَنُ، وَالدِّيَاتُ، وَبَعَثَ عَمْرَو بْنَ حَزْمٍ فَقَرَأْتُ عَلَى أَهْلِ الْيَمَنِ." ❸

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کی طرف ایک نامہ تحریر فرمایا، جس میں فرائض، سنن اور دیات کے مسائل تھے۔ آپ ﷺ نے یہ نامہ دے کر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا، پھر اہل یمن پر یہ تحریر پڑھی گئی۔''

"نُسْخَةُ كِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ تَلَقَّاهَا الْأَئِمَّةُ الْأَرْبَعَةُ بِالْقُبُوْلِ وَهِىَ مُتَوَارِثَةٌ كَنُسْخَةِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ." ❹

''صحیفہ عمرو بن حزم کو ائمہ اربعہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے نسخہ کی طرح موروثی سرمایہ ہے۔''

یاد رہے کہ رسول کریم ﷺ کے لکھوانے کے بعد انہوں نے اس میں مزید اکیس فرامین نبوی شامل کر کے ایک اچھی خاصی کتاب مرتب کر لی۔ چنانچہ "اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین لابن طولون" میں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی تالیف بطور ضمیمہ شامل اور محفوظ کر دی گئی ہے۔

## سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا مجموعہ:

سعید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب زیادہ اصرار سے کہتے تو وہ ہمارے

---

❶ اسد الغابة، ترجمة عبدالله بن عمرو: ٣/٢٣٣.
❷ تقييد العلم، ص: ٨٢۔ اسد الغابة: ٣/٢٣٤.
❸ إرواء الغليل، رقم: ٢٢٣٨.
❹ نصب الراية للزيعى.

لیے ایک دستاویز نکال لاتے اور کہتے: یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنیں اور لکھ کر دربار رسالت میں پیش کیں۔ ❶

❀ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام کی خواہش پر اور کبھی از خود ان کے لئے احادیث لکھوائیں تھیں مثلاً: ساداتنا ابوہریرۃ، عبد اللہ بن عباس، عائشۃ صدیقہ، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، ابوسعید خدری، ابو بکر، عمر بن خطاب، عثمان، اُم سلمہ، ابوموسی اشعری، ابوذر غفاری، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ❷

## عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کتابتِ حدیث

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی کتابت حدیث کا کام جاری رہا۔ اس مبارک دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زیادہ تر اپنی ذاتی یادداشتوں کو قلم بند کرنے پر توجہ دی۔ اس کی مثال:

### صحیفہ صحیحہ:

یہ صحیفہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ۱۱۳۹ احادیث پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کو لکھوائی تھیں۔

وہ تمام صحیفے جو سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے مرتب کیے تھے امتداد زمانہ کے ساتھ ناپید ہو گئے، مگر یہ صحیفہ باقی رہا، جسے صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

### صحیفہ سیّدنا جابر بن عبداللہ:

سیدنا جابر بن عبداللہ (م ۷۱ھ) نے بھی ایک صحیفہ لکھ رکھا تھا۔ ❸

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ یہ صحیفہ مناسک حج سے متعلق تھا۔ ❹

ممکن ہے جابر رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں نبی کریم ﷺ کے آخری حج کا بھی ذکر ہو جس میں آپ نے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس احتمال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ مشہور تابعی قتادہ بن دعامہ السدوسی (م ۱۱۸ھ) اس صحیفہ کی بڑی تعریف کیا کرتے اور کہا کرتے تھے:

((لَأَنَّا لِصَحِيْفَةِ جَابِرٍ اَحْفَظُ مِنِّيْ لِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ.)) ❺

---

❶ المستدرك: ٥٧٣/٣ـ ٥٧٤.

❷ تفصیل ملاحظہ فرمائیں: الوثائق السياسية از ڈاکٹر حمید اللہ۔ مکاتیب الرسول از شیخ علی الاحمد بحوالہ صحیح بخاری۔مسلم۔دارمی۔ تذكرة الحفاظ۔ طبقات ابن سعد۔ الإصابة۔ تقييد العلم۔ أسد الغابة.

❸ تذكرة الحفاظ: ٤٣/١. ❹ صحیفہ ہمام بن منبہ، ص: ١٤.

❺ التاريخ الكبير: ١٨٢/٤ـ تهذيب التهذيب: ٣٥٣/٨ـ طبقات: ٢٢٩/٧.

''یقیناً جابر کا صحیفہ تو مجھے سورۃ بقرہ سے بھی زیادہ از بر ہے۔''

## صحیفہ سیّدنا سمرۃ بن جندب:

سیدنا سمرہ بن جندب بن ہلال الفزاری رضی اللہ عنہ (م۶۰ھ) نے بھی ایک صحیفہ میں حدیثیں جمع کی تھیں ان کے بعد یہ صحیفہ ان کے بیٹے سلیمان کو ملا اور وہ اس کی روایتیں بیان کرتے تھے۔ ❶

غالبًا یہ وہی صحیفہ ہے جو سمرہ رضی اللہ عنہ نے بصورت مکتوب اپنے بیٹوں کو روانہ کیا' اسی کے بارے میں ابن سیرین فرماتے ہیں:

((فِيْ رِسَالَةِ سَمُرَةَ إِلَى بَنِيْهِ عِلْمٌ كَثِيْرٌ.)) ❷

''سمرہ نے جو مکتوب اپنے بیٹوں کے نام (روانہ کیا) اس میں بہت سا علم موجود ہے۔''

❀ اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریری خطبہ فتح مکہ کے موقع پر جو ابوشاہ رضی اللہ عنہ یمنی کی درخواست پر لکھوایا گیا، روایات سیدہ عائشہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات کے مجموعے، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی کتاب، صحیفہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور مکتوبات امام نافع رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے علاوہ اس دور کے ان تابعین کو بھی نہیں بھلایا جا سکتا جن کی مساعی جمیلہ اور جھود مخلصہ کی بدولت سنت کے خزانوں سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مالا مال ہوتی رہی ہے اور تا روزِ قیامت ہوتی رہے گی۔ مثلاً سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ بن عمر اور نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر رحمہم اللہ ہیں۔

## عہد تابعین میں کتابت حدیث

دوسرے دور میں تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی جس نے دور اوّل کے تحریری سرمایہ کو وسیع تر تالیفات میں سمیٹ لیا۔ امام ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری (م۱۲۵ھ) رحمہ اللہ کا نام اس دور کی جلیل القدر شخصیات میں شامل ہے۔ ان کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ امام زہری رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

((أَمَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدُالْعَزِيْزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ، فَكَتَبْنَاهَا دَفْتَرًا دَفْتَرًا. فَبَعَثَ إِلَى كُلِّ أَرْضٍ لَهُ عَلَيْهَا سُلْطَانٌ دَفْتَرًا.)) ❸

''ہمیں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا اور ان تمام علاقوں میں جن پر ان کا

❶ تهذيب التهذيب: ٤/٢٣٦. ❷ تهذيب التهذيب: ٤/٢٣٦-٢٣٧.
❸ جامع بيان العلم: ١/٧٦.

اقتدار تھا، یہ رسالے بھیجے۔''

ان کے علاوہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مدینہ کے گورنر ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ کو ہدایت لکھ بھیجی کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد رحمہما اللہ کے پاس جو ذخیرہ احادیث ہے اس کو ضرور قلم بند کریں:

((أَمَـرَهُ أَنْ يَـكْتُـبَ لَهُ الْعِلْمَ مِنْ عِنْدِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمَان (٩٨هـ) وَالْقَاسِمِ بْـنِ مُـحَـمَّـدٍ (م ١٠٧هــ) فَكَتَبَهُ وَفِي رِوَايَةٍ فَإِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَ ذِهَابَ الْعُلَمَاءِ وَلَاتَقْبَلْ إِلَّا حَدِيْثَ النَّبِيِّ ﷺ وَلْيَفْشُوْا الْعِلْمَ وَلْيَجْلِسُوْا حَتّٰى يَعْلَمَ مَنْ لَّايَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَايَهْلِكُ حَتّٰى يَكُوْنَ سِرًّا.))[1]

جن تابعین کی کتابت و تدوین حدیث کی خاطر خدمات ہیں اُن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سعید بن مسیّب، حسن بصری، ابن سیرین، علی بن حسین، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، قتادہ، علقمہ اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ۔

اس دور میں حدیث کے بہت سارے مجموعے مرتب ہوئے، جن میں امام مالک بن اُنس الاُصبحی رحمہ اللہ کی موطا کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس دور کی چند دوسری مصنفات کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) جامع سفیان ثوری۔ (۲) جامع ابن المبارک۔

(۳) جامع امام اوزاعی۔ (۴) جامع ابن جریج رحمہم اللہ۔

ان کے علاوہ دیگر محدثین اور فقہائے امت جیسا کہ:

بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (م ۱۵۶ھ)، ربیع بن صبیح (م ۱۶۰ھ) اور حماد بن ابی مسلمہ (م ۱۶۷ھ)، یمن میں معمر بن راشد (۹۰۔۱۶۳ھ)، واسط میں ہشیم بن بشیر (۱۰۴۔۱۸۳ھ)، رے میں جریر بن عبدالحمید (۱۱۰۔۱۸۸ھ) اور مصر میں عبداللہ بن وہب (۱۲۵۔۹۷ھ رحمہم اللہ) نے بھی مواد کو مرتب و منقح انداز میں جمع کرنے کا شرف حاصل کیا۔[2]

اس دور میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ، فتاوی صحابہ و تابعین کو ایک ہی مجموعہ میں مرتب کر لیا جاتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی وضاحت ہو جاتی تھی کہ یہ صحابی یا تابعی کا قول ہے یا حدیث رسول ﷺ۔

## تبع تابعین اور دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث:

اس کے بعد تیسرا دور آتا ہے۔ یہ تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے چوتھی صدی ہجری کے خاتمہ

---

[1] مقدمة الجرح و التعديل، ص: ٢١ـ توجيه النظر، ص: ٧ـ فتح البارى: ٢٠٨/١، ١٩٥.

[2] مقدمه فتح البارى، ص: ٢ـ تدريب الراوى: ٦٦/١ـ ٦٧.

تک پھیلا ہوا ہے۔اس دور میں:

۱: احادیث نبویہ علی صاحبھا الصلواۃ السلام کو آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے الگ کرکے مرتب کیا گیا۔

۲: قابل اعتماد روایات کے علیحدہ مجموعے تیار کئے گئے۔

۳: اور علم حدیث کی حفاظت کے لئے محدثین کرام نے کئی ایک علوم کی بنیاد ڈالی۔مثلاً:

(۱) علم اسماء الرجال۔

(۲) علم مصطلح الحدیث۔

(۳) غریب الحدیث۔

(۴) علم تخریج الأحادیث۔

(۵) علم الناسخ والمنسوح۔

(۶) اور فقہ الحدیث وغیرہ۔

## اس دور کے ممتاز اور مشہور جامعین حدیث میں سے:

(۱) عبدالعزیز بن جریج البصری (م۱۵۰ھ)

(۲) امام عبدالرحمٰن بن عمرو الأوزاعی (م۱۵۷ھ)

(۳) مالک بن انس اصبحی (م۱۷۹ھ)

(۴) محمد بن اسحاق (م۱۵۱ھ)

(۵) سفیان ثوری (م۱۶۱ھ)

(۶) عبدالرزاق الصنعانی (م۲۱۱ھ)

(۷) ابوبکر بن ابی شیبہ (م۲۳۵ھ)

(۸) امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ)

(۹) امام محمد بن اسماعیل البخاری (م۲۵۶ھ)

(۱۰) امام مسلم بن حجاج القشیری (م۲۶۱ھ)

(۱۱) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی (م۲۷۵ھ)

(۱۲) امام محمد بن عیسیٰ الترمذی (م۲۷۹ھ)

(۱۳) امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (م۳۰۳ھ)

(۱۴) امام ابوعبداللہ احمد بن یزید القزوینی (المعروف ابن ماجہ) (م۲۷۲ھ)

(۱۵) امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ (م ۲۳۸ھ)

ان کے علاوہ اس دور میں بہت سے محدثین نے تالیفات کیں، یعنی عقائد، عبادات، اخلاقیات اور معاملات وغیرہ تمام عنوانات پر مؤلفات حدیث موجود ہیں۔

## صحیح بخاری سے قبل لکھی گئی کتب حدیث:

صحیح بخاری سے قبل لکھی گئی کتب حدیث حسب ذیل ہیں:

### ۱: مؤطا امام مالک:

- اس مؤطا کے مؤلف امام مالک بن انس الأصبحی رحمہ اللہ ہیں۔ ❶
- آپ امت میں امام دارالہجرہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ تبع تابعین میں سے تھے۔ امام نووی نے ''تہذیب الأسماء'' میں لکھا ہے کہ امام مالک کے شیوخ کی تعداد نوسو تھی۔ جن میں تین سو تابعین تھے) چھ سو تبع تابعین۔
- امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک کو جب حدیث کے کسی حصے (جزء) میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث رد کر دیتے تھے۔ آپ کی محفل ایسی رعب دار تھی کہ ملوک وسلاطین کو تاب سخن نہ تھی، ایک خاموشی کا عالم طاری رہتا۔ ❷
- آپ نے اہل مدینہ کے تعامل اور احادیث رسول پر مبنی کتاب مرتب کی۔ مؤطا کی تصنیف کے وقت سے اب تک اس کی قبولیت کو دوام حاصل ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ان للمؤطا لوقعا فی النفوس و مهابة فی القلوب لایوازیها شئی .)) ❸

''یقیناً مؤطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔''

- امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

((ما أعلم فی الأرض کتابا اکثر صوابا من کتاب مالك .)) ❹

''میرے علم میں روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔''

- ''آج کل جو ہمارے ہاں متداول نسخہ ہے وہی سب سے قابل اعتماد اور مستند ترین نسخہ ہے اور یہ یحییٰ بن یحییٰ

---

❶ سیر أعلام النبلاء: ۴۸/۸۔ شذرات الذهب: ۱۲/۲۔ وفیات الأعیان: ۲۳۵/۴.

❷ تهذیب الأسماء واللغات: ۲/ ۷۶۔ بستان محدثین، ص: ۱۹.

❸ مقدمه التعلیق الممجد علی مؤ طا امام محمد بحواله سیر السلام النبلاء.

❹ تدریب الراوی: ۶۸/۱۔ تذکرة الحفاظ: ۲۰۸/۱۔ سیر أعلام النبلاء: ۱۱۱/۸.

مصمودی (م۲۳۴ھ) کا مرتب کردہ ہے۔ اس موجودہ نسخہ کے ٹائیٹل پر ہی آپ کے یہ الفاظ نظر آئیں گے ''۱۷۲۰ احادیث کا مجموعہ'' اب جو نسخے موجود ہی نہیں ان کے ذکر کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ ان احادیث کی تفصیل درج ذیل ہے:

مرفوع احادیث ۶۰۰، مرسل ۲۲۲، موقوف (اقوال صحابہ) ۶۰۳، مقطوع (اقوال تابعین ۲۸۵، کل میزان ۱۷۲۰۔'' ❶

**نــوٹ**: ...... یادرہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب صحیح بخاری مدون نہ ہوئی تھی وگرنہ صحیح بخاری کے لکھے جانے کے بعد ''اصح الكتب بعد كتاب الله'' صحیح بخاری ہے۔

## مسند أبي داوٗد الطیاسی:

- ابوداؤ سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری رحمہ اللہ (م۲۰۴ھ) ایرانی النسل تھے۔ ❷
- تحصیل علم کے لئے مختلف علاقوں کے سفر کئے۔ ان کے اساتذہ میں اہم شعبہ، ثوری اور حماد بن سلمہ رحمہم اللہ تھے۔ ❸
- حافظہ بلا کا تھا، کہا جاتا ہے کہ ۴۰ ہزار احادیث بغیر مکتوب ذخیرہ کو دیکھے روایت کر سکتے تھے۔ ❹
- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انہیں ''ثقہ صدوق'' لکھا ہے۔ ❺
- ان کی مسند ابتدائی مسانید میں سے ہے۔ اس میں (۲۸۹۰) احادیث ہیں جو تقریباً (۲۸۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

## مسند حمیدی:

- ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسی الحمیدی المکی رحمہ اللہ (م ۲۱۹ھ) اپنے وقت کے امام تھے۔ ❻
- سفیان بن عیینہ، الولید بن مسلم اور امام شافعی رحمہم اللہ ایسے علماء کی مجالس درس سے وابستہ رہے۔ ❼
- آپ کے شاگردوں میں امام بخاری اور ابوزرعہ الرازی وغیرہ چوٹی کے علماء تھے۔ ❽

---

❶ آئینہ پرویزیت، ص:۵۰۲۔۵۰۳.

❷ طبقات ابن سعد: ۲۹۸/۷۔ التاريخ الكبير: ١٠٠/٤۔ ميزان الاعتدال: ٢٠٣/٢۔ تاريخ بغداد: ٢٤/٩۔ شذرات الذهب: ١٢/٢۔ سير أعلام النبلاء: ٣٧٨/٩.

❸ تذكرة الحفاظ: ٣٥٢/١۔ السير: ٣٨٠/٩.

❹ السير: ٣٨٠/٩۔ تذكرة: ٣٥٢/١.

❺ السير: ٣٨٤/٩۔ تذكرة: ٣٥٢/١.

❻ الجمع بين رجال الصحيحين: ٢٦٥/١۔ تذكرة: ٤١٣/٢۔ شذرات الذهب: ٤٥/٢۔ سيرأعلام النبلا: ٦١٦/١٠.

❼ السير: ٦١٦/١٠۔ تهذيب : ٢١٥/٥.

❽ السير: ٦١٧/١٠۔ طبقات السبكي: ١٤٠/٢.

❀ امام احمد اور ابو حاتم نے انہیں ''ثقہ امام'' قرار دیا ہے۔ ❶
❀ مسند میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ وتابعین کو بھی جگہ دی گئی ہے۔بعض مقامات پر غریب ومشکل الفاظ کی توضیح بھی ملتی ہے۔
❀ مسند میں احادیث وآثار کی تعداد (۱۳۰۰) ہے۔

## مسند اسحاق ابن راھو یہ:

❀ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحظلی التیمی رحمہ اللہ (م ۲۳۸ھ) ابن راھویہ کے نام سے علمی حلقوں میں معروف ہیں۔علم حدیث کی تحصیل کے لئے دور دراز کے علاقوں کے سفر کئے۔ ❷
❀ ان کی تالیفات میں مسند کو اہم مقام حاصل ہے۔ یہ مسند ماسوائے جلد ششم کے مرور زمانہ کے ساتھ ضائع ہوگئی۔فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ ❸
❀ محفوظ مخطوط کا آغاز سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات سے ہوتا ہے اور آخر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں۔ ❹
❀ یہ جزء اب رحمت الٰہیہ سے زیور طباعت سے آراستہ ہوگیا ہے۔فللّٰہ الحمد علی ذلك۔
❀ اس مطبوعہ جزء میں روایات کی تعداد (۹۸۰) ہے۔

## مسند احمد:

❀ احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ الشیبانی رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) عربی النسل تھے۔ ❺
❀ امام عبدالرزاق اور امام شافعی رحمہما اللہ نے بھی علم میں ان کی فضیلت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ❻
❀ مسند تقریباً تیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ یہ سات سو صحابہ کرام (بشمول صحابیات) کی مرویات کا مجموعہ ہے۔متن وسند کی مقبولیت کے لئے کڑی شرائط رکھیں۔اس میں مرفوع کے علاوہ مقطوع احادیث اور آثار

---

❶ أیضاً: ۱۰/ ٦١٦۔ أيضاً: ۲/ ١٤٠.

❷ وفيات الأعيان: ١/ ١٩٩۔ تاريخ بغداد: ٢/ ٣٤٥۔ ٣٤٦۔ كتاب الأنساب: ٦/ ٥٦۔ تذكرة الحفاظ: ٢/ ٤٣٣۔ التهذيب: ١/ ٢١٦۔ العبر: ١/ ٤٢٦۔ سيرأعلام النبلاء: ١١/ ٣٥٨۔ ابن عساكر: ٢/ ٤١٠.

❸ ابن حجر نے المطالب میں اس کی چھ جلدوں کا تذکرہ کیا ہے۔المطالب العالية: ١/ ٣۔ تذكرة ذيل: ٣٣٤.

❹ تذكرة: ٢/ ٧٠٥۔ العبر: ٢/ ١٢٩.

❺ طبقات ابن سعد: ٧/ ٣٥٤۔ تاريخ بغداد: ٤/ ٤٣١۔ وفيات: ١/ ٦٣۔ ٦٤۔ العبر: ١/ ٤٣٥۔ شذرات الذهب: ٢/ ٩٦۔ السير: ١١/ ١٧٧۔ ١٧٨.

❻ تاريخ بغداد: ٤/ ٤١٩۔ تهذيب التهذيب: ١/ ٧٣۔ طبقات للسبكي: ٢/ ٢٨۔ ٣١.

صحابہ بھی ہیں۔امام احمد اپنی زندگی میں المسند مرتب نہ کر سکے البتہ اپنے بیٹے کو اس کا بیشتر حصہ سنا دیا تھا۔ ❶

❀ امام ممدوح رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((قلت لأبی لم کرهت وضع الکتاب و قد عملت المسند فقال:عملت هذا الکتاب اماما اذا اختلف الناس فی سنة عن رسول الله رجع إلیه . )) ❷

''میں نے اپنے والد احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ آپ کتابیں مرتب کرنے سے کیوں منع کرتے ہیں، حالانکہ آپ نے خود بھی مسند لکھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا: یہ کتاب میں نے لوگوں کی رہنمائی کے لئے لکھی ہے۔ جب سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں لوگوں میں کوئی اختلاف رونما ہوگا تو وہ اس کی طرف رجوع کریں گے۔''

ان کے علاوہ اس دور میں بہت سے محدثین نے تالیفات کیں۔یعنی عقائد،عبادات، اخلاقیات اور معاملات وغیرہ تمام عنوانات پر مؤلفات حدیث موجود ہیں۔

## صحاح ستہ کے مؤلفین کے ادوار:

دوسری صدی ہجری کے پہلے نصف میں تصنیف، تالیف و ترتیب کی جو سرگرمیاں شروع ہوئی تھیں وہ تیسری صدی کے ابتدائی حصے میں ایک نئی علمی تحریک کو وجود میں لانے کا باعث بنیں۔

چنانچہ اس نتیجہ میں کئی کتابیں تصنیف کی گئیں جن سے طلباء حدیث استفادہ کرتے ہیں لیکن جن کتابوں کو امت مسلمہ میں زیادہ قبولیت حاصل ہوئی وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) جامع ترمذی (۴) سنن ابوداؤد (۵) سنن نسائی اور (۶) سنن ابن ماجہ۔

یہ کتب قرنِ ثالث کی مدونہ ہیں اور علم حدیث میں سب سے زیادہ مستند اور صحیح سمجھی جاتی ہیں۔انہیں صحاح ستہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔دینی ادب میں ان کو بہت بلند مقام حاصل ہے اور انہیں سنت رسول علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام سے معرفت کا مستند ذریعہ تسلیم کیا جاچکا ہے۔

## چوتھا دور:

چوتھا دور پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔اس دور میں :

۱: کتب حدیث کی شروح اور حواشی لکھے گئے۔مزید برآں دوسری زبانوں میں تراجم کئے گئے۔

---

❶ طبقات السبکی: ۳۱/۲- السیر: ۱۸۱/۱۱، ۳۲۹.

❷ خصائص المسند للمدبتی،ص: ۸.

۲:	جن علوم کا اوپر ذکر گزرا ہے۔ ان پر بہت سی تصانیف وجود میں آئیں۔

۳:	علماء محدثین نے اپنے ذوق اور لوگوں کی ضرورت کے مطابق تیسرے دور کی تالیفات سے احادیث منتخب کر کے مفید کتابیں، مثلاً (۱) مشکوٰۃ المصابیح، (۲) ریاض الصالحین، (۳) منتقی الأخبار اور (۴) بلوغ المرام وغیرہ مرتب کیں۔

**اقسام کتب حدیث:**

عمومی طور پر محدثین کے ہاں حدیث کے مجموعوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

**الف: صحیح:**

وہ کتب جو صحیح احادیث پر مشتمل ہوں یا ان کے مؤلفین نے یہ شرط لگا رکھی ہو کہ وہ ان کتب میں فقط صحیح احادیث ہی جمع کریں گے۔ ایسی کتب ''صحیح'' کہلاتی ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ وغیرہ۔

**ب: جامع:**

جامع وہ کتب ہوتی ہیں جن میں آٹھ کتب یعنی ابواب حدیث کے تحت احادیث جمع ہوں:

(۱) العقائد (۲) الاحکام (۳) الزہد والرقاق (۴) آداب الطعام والشراب (۵) التفسیر (۶) التاریخ والسیر (۷) الفتن (۸) اور المناقب والمثالب۔

جیسا کہ امام بخاری اور ترمذی کی "الجامع الصحیح" ہیں۔

**ج: مسند:**

ایک صحابی کی یا کئی صحابہ کی احادیث کو مراتب صحابہ کے لحاظ سے جس کتاب میں جمع کیا گیا ہو اسے مسند کہا جاتا ہے۔ خواہ یہ ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہو یا بلحاظ سبقت اسلام یا باعتبار شرافت نسب۔ جیسا کہ مسند ابو داؤد الطیالسی اور مسند احمد وغیرہ۔

**د: معجم:**

معجم وہ کتاب ہوتی ہے جس میں صرف حروف تہجی کے اعتبار سے شیوخ، بلدان یا قبائل کے ناموں کے مطابق احادیث کو جمع کیا جائے۔ مشہور ترین معاجم، طبرانی کی معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر ہیں۔

**ھـ: مستدرک:**

مستدرک وہ کتاب ہے جس میں ایسی احادیث جمع کی جائیں جو کسی مؤلف کی شرائط کے مطابق ہوں مگر اس

کی کتاب میں موجود نہ ہوں۔اس سلسلے میں مشہور کتاب امام حاکم (م۴۰۰ھ) کی "المستدرك على الصحيحين" ہے۔

**و: مستخرج:**

وہ کتاب جس میں کوئی مصنف کسی کتاب کی حدیثوں کو کتاب کے مؤلف کے علاوہ اپنی سند سے روایت کرے اوراس کی سند کتاب کے مؤلف کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جا کر ملتی ہو۔جیسا کہ ''مستخرج أبي عوانہ علی صحیح مسلم'' ہے۔

**ز: جزء:**

جس کتاب میں صرف ایک ہی عنوان اور مسئلہ کے تحت احادیث جمع کر دی جائیں اسے ''جزء'' کہتے ہیں۔ جیسے "جزء رفع اليدين و جزء القرآة للبخاری" وغیرہ۔

**ط: سنن:**

جس کتاب میں احکام کی احادیث ہوں۔اس کی ترتیب میں سب سے پہلے کتاب الطہارۃ ہوتی ہے۔اس کے بعد عبادات، احوال شخصیہ، معاملات اور جہاد وغیرہ۔مشہور سنن نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ۔ [1]

تقسیم برصغیر سے قبل بلکہ یہاں انگریزوں اور منگولوں کے ورود سے بھی پہلے دور تابعین میں ایک تابعی سیّدنا ربیع بن السعد البصری (م۱۶۰ھ) کے نفس مبارک کے ساتھ انفاس رسول ﷺ (حدیث) کا چراغ روشن ہوا جو آج تک بے نور نہیں ہوا۔ بلکہ کئی قلوب و اذہان کو منور کیا جن خوش نصیبوں نے اپنا دم وتن لگا کر ان کرنوں کی حفاظت کرنے کی سعادت پائی ان میں سے چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔مشہور محدث حسن بصری (م۱۱۰ھ) کے شاگرد اسرائیل بن موسیٰ، شیخ اسماعیل (م۴۴۸ھ) رفیق محمود غزنوی، امام رضی الدین صغانی (م۶۵۰ھ)، مولانا راجح بن داؤد گجراتی (م۹۰۴ھ)، سیّد عبدالاول حسینی، حسام الدین ملتانی، شیخ علی متقی الہندی صاحب کنزل العمال (م۹۷۵ھ)، عبدالوہاب متقی (م۱۰۰۱ھ) اوراس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کی اولاد واحفاد اور تلامذہ اور ایسے ہی نواب صدیق حسن خان قنوجی اور شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کی محنتوں اور کاوشوں سے اس ملک کی سرزمین نورِ سنت سے روشن ہوگئی۔ یہ وہ سلسلہ علم حدیث ہے کہ جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ليلها كنها را!

[1] معجم اصطلاحات حدیث، از ڈاکٹر سہیل حسن۔تیسیر مصطلح الحدیث۔علوم الحدیث از ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر۔حفاظت حدیث، از خالد علوی۔

الحمدللہ! اس ملک پاکستان میں تراجم، شروح اور منتخب احادیث کے مجموعوں کی ترتیب واشاعت کا مقدس اور بابرکت مشغلہ اب تک جاری ہے اور جاری رہے گا۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کا یہ ترجمہ، تخریج اور شرح بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

## صحیفہ ہمام بن منبہ:

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس کتاب کا بھی تذکرہ وتعارف ہوجائے جس کو ہم آپ کے سامنے تحقیق، تخریج وترجمہ کے ساتھ پیش کرکے رضاء الٰہی اور امت مسلمہ کی دعاؤں کے امیدوار ہیں۔

صحیفہ جمع صحف کے بنیادی معنی ورق کے ہیں۔لیکن اس سے کتابچہ مراد لیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام نے آنحضور ﷺ سے جو احادیث منضبط کی تھیں انہیں صحیفہ کا نام دیا گیا اور اس میں اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا کہ احادیث کی تعداد کتنی ہے۔ مثلاً ابوایوب انصاری (متوفی ۵۲ ھ) اور بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہما (متوفی ۶۲ ھ) کے صحیفوں میں ۱۵۰ سے زیادہ حدیثیں تھیں۔ ❶

جبکہ عبداللہ بن عمرو بن العاص (متوفی ۶۵ ھ) اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما (متوفی ۶۶ ھ) کے صحیفوں میں تقریباً ایک ہزار احادیث تھیں۔ ❷

ان صحیفوں کے بارے میں قدرے تفصیل گزر چکی ہے۔

صحیفہ ہمام بن منبہ کی نسل درنسل مستقل اور علیحدہ روایت کا سلسلہ جاری وساری رہا، اور محدثین نے اسے اپنی مصنفات میں شامل کرلیا، جیسا کہ امام احمد نے تمام روایات، جبکہ امام عبدالرزاق الصنعانی نے ۶۱، امام مسلم نے ۸۳، امام بخاری نے ۵۲ جبکہ امام بغوی نے شرح السنہ میں ۹۷ روایات ذکر کی ہیں۔ صحیح بخاری ومسلم کے اندر یہ احادیث یکجا ہونے کی بجائے مختلف کتب و ابواب میں بکھری ہوئی ہیں۔ اور کچھ دوسری کتب میں بھی اس کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ اس طرح اس کی کوئی حدیث بھی گم یا ضائع نہیں ہوئی۔ مگر اصل صحیفہ نایاب تھا۔

چنانچہ اس صحیفے کو مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے دریافت کیا، انہیں اس کے دو مخطوطے دستیاب ہوئے تھے، جن میں بال برابر بھی فرق نہ تھا، ایک دمشق میں تھا، اور دوسرا برلن میں۔ اس صحیفے میں کل ۱۳۸ احادیث موجود ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''صحیفہ ہمام بن منبہ جسے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے حال ہی میں شائع کیا ہے یہ ہمام بن منبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ جنہوں نے یہ صحیفہ (جس میں ۱۳۸ حدیثیں درج ہیں) لکھ کر اپنے استاد

❶ السير: ٢/ ٢٨٩ـ ٣٣٧.

❷ السير: ٣/ ١٢٩ـ أُسد الغابة: ٣/ ٣٤٩.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (م ۵۸ھ) پر پیش کر کے اس کی تصحیح وتصویب کرائی تھی۔ گویا یہ صحیفہ سن ۵۸ھ سے بہر حال پہلے ہی ضبط تحریر میں لایا گیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ۱۹۳۳ء میں برلن کی کسی لائبریری سے ڈھونڈ نکالا۔ اور دوسرا مخطوطہ دمشق کی کسی لائبریری سے۔ پھر ان دونوں نسخوں کا تقابل کر کے ۱۹۵۵ء میں حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ اور جہاں کہیں الفاظ کا اختلاف ہے۔ اسے بھی واضح کر دیا۔

ہمیں یہ دیکھ کر کمال حیرت ہوتی ہے کہ یہ صحیفہ پورے کا پورا مسند احمد بن حنبل میں مندرج ہے۔ اور بعینہٖ اسی طرح درج ہے جس طرح قلمی نسخوں میں ہے ماسوائے چند لفظی اختلافات کے جن کا ذکر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے کر دیا ہے۔ لیکن جہاں تک زبانی روایات کی وجہ سے معنوی تحریف کے امکان کا تعلق ہے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب دیکھئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا سن ۲۴۰ھ ہے۔ بعینہٖ صحیفہ مذکور اور مسند احمد بن حنبل میں تقریباً دو سو سال کا عرصہ حائل ہے۔ اور دو سو سال کے عرصہ میں صحیفہ ہمام بن منبہ کی روایات زیادہ تر زبانی روایات کے ذریعے ہی امام موصوف تک منتقل ہوتی رہیں۔ اب دونوں تحریروں میں کمال یکسانیت کا ہونا کیا اس بات کا واضح ثبوت نہیں کہ زبانی روایات کا سلسلہ مکمل طور پر قابل اعتماد تھا۔

صحیفہ کی اشاعت اور تقابل کے بعد دو باتوں میں ایک بات بہرحال تسلیم کرنا پڑتی ہے۔

(۱) زبانی روایات، خواہ ان پر دو سو سال گزر چکے ہوں قابل اعتماد ہو سکتی ہیں۔

(۲) یہ کہ کتابِ حدیث کا سلسلہ کسی بھی وقت منقطع نہیں ہوا۔'' [1]

جامعہ الازہر کے معروف عالم ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب اس مطبوعہ صحیفے کی تحقیق، تخریج اور شرح کا کام کر رہے تھے اور وہ آدھا کام مکمل کر چکے تھے حسن اتفاق ایسا ہوا کہ ''دارالکتب المصریہ'' سے ایک اور مخطوطہ ان کے ہاتھ لگ گیا۔ جو ۷۵۵ھ کا مکتوب تھا۔ اس مخطوطے میں ان دونوں کے مقابلے میں ایک حدیث زائد ہے اور یہ زائد حدیث مسند احمد میں شامل صحیفے کی احادیث میں بھی موجود ہے۔ اب ڈاکٹر رفعت فوزی نے اسی مصری مخطوطے کو بنیاد بنا کر کام مکمل کیا۔ اسے المکتبہ الخانجی نے پہلی مرتبہ ستمبر ۱۹۸۵ء (بمطابق محرم الحرام ۱۴۰۶ھ) میں قاہرہ سے شائع کیا۔

صحیفہ کی (۱۳۹) احادیث میں سے (۶۱) کا تعلق عقائد و ایمانیات سے ہے، جبکہ (۴۶) عبادات، (۹) معاملات، (۱۷) اخلاقیات اور (۹) متفرقات سے متعلق ہیں۔ احادیث قدسیہ کی تعداد (۱۲) ہے۔

---

[1] آئینہ پرویزیت، ص: ۵۳۳۔۵۳۴.

## آخری باتیں:

صحیفہ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ جیسے دستیاب شدہ ذخیرۂ حدیث میں اولیت اور اقدمیت کا اعزاز حاصل ہے، کے ترجمہ، تخریج اور شرح کا کام بزبان اردو انتہائی اہم تھا۔ چنانچہ انتہائی قابل احترام اور اپنے رفیق سفر خدمتِ حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی حفظہ اللہ کے ارشاد پر یہ سعید اور بابرکت کام شروع کر دیا۔ چھبیس (۲۶) روایات کا ترجمہ، تخریج اور شرح مکمل کر چکا تھا تو میرے انتہائی قریبی تلمیذ حافظ عبداللہ شمیم نے اس کام کی تکمیل خود کرنے کی خواہش ظاہر کی تو میں اس کام سے دستبردار ہو گیا اور کام ان کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ ایک سال کے بعد اپنی استطاعت کے مطابق انہوں نے یہ کام مکمل کر کے مجھے بھجوادیا۔ بعد ازاں فضیلۃ الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کے مکتبہ سے ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب کی تحقیق وتشریح سے آراستہ صحیفہ کا نسخہ فوٹو کاپی کروا کے اضافہ جات کا کام، صحیفہ کی اہمیت، اولیت اور اقدمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کتب حدیث وشروحات اور کتب تفاسیر کو سامنے رکھ کر صحیفہ کی شایان شان کام دوبارہ شروع کر دیا، اور عرصہ تین ماہ میں بفضل اللہ تعالیٰ اختتام پذیر ہو گیا۔

## ترجمہ، تخریج اور تشریح کرتے ہوئے جن امور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

ہم نے ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب حفظہ اللہ والے صحیفہ کے نسخے یعنی مخطوطۂ مصر کو بنیاد بنا کر ترجمہ، تخریج اور تشریح کرتے ہوئے ان امور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

۱: اس کے شروع میں ایک علمی وتحقیقی مقدمہ لکھ کر شامل کیا گیا ہے۔

۲: تمام احادیث مبارکہ پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں۔

۳: ہر حدیث کا ایک عنوان قائم کر دیا ہے، نیز شرح کے دوران بھی بعض اہم مقامات پر عنوانات قائم کر دیئے گئے ہیں۔

۴: صحیفہ کی تمام احادیث کا ترجمہ لکھا ہے، اور تخریج وتشریح کے لئے علیحدہ عنوانات قائم کر دیے گئے ہیں۔

۵: احادیث کی علمی تشریح کر دی گئی ہے۔

۶: عموماً ہر حدیث کی شرح کے اختتام پر پوری شرح کا ماحصل اور خلاصہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

۷: احادیث میں تعارض کے مقامات پر محدثین اور سلف صالحین سے مستفاد توجیہات سے اس کا عمدہ حل پیش کر

دیا گیا ہے۔

۸: احادیث کی علمی تخریج کرتے ہوئے صحیح بخاری، مسلم اور دوسری کتب کی اسناد بھی ذکر کی گئی ہیں۔

۹: شرح میں پیش آمدہ قرآنی آیات کے حوالہ جات لگائے گئے ہیں۔

۱۰: شرح میں پیش آمدہ روایات و احادیث کی بھی محدثین کے انداز پر تخریج کر دی گئی ہے۔

۱۱: شرح میں غیر ضروری طوالت سے حتی الاِمکان اجتناب کیا گیا ہے۔

۱۲: قارئین کرام کے لئے اسوہ رسول ﷺ سے جو عمل کی راہیں ملتی ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۳: شرح کرتے ہوئے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ ضعیف اور موضوع روایات سے اجتناب کیا جائے۔

۱۴: میری معلومات کے مطابق صحیفہ کی یہ پہلی علمی، تحقیقی، قرآن و سنت اور فہم و عمل صحابہ و تابعین کے عین مطابق بزبان اُردو شرح ہے، جبکہ اس سے قبل ایسا دیکھنے میں نہیں آیا۔ والحمد للّٰه علی منه و احسانه!

۱۵: راوی کتاب جناب ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی اور سیرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ذکر کر دی ہے۔

۱۶: محدثین کے مبارک عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے، اجازہ روایۃ الحدیث بھی ذکر کر دی گئی ہے۔

## اظہار تشکر

آخر میں میں اپنے ان تمام احباب کو ہدیہ تشکر و سپاس پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے آغاز سے اختتام پذیر ہونے تک کسی بھی طرح کا تعاون کیا۔

سب سے پہلے تو میں اپنے تلمیذ جناب حافظ عبداللہ شمیم کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا ضروری گردانتا ہوں کہ وہ انتہائی جانفشانی اور دل جمعی و دل لگی کے ساتھ اس صحیفے کا ترجمہ، تخریج اور فوائد لکھنے میں میرے دست و بازو بنے رہے۔ جزاهم الله خيراً في الدنيا والآ خرة خير الجزاء .

اس کے بعد ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی (مدیر ادارہ انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، پاکستان) کی خدمت میں نذرانۂ تحسین پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے، ترجمے اور تشریح پر نظر ثانی فرمائی اور کئی قابل اصلاح مقامات کی درستگی فرمائی۔ محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عدیل الرحمٰن حفظہ اللہ (فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد) نے پروف ریڈنگ کی اور رہی سہی کسر کو دور کر دیا۔

ان کے علاوہ میں اپنے سرپرست اور مربی قابل صد احترام فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کا ممنون و

مشکور ہوں جو دین کے ہر معاملے میں میری رہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔ حفظہ اللہ و رعاہ کل رعایة وزادہ شرفاً و کرماً .

اللہ رب العزت کے حضور سر بسجود ہو کر دعا گو ہوں کہ وہ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ اس میں برکات عنایت فرمائے۔ اس میں جہاں کوئی لغزش یا غلطی ہوئی ہے اس سے درگزر فرمائے، اور قارئین کو اس کتاب سے بھرپور استفادہ کرنے اور پھر عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

وصلى الله على خير خلقه محمد و آله وصحبه وسلم

وکتبہ

حافظ حامد محمود الخضری

مدیر: انصار السنۃ پبلیکیشنز۔ لاہور

## ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی

ہمام بن منبہ بن کامل بن شیخ الیمانی اَبوعقبہ الصعانی ابناء میں سے تھے، اور اپنے بھائی وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے عمر میں بڑے تھے۔ وہ سیدنا اَبو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تعلیم کے سلسلے میں ملے اور ان سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ میمونی رحمہ اللہ نے احمد رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ غزوات میں شریک ہوتے اور اپنے بھائی وہب رحمہ اللہ کے لئے کتابیں خریدتے تھے۔ انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس زانوے تلمذ طے کیا اور ان سے حدیثیں سنیں جوتقریباً ۱۴۰ ہیں، سب کی سب ایک اسناد رکھتی ہیں۔ معمر بن راشد رحمہ اللہ نے ان کا زمانہ پایا جب کہ یہ بوڑھے ہوگئے اور ان کی بھویں ان کی آنکھوں پر گر گئی تھیں، ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے معمر بن راشد رحمہ اللہ کو یہ حدیثیں پڑھ کر سنانی شروع کیں لیکن جب تھک گئے تو معمر بن راشد رحمہ اللہ نے رسالہ ہاتھ میں لے لیا اور باقی کو خود پڑھ کر سنایا۔ عبدالرزاق (راوی) یہ نہیں بتا سکے کہ کون سا حصہ انہوں نے پڑھا اور کون سا ان کو پڑھ کر سنایا۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان کی وفات سن اکتیس ۱۳۱ ھ میں ہوئی۔

امام بخاری کہتے ہیں: علی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے ایک شخص سے جو ہمام بن منبہ رحمہ اللہ سے ملا تھا، پوچھا: ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کی وفات کب ہوئی؟ کہا: سنہ دو ۲ میں۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عیینہ رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ میں ہمام منبہ رحمہ اللہ کا دس برس تک انتظار کرتا رہا۔ میں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ ابن سعد، خلیفہ اور ابن حبان رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے کہ ان کی وفات ایک سو اکتیس یا بتیس میں ہوئی۔

### ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کی ثقاہت:

۱: عجلی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ یمنی، تابعی اور ثقہ تھے۔

۲: اسحاق بن منصور رحمہ اللہ نے ابن معین رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ہمام ثقہ تھے۔

۳: ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔

۴: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] **مصادر الترجمة**: تهـذيب التهذيب: ۵۹/۱۱، ت: ۷٦۳٦ـ التقريب، ت: ۷۳۱۷. الكمال: ۲۹۸/۳۰، ت: ٦٦۰۰ـ التاريخ الكبير: ۸/ت: ۲۸٤۷ـ الجرح: ۹/ت: ٤۵۳ـ الكاشف: ۳/ت ٦۰۸۵ـ سير أعلام النبلاء: ۳۱۱/۵، ت: ۱٤۸ـ كتاب الثقات: ۵۱۰/۵ـ تهذيب الأسماء واللغات: ۱٤۰/۲.

# سیرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

## نام:

زمانہ جاہلیت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام عبدشمس تھا۔قبول اسلام کے چند سال بعد جب وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا جاہلی نام بدل کر اسلامی نام عبدالرحمٰن رکھا۔لیکن انہوں نے اپنی کنیت ''ابو ہریرہ'' سے شہرت پائی اور ان کا اصل نام نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

## کنیت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت پر جمہور ارباب سیر کا اتفاق ہے،اس کا مطلب ہے''بلّی والا''۔اس کنیت کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں،ان میں سے راجح روایت یہ ہے کہ: سیدنا عبداللہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو ابو ہریرہ کیوں کہا جاتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک بلی پال رکھی تھی اور رات کو میں اس بلی کو ایک درخت کی کھوہ میں رکھ دیتا تھا۔دن کو جب میں بکریاں چرانے جاتا تو اس کو ساتھ لے لیتا اور فرصت کے وقت اس سے کھیلا کرتا تھا۔لوگوں نے بلی سے میرا غیر معمولی لگاؤ دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا۔

## بچپن سے جوانی تک:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے وطن ہی میں پلے بڑھے اور اپنی زندگی کا پہلا تیس سالہ دور وہیں گزارا۔وہ بچپن ہی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے اور ان کی والدہ نے نہایت غربت وافلاس کے عالم میں ان کی پرورش کی۔اہل سیر نے ان کے حالات بہت کم بیان کئے ہیں۔صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ اپنے وطن مین بکریاں چرایا کرتے تھے۔روزانہ بکریاں جنگل میں لے جاتے اور شام تک انہیں چراتے رہتے۔قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنے پڑھنے میں کچھ شد بد پیدا کر لی تھی اور کبھی کوئی شعر بھی موزوں یاد کر لیتے تھے۔اگرچہ وطن میں ان کی زندگی کا بیشتر حصہ افلاس کی حالت میں گزرا۔٦ ھ کے اواخر میں انہوں نے اپنے قبیلے کے ہمراہ وطن سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

## قبولِ اسلام:

جمہور علماء سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے پہلے اپنے وطن میں طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان ہوئے جب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مکہ سے دوسری مرتبہ واپس آ کر اپنے قبیلے میں تبلیغ شروع کی۔ بہرصورت یہ واقعہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔

کچھ روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر (محرم ۷ ھ) کے موقع پر یا صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ ھ) اور غزوہ خیبر محرم ۷ ھ کے درمیان عرصے میں مسلمان ہوئے۔ لیکن جمہور علماء سیر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے کہ وہ ہجرت نبوی سے پہلے اپنے وطن ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ غزوخیبر کے موقع پر انہوں نے ہجرت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔

## خانگی زندگی:

کتب سیر سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صرف ایک بیوی کا پتا چلتا ہے۔ قیاس غالب ہے کہ انہوں نے عمر بھر صرف ایک شادی کی، بیوی کا نام بسرہ بنت غزوان تھا جو مشہور صحابی عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ وہ بڑی مال دار خاتون تھیں اور ایک معزز قبیلے ''بنوغزوان'' سے تعلق رکھتی تھیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اکثر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ ان کی شادی ایسے معزز خاندان میں ہوئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس موقع پر ان کو اپنے آقا و مولیٰ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی میں ایک مماثلت حاصل ہوتی ہے وہ یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ پہلے جس عورت کے ملازم تھے بعد میں انہی کے شوہر بنے۔

مضارب بن جز رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کو میں باہر نکلا تو کسی کے زور زور سے تکبیریں کہنے کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ قریب جا کر دیکھا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا اس وقت آپ کیوں تکبیر کہہ رہے ہیں؟ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا جب میں بسرہ بنت غزوان رضی اللہ عنہا کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دن دکھایا کہ وہ میرے عقد میں آ گئی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ اخلاق اور بے حد پاکیزہ عادات و خصائل سے نوازا، ان کے گلشن اخلاق میں علم کی تحصیل اور اشاعت میں بے پناہ انہماک، خشیت الٰہی، خوف آخرت، حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، شوقِ جہاد، سیر چشمی اور خوش مزاجی سب کے سب خوش رنگ پھول ہیں۔

## خشیت الٰہی اور خوف آخرت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر خشیت الٰہی کا بہت غلبہ تھا اور وہ خوف آخرت سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی ایک حبشی خادمہ نے ان کو بہت پریشان کیا۔ غصّے میں آ کر اس کو مارنے کے لئے چابک

اٹھایا۔لیکن خوف آخرت غالب آ گیا۔ چابک ہاتھ سے رکھ کر فرمانے لگے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ قیامت کے دن مجھ سے بدلہ لیا جائے گا تو میں تمہیں اس چابک سے مارتا۔ جاؤ میں نے اللہ کی رضا کی خاطر تمہیں آزاد کیا۔

ایک دفعہ ان کی بیٹی نے کہا: اباجان! لڑکیاں مجھے طعنے دیتی ہیں کہ تمہارے والد تمہیں زیور کیوں نہیں پہناتے۔فرمایا! بیٹی ان سے کہو میرا باپ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں مجھے جہنم کی آگ میں نہ جلنا پڑے۔

وفات سے قبل علالت کے دوران بہت روتے تھے۔لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا میں اس لیے روتا ہوں کہ آخرت کا سفر طویل ہے اور میرے پاس زاد راہ کم ہے۔اس وقت جنت دوزخ کے نشیب وفراز میں ہوں معلوم نہیں کس راستے پر جانا پڑے۔

## قربِ رسول ﷺ:

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جناب رسالت ماب ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ ایک پل کے لئے بھی جدا ہو جاتے تو ان کے لئے قیامت برپا ہو جاتی اور وقت کا ایک ایک لمحہ صدیوں سے بھی گراں ہو جاتا ؎

گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں کی صورت

ان کی تمنا ہوتی کہ ادھر محبوب باری تعالیٰ کے منہ اقدس سے موتی جھڑیں اور میں ان کو دل کی دنیا کا ابدی زیور بنالوں۔علم دین کے جیسے خود بھی دیوانے تھے ویسے دوسروں کو بھی شوق دلاتے تھے۔ذرا ذرا سی بات حضور ﷺ سے پوچھتے، ذرا نہ جھجکتے تھے۔اس وجہ سے ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔اور خود کہا کرتے تھے کہ ہمارے مہاجر بھائی کاروبار میں اور انصار کھیتی باڑی میں رہتے۔لیکن مجھ غریب کا پورا وقت سرکار دو جہاں کے دربار میں کان وآنکھیں وا کیے (کھولے) گزرتا۔تیس برس کی عمر سے رسول اللہ ﷺ کی وفات تک میں سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہا۔ امہات المومنین کے ساتھ ان کے گھروں میں جاتا۔حضور ﷺ کی خدمت میں لگا رہتا اور حضور ﷺ کے ساتھ حج کرتا۔سیدنا عمر بن خطاب اور بڑے بڑے صحابہ مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے تین سال تک نبی اکرم ﷺ کی صحبت پائی۔ان سالوں میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے ان کو یاد رکھنے اور سمجھنے سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہ تھی۔

## حب رسول ﷺ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی۔ وطن سے ہجرت کے بعد حضور اکرم ﷺ کے دامن اقدس سے ایسے وابستہ ہوئے کہ آپ ﷺ سے تھوڑی دیر کی جدائی بھی شاق گزرتی تھی۔

عہد رسالت میں وہ کچھ مدت کے لئے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحرین گئے۔حضور ﷺ سے یہ جدائی انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں برداشت کی۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روتے ہوئے پکار پکار کر کہتے تھے۔لوگو! آج جی بھر کے رولو کہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔

ایک دفعہ ان کے سامنے بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا۔انہوں نے یہ کہہ کر اس کے کھانے سے معذرت کر لی کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر آپ ﷺ نے کبھی جو کی روٹی سیر ہو کر نہ کھائی۔

## خدمت رسول ﷺ:

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ آپ کی خدمت مبارک میں حاضر رہتے تھے،اکثر یہ شرف حاصل ہوتا کہ جب آپ رفع ضرورت کے لیے تشریف لے جاتے تو وہ کسی طشت یا کوزہ میں پانی لاتے اور آپ ﷺ وضو کرتے۔

## اہل بیت اور رسول اللہ ﷺ کے اعزہ و اقارب کی عزت و محبت:

رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے صحابہ کرام اہل بیت رضی اللہ عنہم کو بھی نہایت عزت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک دن سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ:''ذرا پیٹ کھولیے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا، وہیں میں بوسہ دوں گا، چنانچہ انہوں نے پیٹ کھولا اور انہوں نے وہیں بھوسہ دیا۔''

## اتباع سنت:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہلله ﷺ کے شبانہ روز فیض صحبت نے ایک ایسا مثالی مرد مومن بنا دیا تھا کہ وہ ہر کام میں حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔عبادات میں بھی آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلتے تھے اور معاملات میں بھی لفظ بہ لفظ آپ ﷺ کے ارشادات کی تعمیل کرتے اور آپ ﷺ کے طرز عمل کا اتباع کرتے تھے۔ساتھ ہی لوگوں کو بھی برابر اس کی تلقین کرتے تھے۔کسی کو خلاف سنت کام کرتے دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور جو کچھ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے سنا ہوتا وہ سنا دیتے۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ســـــورۃ انشقاق پڑھتے وقت سجدہ تلاوت کیا۔میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے سجدہ کیوں کیا؟

انہوں نے جواب دیا:''اگر میں نبی کریم ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سجدہ نہ کرتا۔''

ایک دفعہ عثمان نہدی رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ (نفلی) روزے کیسے رکھتے ہیں۔انہوں نے

فرمایا: ''میں (رمضان المبارک کے پورے روزوں کے علاوہ) ہر مہینے کے آغاز میں تین روزے رکھتا ہوں۔''

عبداللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور خود مکہ چلا گیا۔ اس دوران میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں (سورۃ الجمعہ) اور دوسری میں (سورۃ المنافقون) پڑھی۔

عبیداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے جمعہ کی نماز میں وہی سورتیں پڑھیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہ سورتیں پڑھتے سنا۔''

ایک دفعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس میں موجود لوگوں کو یہ حدیث سنائی:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارا پڑوسی تم سے اپنا شہتیر دیوار پر رکھنے کی اجازت مانگے تو اس کو روکو نہیں۔''

یہ حدیث سن کر وہ لوگ چوں چرا کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا بات ہے کہ تمہیں اس حدیث پر عمل کرنے سے گریزاں دیکھ رہا ہوں۔ واللہ! میں تم کو اس کا پابند کر کے چھوڑوں گا۔

## شغف عبادت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عبادت اور ذکر الٰہی سے خاص شغف تھا۔ رات کو اٹھ کر خود بھی عبادت کیا کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی شب بیدار بناتے تھے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں سات دن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مہمان رہا۔ میں نے دیکھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کی اہلیہ اور ان کا غلام رات کو باری باری جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشراق کی نماز پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ وہ زندگی بھر یہ نماز پابندی سے پڑھتے رہے۔

## سادگی:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا دوسرا دور آسودگی اور خوشحالی کا تھا۔ لیکن وہ فطرتاً سادہ مزاج تھے اور اس دور میں بھی اپنی سادگی قائم رکھی۔ مدینہ کی امارت کے زمانے میں شہر سے نکلتے تو گدھا سواری میں ہوتا۔ اس پر نمدے کا پالان کسا ہوتا تھا اور اس کی لگام کھجور کی چھال کی ہوتی تھی۔

ماضی میں انہوں نے جو سختیاں جھیلی تھیں اور تنگ دستی کا جو زمانہ گزارا تھا اس کو کبھی نہ چھپاتے تھے اور بے

تکلفی کے ساتھ لوگوں کو اپنے زمانہ عُسرت کے حالات سنایا کرتے تھے۔

## حق گوئی:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حق بات کہنے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی بھی پروانہیں کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ مروان بن الحکم کی امارت مدینہ کے زمانے میں (غلہ کھجور وغیرہ کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں) ہنڈی کا رواج چل پڑا تھا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پتا چلا تو فوراً مروان بن الحکم کے پاس گئے اور اس سے کہا تم نے سود کو حلال کر دیا۔ اس نے کہا، معاذ اللہ! میں ایسا کیوں کرنے لگا؟ انہوں نے فرمایا: تم نے ہنڈی کو رائج کیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیاء خوردنی کی اس وقت تک فروخت کی ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا خریدار اس کو ماپ نہ لے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد سن کر مروان الحکم نے ہنڈی کے ذریعے غلے وغیرہ کی خرید وفروخت کو ممنوع قرار دے دیا۔

## فیاضی اور سیر چشمی:

فیاضی اور سیر چشمی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خاص وصف تھا۔ اپنا مال بے دریغ اللہ کی راہ میں لٹاتے رہتے تھے۔ صدقہ وخیرات کرنے میں روحانی مسرت محسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ مروان بن الحکم نے انہیں سو دینار بھیجے تھے وہ کسی اور کے لئے تھے۔ غلطی سے آپ کو چلے گئے یہ دینار واپس بھیج دیجئے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پیغام لانے والے کے ذریعے جواب دیا کہ وہ دینار میں نے کسی (حاجت مند) کو دے دیئے۔ انہیں میرے وظیفے سے رکھ لیجئے گا۔ دراصل مروان الحکم کا مقصد صرف ان کو آزمانا تھا۔

اپنے مہمانوں کے ساتھ بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا رویہ ایسا ہوتا کہ وہ اپنے دورانِ قیام میں خوش خوش رہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خوش طبعی (ہنسی مذاق) کی باتوں سے مہمانوں کا دل موہ لیتے اور ہمیشہ ان کی خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی کو یاد رکھتے۔

## ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک:

مروان اکثر سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا کرتا تھا، اس تعلق سے وہ ایک بار ذی الحلفیہ میں مقیم تھے اور ان کی والدہ ایک دوسرے گھر میں تھیں۔ جب وہ اپنے گھر سے نکلتے تو ان کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر کہتے: "السلام عليكم يا أمتاه ورحمة الله وبركاته" وہ فرماتیں: "عليك يا بنى ورحمة الله وبركاته" پھر وہ فرماتے: ''اللہ تجھ پر اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بچپن میں مجھ کو پالا'' وہ جواب دیتیں:

''کہ اللہ تم پر بھی اسی طرح رحم کرے جس طرح تم نے بڑے ہوکر میرے ساتھ سلوک کیا۔'' جب گھر میں داخل ہوتے تب بھی اسی طرح آداب بجالاتے۔

ان کی والدہ جب تک زندہ رہیں انہوں نے ان کو چھوڑ کر حج کرنا پسند نہیں کیا۔

## سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی علمی زندگی:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی علمی زندگی ان کی کتاب سیرت کا جلی عنوان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تحصیل علم کا شوق ان کی فطرت میں ودیعت کیا تھا۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کے بعد انہوں نے جس ذوق وشوق سے علم حاصل کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

## وسعت علم:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وسعت علم کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو علم کا تھیلا یا ظرف قرار دیا۔ ''علم'' میں ہر قسم کے علوم (قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ شامل ہیں) یہ درست ہے کہ ان کا شمار صحابہ کے کبار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دوسرے علم دینی میں دسترس نہیں رکھتے تھے۔ فی الحقیقت علم حدیث کے علاوہ وہ دوسرے علوم دینیہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مادری زبان عربی تھی۔ اس کے علاوہ وہ فارسی زبان بھی جانتے تھے اور اس میں روانی سے گفتگو فرما لیتے تھے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ان کو تورات کے مسائل سے کافی واقفیت تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے کعب الأحبار رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

''میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو تورات کو پڑھے بغیر اس کے مندرجات سے آگاہ ہو۔''

لکھنے پڑھنے میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت سی احادیث اپنے ہاتھ سے لکھ کر (یا اپنے شاگردوں کو املا کروا کر) ان کا ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا جو ایک یا کئی جلدوں میں محفوظ تھا۔

## ذوقِ علم:

آپ کو علم کی بڑی جستجو تھی اور ان کا ذوق علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا۔ اسی طرح وہ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلب علم کا یہی درجہ پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کس شے سے؟ کہا: وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو، لوگوں نے پوچھا: کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ کہا کہ مسجد میں! لوگ دوڑے دوڑے مسجد میں گئے، لیکن وہاں

کوئی مادی میراث نہ تھی۔ اس لیے لوگ لوٹ گئے اور کہا کہ وہاں تو کچھ بھی تقسیم نہیں ہورہا۔ البتہ کچھ لوگ نماز (نفل) پڑھ رہے ہیں، کچھ تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہیں، کچھ حلال وحرام پر گفتگو کررہے ہیں۔ بولے: تم لوگوں پر افسوس ہے یہی تو تمہارے نبی کریم ﷺ کی میراث ہے۔

## مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں۔ یہ احادیث کسی خاص شعبہ زندگی ہی سے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ دین کے تمام احکام ومسائل اور آداب واخلاق پر محیط ہیں اور عقائد، عبادات، معاملات، تفسیر، فقہ، جہاد، مناقب، رقاق، ذکر وتسبیحات اور سیرت ومغازی وغیرہ ہر باب میں ان کی بیان کردہ احادیث کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

## حلقہ علمی:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے رواۃ اور تلامذہ کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو سے زیادہ راویان حدیث نے استفادہ کیا۔ ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے ان کے رواۃ اور تلامذہ کی کوئی معین مقدار نہیں بتائی۔ البتہ یہ ضرور لکھا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسبِ فیض کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ ان کے رواۃ وتلامذہ میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (بشمول صحابیات) کے علاوہ کثیر التعداد ائمہ تابعین اور جید علمائے حدیث وفقہ شامل ہیں۔

## اشتیاق حدیث:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ کے ارشادات سننے کا اس قدر شوق تھا کہ اس کی کوئی حد نہ تھی۔ مدینہ منورہ آنے کے بعد انہوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ سفر ہویا حضر وہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں گزاریں۔ یوں ایک طرف تو آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کریں اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ ارشادات نبوی ﷺ کو اپنے دل ودماغ میں محفوظ کرلیں۔ اس شوق کے سامنے دنیا کا مال وزر ان کی نظروں میں ہیچ تھا۔ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے۔ لوگ مانگ کر بھی اپنا حصہ لے جارہے تھے لیکن سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے ابو ہریرہ! تمہارے ساتھی مالِ غنیمت کا سوال کرتے ہیں، تم کیوں اس کا سوال نہیں کرتے؟''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں آپ سے اس علم کا سوال کرتا ہوں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔''

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ’’میں نے تین سال رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزارے۔ ان تین سالوں سے بڑھ کر میری زندگی میں کوئی ایسا وقت نہیں آیا جس میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سمجھنے اور یاد کرنے کا زیادہ ذوق وشوق ہو۔‘‘

## اشاعت حدیث:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بعض اوقات حدیث کی اشاعت اس طرح بھی کرتے تھے کہ کسی کو کوئی خلاف سنت کام کرتا دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور بتاتے کہ اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم یا طریقہ یہ ہے۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ ابوالشعثاء رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم مسجد میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اذان کہی، ہم میں سے ایک آدمی مجلس سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا: ’’اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی۔‘‘ (کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اذان کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر جانے کی ممانعت فرمائی۔)

ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے کہ راستے میں ایک خاتون ملی۔ اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپٹ آرہی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کیا تم مسجد سے آرہی ہو؟ اس نے کہا ہاں! پھر پوچھا کیا مخصوص مسجد کے لئے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ’’وہ عورت جو مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگاتی ہے اس کی نماز اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک کہ غسل نہ کرڈالے۔‘‘ (یعنی غسل کر کے خوشبو کو دھو نہ ڈالے۔)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نشرواشاعت اس لئے نہیں کرتے تھے کہ لوگ انہیں بڑا عالم یا حافظ حدیث کہیں۔ بلکہ وہ صرف رضائے الٰہی کی خاطر ایسا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم! اگر قرآن میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾﴾ (البقرۃ: ۱۵۹)

’’بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، اس کے باوجود کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے کتاب میں بیان کر چکے ہیں، ان پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔‘‘

## غیر معمولی قوت حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ذہانت و فطانت کے ساتھ غیر معمولی قوت حافظہ بھی عطا کی تھی۔ شروع شروع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذہن سے محو ہو جاتے تھے۔ یہ بات ان کے لئے سوہانِ روح تھی۔ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ سے بہت روایات سنتا ہوں لیکن (حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات بھول جاتا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''چادر بچھاؤ''میں نے چادر بچھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر اس چادر میں ڈال دی۔ پھر فرمایا: ''اس چادر کو لپیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ۔'' میں نے اسے سینے سے لگالیا۔ اس کے بعد میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نہیں بھولا۔

حافظ ابن کثیر نے "البدایة والنهایة" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: ''جو شخص چادر پھیلائے گا یہاں تک کہ میں بات ختم کروں اور پھر اس کو لپیٹ لے تو یہ شخص کبھی میری کوئی بات نہیں بھولے گا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چادر پھیلائی یہاں تک کہ لپیٹ لیا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس کے بعد کوئی حدیث مجھے نہیں بھولی۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظہ کی تاریخی توثیق بھی ملاحظہ فرمایئے گا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب الکنٰی، ص: ۳۳" پر سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے کے متعلق نقل کیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ مروان بن الحکم جو دمشق مروانی حکومت کا سب سے پہلا حکمران ہے اس کے سیکرٹری ابوالزعرہ کا بیان ہے کہ ایک دن مروان نے سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ مروان نے ان کے آنے سے پہلے ہی اپنے سیکرٹری ابوالزعرہ کو حکم دے رکھا تھا کہ پردہ کے پیچھے دوات قلم اور کاغذ لے کر بیٹھ جائے۔ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں پوچھوں گا۔ جو حدیثیں وہ بیان کریں ان کو تم لکھتے جانا۔ یہی کیا گیا۔ مروان سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں پوچھنے لگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے جاتے تھے۔ اور پس پردہ ابوالزعرہ لکھتا چلا جاتا تھا۔ ان حدیثوں کی تعداد کیا تھی، خود ابوالزعرہ کا بیان ہے:

"فَجَعَلَ یَسْأَلُ وَاَنَا اَکْتُبُ حَدِیْثًا کَثِیْرًا."

''پس مروان ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا اور میں نے بہت سی حدیثیں لکھ لیں۔''

مجلس برخواست ہوگئی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چلے گئے اور مروان نے حدیثوں کے اس مجموعہ کو بحفاظت تمام رکھوا دیا۔ سال بھر کے بعد ابوالزعرہ کہتے ہیں کہ مروان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ طلب کیا اور مجھے حکم دیا کہ مکتوبہ حدیثوں کے اسی مجموعہ کو لے کر پردہ سے پیچھے بیٹھ جاؤ، میں ان سے وہ ہی حدیثیں پوچھوں گا، دیکھو اب کی دفعہ وہ کیا بیان کرتے ہیں، تم ان مکتوبہ حدیثوں سے ان کو ملاتے جانا۔ حکومت کی طرف سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گویا یہ امتحان تھا۔ امتحان لیا گیا، نتیجہ کیا نکلا؟ ابوالزعرہ ہی کی زبانی سماعت کیجیے گا۔ ابوالزعرہ کا کہنا ہے:

"فَتَرَكَهُ سَنَةً ثُمَّ اَرْسَلَهُ اِلَيْهِ وَاَجْلَسَنِيْ وَرَاءَ السَّتْرِ فَجَعَلَ يَسْاَلُهُ وَاَنَا اَنْظُرُ فِي الْكِتَابِ فَمَا زَادَ وَلَا نَقَصَ."

''پس مروان نے نوشتہ حدیثوں کے مجموعہ کو سال بھر تک چھوڑا، سال بھر کے بعد مجھے پھر پس پردہ بٹھا کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا اور میں کتاب میں دیکھتا جاتا تھا، پس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی لفظ کا اضافہ کیا اور نہ کم کیا۔''

## سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحیثیت مفتی:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صرف ایک عظیم راوی حدیث ہی نہیں تھے۔ بلکہ اپنے دور کے اکابر فقہاء ومفتیان میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ علم کا ظرف تھے اور صاحبِ فتوی ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ: ابن عباس، ابن عمر، ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور بعض دوسرے صحابہ کرام مدینہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: ابو بکر صدیق، ام المؤمنین ام سلمہ، انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابو ہریرہ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم ان صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں جو فتویٰ دینے میں متوسط تھے۔

مختصر یہ کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بہت سے اکابر صحابہ کی موجودگی میں فتوی دینا قوی شواہد سے ثابت ہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ سالہا سال تک دینی مسائل میں فتویٰ دیتے رہے حالانکہ اس وقت اکابر صحابہ کی ایک بڑی جماعت بقید حیات تھی۔

## سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقام صحابہ، تابعین اور اہل علم کی نظر میں:

۱: فقیہ الامت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ صحبت نبوی میں رہے اس لئے ہم سب سے بڑھ کر حدیث کے عالم ہیں۔

۲: ایک مرتبہ ایک شخص نے حبـــــــر الأمة سیدنا عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس موجود تھے۔ ابن عباس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس کو جواب دیجئے، بڑا مشکل مسئلہ آپ سے دریافت کیا گیا ہے۔

۳: کاتب وحی الٰہی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے کوئی بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا: ابو ہریرہ کا دامن مت چھوڑو۔

۴: سلیمان بن مہران اعمش رحمہ اللہ، ابو صالح السمان رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

۵: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

۶: علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو اصحاب علم نے استفادہ کیا۔ وہ اپنے عہد میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

۸: ابن عبدالبر الأندلسی فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

۹: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حفظ و اتقان، امانت و دیانت، زہد و عبادت اور عملِ صالح کا زندہ پیکر تھے۔ انہوں نے بہ کثرت احادیث روایت کی ہیں۔ ان کا شمار حفاظِ حدیث صحابہ کے زمرہ میں ہوتا ہے۔

## مرض الموت اور وفات:

پہلی صدی ہجری کے ساتویں عشرے کے اواخر میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہو گئے۔ یہاں تک کہ جانبری کی امید نہ رہی۔ لوگ عیادت کے لئے آتے تو وہ اس حالت میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے۔

اسی وقت مروان بن الحکم ان کی عیادت کے لئے آیا اور ان کے لئے دعائے صحت کی تو فرمایا:

''اے اللہ! میں تیری ملاقات کا خواہش مند ہوں، تو بھی میری ملاقات پسند فرما۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مروان اٹھ کر ابھی روئی کے بازار تک بھی نہ پہنچا تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پیغام اجل کو لبیک کہا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون .

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عمر وفات کے وقت اسی برس سے اوپر تھی۔ [1]

[1] **مصادر ترجمه**: سیر اعلام النبلاء: ۳/۵۱٤۔ ۵۳٤۔ طبقات ابن سعد: ٤/١٦٢ وما بعدها۔ الإصابة: ۷/۲۰۷۔ تهذيب التهذيب: ۱۲/۲۳۷۔ ۲٤۰۔ تهذيب الكمال: ۳٤/۳٦٦، ت: ۷٦۸۱۔ سير الصحابة: ۲/۵۰ وما بعد ها۔ صحيح بخارى۔ صحيح مسلم۔ سنن أبوداؤد۔ سنن ابن ماجة۔ مسند أحمد۔ صحيح ابن حبان۔ معجم اوسط۔ الأدب المفرد۔ البداية و النهاية.

# تحقیق احادیث واسناد

**ا: مسند أحمد:**

مسند احمد میں اس صحیفہ کی مکمل ۱۳۹ روایات موجود ہیں۔ اور وہ ایک ہی سند کے ساتھ مروی ہیں۔

**سند**: حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله ﷺ.

## رواۃ کی علمی حیثیت

**ا: ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ:**

"الصحابی الجلیل، حافظ الصحابة." ❶

''جلیل القدر صحابی اور حفاظ حدیث صحابہ کرام میں سے ہیں۔''

**۲: ہمام بن منبہ:**

"ابن كامل الصنعانی، ابو عتبه، اخوو هب: ثقة."

''مشہور محدث وہب رحمہ اللہ کے بھائی ہیں، اور ثقہ ہیں۔'' ❷

**۳: معمر:**

"ابن راشد الأزدی مولاهم، ابو عروة البصری، نزیل الیمن: ثقة ثبت فاضل، الا أن فی روایته عن ثابت والاعمش ومقام بن عروة شیئا، وكذا فیما حدث به بالبصرة."

''یہ اصلاً بصری ہیں لیکن یمن کی سکونت اختیار کر لی تھی (وہ محدثین کے نزدیک) ثقہ ہیں قوی الحافظہ اور کامل العلم تھے۔'' ❸

---

❶ التقريب، ت: ٨٤٢٦..

❷ التقريب، ت: ٣٧١٧ـ الكمال: ٢٩٨/٣٠، ت: ٦٦٠٠ـ ١١ تاريخ الكبير: ٨/ت: ٢٨٤٧ـ الجرح والتعديل: ٩/ت ٤٥٣ـ الكاشف: ٣/ت: ٦٠٨٥.

❸ التقريب، ت: ٦٨٠٩ـ الكمال: ٣٠٢/٢٨، ت: ٦١٠٤ـ الجرح: ٨/ت: ١١٦٥ـ الكاشف: ٣/ت: ٥٦٦٢ـ الميزان: ٤/ت: ٨٦٨٢.

### ۴: عبدالرزاق بن ہمام:

"ابـن نـافـع الحميری مولاهم، ابو بكر الصنعانی: ثقة حافظ مصنف شهير عمری في آخر عمره فتغير وكان يتشيع."

"ثقہ اور حافظ الحدیث ہیں مشہور مصنف ہیں۔" ❶

امام ذہبی فرماتے ہیں: "ان کو کئی محدثین نے ثقہ کہا ہے اور ان کی احادیث کتب صحاح میں مروی ہیں۔" ❷

### ۵: احمد بن حنبل:

"احـمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن اسد الشيبانی المروزی، نزيل بغداد، ابو عبدالله، احدالأئمه، ثقة حافظ فقيه حجة."

"بڑے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ ثقہ، حافظ الحدیث ہیں نیز وہ فقیہ اور (زمین پر اللہ کی) حجت ہیں۔" ❸

### ۲: مصنف عبدالرزاق:

مصنف عبدالرزاق میں ہمیں تقریباً ۶۱ روایات صحیفہ کی ملی ہیں، اور سند وہی ہے، کیونکہ امام احمد بن حنبل، امام عبدالرزاق سے ہی روایت کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے صحیفہ کی تمام روایات امام عبدالرزاق کے طریق سے ہی روایت کی ہیں۔

### ۳: صحیح بخاری:

صحیح بخاری میں صحیفہ کی ۵۲ مرویات ہیں، جن کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مختلف ابواب میں بکھیر دیا ہے۔

### ۴: صحیح مسلم:

صحیح مسلم میں صحیفہ کی ۸۳ مرویات ہیں، جن کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کی مختلف کتب و ابواب میں منتشر کر دیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے جب بھی صحیفہ کی روایات کو بیان کیا ہے تو ایک ہی سند کے ساتھ اور سند کا طرز بیان دو طرح کا ہے، اور یہ بات بھی یاد رہے کہ امام صاحب صحیفہ کی روایات اپنے شیخ "محمد بن رافع رحمہ اللہ" سے

---

❶ التقريب، ت: ٤٠٦٤ـ الكمال: ٥٢/١٨، ت: ٣٤١٥ـ التاريخ الكبير: ٦/ت: ١٩٣٣ـ الجرح: ٦/ت: ٢٠٤ـ الكاشف: ٢/ت: ٣٤٠٧ـ الميزان: ٢/ت: ٥٠٣٣.

❷ تذكرة الحفاظ: ٣٦٤/١.

❸ التقريب، ت: ٩٦ـ الكمال: ٤٣٧/١، ت: ٩٦ـ تاريخ بغداد: ٤١٣/٤ـ تاريخ الاسلام للذهبی.

روایت کرتے ہیں:

**پہلا طرز:**...... وحدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن ابی هريرة عن النبی ﷺ:......

**دوسرا طرز:**...... حدثناه محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق : حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر أحاديث منها، وقال:......

فائدہ عظیمہ:...... امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ کی مکتوب ''صحیحین'' پر امت کا اتفاق ہے۔ یعنی ان کی اسناد پر صحت کا حکم ہے۔ حنفی اکابر علماء میں سے علماء بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

"اتفق العلماء الشرق والغرب على أنه ليس بعد كتاب الله تعالىٰ أصح من صحيحى البخارى و مسلم ."❶

''شرق وغرب کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری و مسلم اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد سب سے صحیح کتب ہیں۔''

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

"اتفقت العلماء على تلقى الصحيحين بالقبول وأنهما أصح الكتب المؤلفة ."❷

''علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کو اس امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے اور مدونہ کتب حدیث میں سے اصح ترین کتب ہیں۔''

اگر کسی کتاب کی سند بعینہٖ ان کی سند ہو، اساتذہ، ان کے اساتذہ حتیٰ کہ انتہائے سند تک تو وہ سند صحیح ہوگی اور ان کی شرط پر ہوگی۔ غور کریں کہ امام احمد کی سند مسلم کی سند کے جیسی ہے۔ بالکل وہی سند ہے ایک راوی بھی احمد کا مسلم کی سند سے زائد نہیں اور نہ مختلف ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد کی سند مسلم کی شرط پر ہے، اور وہ بالکل صحیح ہے، بلکہ امام احمد کی سند بنسبت امام مسلم رحمہ اللہ کے عالی ہے کیونکہ امام احمد، مسلم کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ذیل میں دیے گئے دونوں جداول اس بات کی مزید وضاحت کر رہے ہیں:

❶ عمدة القارى: ١/٥.
❷ المرقاة شرح مشكوٰة: ١/٥٨.

۱: جدول سند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

رسول اکرم ﷺ

⇩

۱: ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ

⇩

۲: ہمام بن منبہ

⇩

۳: معمر بن راشد

⇩

۴: عبدالرزاق بن ہمام

⇩

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

۲: جدول سند امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ

رسول اکرم ﷺ

⇩

۱: ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ

⇩

۲: ہمام بن منبہ

⇩

۳: معمر بن راشد

⇩

۴: عبدالرزاق بن ہمام

⇩

۵: محمد بن رافع

⇩

امام مسلم بن حجاج القشیری رحمہ اللہ

## اجتماعی جدول:

امام مسلم رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی اسناد کا اجتماعی جدول اس طرح ہے:

رسول اکرم ﷺ

↓

۱: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

↓

۲: ہمام بن منبہ

↓

۳: معمر بن راشد

↓

۴: عبدالرزاق بن ہمام

↓ ↓

امام احمد بن حنبل — ۵: محمد بن رافع

↓

امام مسلم بن حجاج

**نــوٹ**:...... امام احمد رحمہ اللہ کی سند میں نبی کریم ﷺ تک چار واسطے جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ کی سند میں پانچ

واسطے ہیں۔اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی سند عالی اور امام مسلم رحمہ اللہ کی سند نازل ہے۔

## شرح السنۃ:

امام بغوی رحمہ اللہ، امام محی السنۃ کے نام سے مشہور تھے۔آپ کی تاریخ پیدائش جمادی الاول ۴۳۳ھ ہے۔ آپ کی وفات ۵۱۰ھ میں ہوئی۔آپ کے مشہور اساتذہ، ابوصالح احمد بن عبد الملک بن علی بن احمد ابوصالح نیساپوری، حسین بن محمد ابوعلی نیساپوری، عبد الباقی بن یوسف بن علی بن صالح عبد الملک مراغی شافعی اور علی بن شافعی اور علی بن یوسف الجوینی تھے۔مشہور تلامذہ میں اسعد بن احمد بن یوسف بن احمد بن یوسف، الحسن بن مسعود البغوی اور عمر بن حسن بن حسین الرازی ہیں۔مشہور تصانیف میں سے تفسیر معالم التنزیل، شرح السنۃ، مصابیح السنۃ، الجمع بین الصحیحین وغیرہ ہیں۔''شرح السنۃ'' میں صحیفہ کی ۹۷ مرویات موجود ہیں۔

آپ نے جب حدیث کی کتاب شرح السنۃ مکمل کی تو آپ کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: تم نے میری احادیث کی شرح کر کے میری سنت کو زندہ کیا ہے۔اسی وجہ سے آپ کو محی السنۃ کہا گیا۔

الغرض محدثین نے صحیفہ کی مستقل روایت کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کی حفاظت کی۔صحیفہ کی ہر حدیث نہ صرف صحاح ستہ میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ملتی ہے بلکہ مماثل مفہوم دوسرے صحابہ سے بھی ان کتابوں میں ضرور ملتا ہے۔معلوم ہوا کہ اس کا انتساب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرضی اور بے بنیاد نہیں ہے۔

''ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے اپنے استاد سے حدیثوں کا جو مجموعہ حاصل کیا تھا اسے نہ تو ضائع کیا اور نہ ہی اپنی ذات تک مخصوص رکھا بلکہ اپنی نوبت پر اسے اپنے شاگردوں تک پہنچایا اور اس رسالہ کی روایت یا تدریس کا مشغلہ انہوں نے پیرانہ سالی تک جاری رکھا۔آپ سے درس تو بہتوں نے لیا ہوگا لیکن خوش قسمتی سے انہیں ایک صاحب ذوق شاگرد معمر بن راشد یمنی رحمہ اللہ (۱۵۳ھ) مل گئے جنہوں نے کسی حذف و اضافہ کے بغیر ہی اس رسالہ کو اپنے شاگردوں تک پہنچایا۔اسی طرح معمر رحمہ اللہ کو بھی عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری رحمہ اللہ جیسے شاگرد مل گئے۔یہ بھی اسی ملک کے چشم و چراغ ہیں۔جہاں تک اس صحیفے کا تعلق ہے، امام عبدالرزاق نے بجنسہ روایت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

علم کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں دو بہت اچھے تلامذہ ملے۔ایک امام احمد بن حنبل، دوسرے ابو الحسن احمد بن یوسف السلمی۔ان دونوں نے اس صحیفے کی بڑی علمی خدمت کی۔''[1]

---

[1] صحیفه همام بن منبه، ص: ٥٦ـ٥٥.

## جدول اسناد:

زیر اشاعت صحیفہ کے مخطوطۂ دمشق، مخطوطۂ برلن اور مخطوطۂ مصر کی اسناد کا نقشہ حسب ذیل ہے:

رسول اکرم ﷺ (۱۰ھ)
↓
ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ (۵۸ھ)
↓
ہمام بن منبہ (۱۰۱ھ)
↓
معمر بن راشد (۱۵۳ھ)
↓
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع (۲۱۱ھ)

امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)

احمد بن یوسف السلمی
↓
ابوبکر محمد بن حسین القطان (۳۰۲ھ)
↓
ابراہیم بن محمد القطان

محمد بن اسحاق ابن مندہ
(۳۹۵ھ)

محمد بن مسعود ثقفی
↓
محمود بن ابراہیم ابن مندہ
↓
محمد بن محمد بن ہبۃ اللہ جہل
↓
قاسم بن محمود بن مظفر بن عساکر
↓
ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد
↓
عبداللہ بن جماعۃ
↓
اسماعیل بن جماعۃ
↓
مخطوطۂ برلن

عبدالوہاب بن محمد بن مندہ
↓
محمد بن احمد بن محمد اصبہانی
↓
محمد بن عبدالرحمٰن مسعودی بندہی
↓
مخطوط دمشق

ابوطاہر محمد بن محمد بن محمش الزیادی
↓
۱۔ ابوبکر احمد بن خلف
۲۔ ابوسعد عبدالرحمٰن بن رامش

ابوالفضل محمد بن احمد بن ابی الفضل احمد بن جعفر المروزی
↓
ابوبکر احمد بن خلف الشیرازی
↓
ابوالمظفر عبدالکریم بن خلف الشحامی
↓
۱۔ ابوبکر محمد بن الصفار
۲۔ ابواحمد بن علی بن خلف الأدیب
۳۔ ابوالحسن علی بن احمد بن محمد القصال
↓
زاہر بن طاہر بن محمد الشحامی
↓
ابوبکر محمد بن علی بن یاسر الانصاری
↓
مخطوطۂ مصر

بسم الله الرحمن الرحيم

# اجازة فی رواية الحديث

الحمد لله الذی جعل الاسناد خصيصة هذه الأمة، وجعله من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء.

والصلاة والسلام علی اشرف الانبياء والمرسلين محمد صلی الله عليه وسلم القائل: يحمل هٰذا العلم من خلف عدوله، والقائل: بلغوا عنی ولو اٰية والقائل: الا فليبلغ الشاهد الغائب والقائل: تسمعون منی ويسمع منكم ويسمع ممن سمع منكم والقائل: نضر اللّٰه امرأ سمع مقالتی فحفظها ثم اداها كما سمعها.

وعلیٰ اٰله وصحبه ومن اقتدی بهديه وسنن بسنته إلی يوم الدين فنذكر في هٰذه العجالة روايتنا للحديث واجازاتنا فيه ووصل سندنا بالعلماء المحدثين، لكی نجيزبه من طلب منا الاجازة، وإن كنت لست أهلا لذلك ولكن تحقيقا لرغبة المستجيزين وابقاء لسلسلة الاسناد المباركة نكتب ونقول وباللّٰه التوفيق.

قرأنا الجامع الصحيح لأمير المؤمنين في الحديث الامام البخاری رحمه اللّٰه ومؤطا الامام مالك برواية يحيی بن يحيی المصمودی عنه علی شيخنا المحدث الحافظ المقلب بجامع المعقول والمنقول الشيخ حاكم علی الدهلوی هو قرأ هذين الكتابين وكثيرا من الكتب الأخری مثل صحيح الإمام مسلم والسنن الأربعة علی الشيخ المحدث عبيد الله رحمانی رحمه الله عن محدث الوقت الشيخ أحمد لله البرتاب كری رحمه الله عن شيخ الكل فی الكل رئيس المحدثين فی الهند الشيخ نذير حسين المحدث البهاری ثم الدهلوی رحمه الله ح ويصل سندنا إلی الشيخ نذير حسين المحدث الدهلوی بطريق أعلی منه ايضا، وهوان شيخنا حاكم علی رحمه الله قرأ علی الشيخ أحمد الله بلوغ المرام لإبن حجر العسقلاني وجزأ من مشكاة المصابيح والشيخ احمد الله من اشهر تلاميذ الشيخ نذير حسين كما تقدم، فأصبح سندنا هكذا:

حـاكـم عـلى عن أحمد الله عن نذير حسين (أى بواسطتين بينى وبين شيخ الكل) ولله الحمد:

ولـنـا إجـازات عـن الـمشـايـخ الـمـعروفين بسند شيخ الكل نذير حسين محدث الدهلوي ونذكر بعضا منها:

أجـازنـا بـجـميع مروياته ومسموعاته شيخنا الكريم العالم الكبير المعروف بشيخ الـعـرب والـعـجم العلامة بديع الدين شاه الراشدي السندي رحمه الله وهو يروي عن كثير من العلماء المحدثين:

فأجازه الشيخ المحدث القوى فى المناظرة الشيخ ثناء الله الامرتسرى عنه.

وأجازه الشيـخ الـفـاضـل المحدث ابوسعيد شرف الدين المحدث الدهلوي عن المحدث الشيخ محمد بشير بن بدر الدين السهسواني عنه.

وأجـازه الشيـخ الـمـحدث التقى الزاهد الشيخ عبد الله روبرى عن محدث زمانه الشيخ عبدالمنان بن شرف الدين الوزير آبادى عنه.

وأجـازه الشيـخ الـمحدث المدرس بالحرم المكي الشيخ ابومحمد عبد الحق بن عبـد الـواحـد بن محمد هاشم الهاشمى البها والفورى عن الشيخ أبى سعيد حسين بن عبـد الـرحيـم البتـالـوي والشيخ أبى الوفاء الأمرتسرى والشيخ أبى الحسين محمد بن حسيـن الـدهـلـوى والشيـخ أبـى اسماعيل ابراهيم بن عبد الله والشيخ أبى محمد بن مـحـمـود الـطنافسي والشيخ أبى تراب عبد التواب بن قمر الدين الملتانى والشيخ أبى اليسار محمد بن عبد الله الغيطى والشيخ محمد بن أبى محمد الرياستي

كلهم عن شيخ الكل رحمه الله.

وأجـازه الشيخ أبواسحاق نيك محمد الأمرتسرى عن الإمام ابن الإمام عبدالجبار بن عبد الله الغزنوى عن شيخ الكل

ح وكـذلك أجـازنـا بـجـميع مروياته ومسموعاته واجازاته شيخنا الكريم محدث النيبال الشيخ عبدالروف جند انغري النيبالي. وشيخنا الفاضل العالم الكبير الشيخ عبد الـخـالـق الـرحـمـانـي بـن الشيـخ المحدث عبد الجبار كنديلوي عن الشيخ عبيد الله الرحماني عن الشيخ أحمد الله برتاب غرى عن شيخ الكل.

ح وكذلك اجازنا بجميع مروياته ومسموعاته المحدث الشهير العالم الزاهد العابد التقى الشيخ سلطان محمود جلالفوري عن الشيخ عبد التواب ملتاني عن شيخ الكل .

والشيخ عبيد الله رحماني حصلت له الإجازة والرواية عن الشيخ المحدث أبى العلى محمد عبد الرحمٰن المباركفوري صاحب تحفة الأحوذي عن شيخ الكل (فأصبح بينى وبين الشيخ المباركفوري واسطتان) ولله الحمد ويصل سندنا الى المحدث الشهير الإمام الشوكاني رحمه الله عن طريق الشيخ أحمد الله برتاب غرى رحمه الله فقد حصلت له الاجازة والرواية عن الشيخ المحدث حسين بن محسن الأنصاري الخزرجى اليمانى عن محمد بن ناصر الحسني الحازمى وعن أحمد بن محمد بن على الشوكاني كلاهما عن الإمام الشوكاني رحمهم الله رحمة واسعة .

**قلت**: والأسانيد من شيخ الكل نذير حسين المحدث الدهلوي الى الأئمة الأعلام مذكورة فى كتب الحديث والتراجم .

وها أنا أسوق منها سندا واحدا إلى رئيس المحدثين وأمير المومنين فى الحديث الإمام محمد بن اسماعيل بن ابراهيم البخاري الجعفي رحمه الله ، وبالله التوفيق .

الشيخ نذير حسين المحدث الدهلوي حصل له السماع والقرأة والإجازة عن الشيخ محمد اسحاق الدهلوي عن جده من جهة الأم الشيخ عبد العزيز الدهلوي عن شيخ أبى طاهر محمد بن ابراهيم الكردي عن ابيه ابراهيم بن حسن الكردي ، وهو قرأ صحيح البخاري على الشيخ أحمد بن محمد القشاشى قال أخبرنا به الشيخ شمس الدين بن محمد احمد الرملي أخبرنا الشيخ زين الدين زكريا بن محمد الانصاري قال قرأت على الشيخ الحافظ أبى الفضل شهاب الدين أحمد بن على ابن حجر العسقلاني عن الشيخ أبى اسحاق ابراهيم بن أحمد التنوخى عن المسند المعمر أبى العباس أحمد بن أبى طالب الحجار سماعا لجميعه عن الشيخ سراج الدين أبى عبد الله الحسين بن المبارك الزبيدي عن الشيخ أبى الحسن عبد الرحمٰن مظفر الداودي عن أبى محمد عبد اللّٰه بن أحمد السرخسي عن أبى عبد الله محمد بن يوسف الفربري عن مؤلفه أمير المؤمنين في الحديث أبى عبد الله محمد بن اسماعيل البخاري رحمه الله .

**قلت** قد أجزت لجميع ما تقدم من مروياتي ومسموعاتي وإجازاتى أخى فى الله

الشيخ **حافظ حامد محمود** بعد ما قرأ على **الصحيح للإمام البخاري** وأوصيه بتقوى الله تعالى فى السر والعلن وأن يخلص نيته ويتمسك بمنهج العلماء المحدثين في خدمتهم للسنة المطهرة على صاحبها ألف ألف تحية من حيث القرأة والسماع والحفظ والعمل والنشر والأداء كما قال الإمام عبد الله بن المبارك رحمه الله: أول العلم النية ثم السماع ثم الفهم ثم الحفظ ثم العمل ثم النشر ، وان يجعل فى يده دائما كتابا من كتب الحديث فى إقامته ورحلاته كما سئل الامام البخاري عن دواء الحفظ فقال: إدمان النظر في الكتب ، وأن يقف أمام أعداء السنة من المنكرين لها والمؤولين والمحرفين فيها وأن لا ينسانا ومشايخنا و والدينا وكل من حمل لواء السنة المطهرة في صالح دعواته وخاصة فى الاوقات المشهود لها بالاستجابة على لسان سيد الانبياء والمرسلين ، واصلى واسلم عليه وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين .

خادم زمرة الحفاظ المحدثين

**عبد الله ناصر عبد الرشيد الرحمانى**

غفر الله ولوالديه وأساتذته

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
صلى الله على محمد وآله وسلم

اخبرنا الشيخ الامام الحافظ التقى أبوبكر محمد بن على بن ياسر الأنصارى قراء ة عليه بالموصل وأنا اسمع فأقر به قال: أنا الامام الحافظ زاهر (بن طاهر) بن محمد الشحامى المستملى قراء ة عليه، أنا المشايخ أبوبكر محمد بن الصفار وأبوبكر احمد ابن على بن خلف الاديب الشيرازى، وابو الحسن (على بن احمد) بن محمد النامقى القصال.
وأخبرنا الشيخ الزكى أبو المظفر عبدالكريم بن خلف بن طاهر الشحامى قراء ة عليه انا ابوبكر احمد بن خلف الشيرازى.
قال: وأخبرنا الشيخ الامام ابو الفضل محمد بن احمد بن ابى الفضل أحمد بن جعفر الماهيانى المروزى قراء ة عليه بمرو، أنا أبوبكر احمد بن خلف وابو سعد عبدالرحمن بن منصور بن رامش قالوا كلهم: أنا ألاستاذ الامام ابو طاهر محمد بن محمد بن محمش الزيادى قراء ة عليه، أنا ابوبكر محمد بن الحسين بن (الحسن بن) الخليل القطان قراء ة عليه فأقر به ثنا احمد بن يوسف السلمى ثنا عبدالرزاق ابن همام انا معمر بن راشد الصنعانى عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة ............ .

# امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت

۱...... عَنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :
((نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ، وَ اُوْتِيْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ ، فَهٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِىْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ ، فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ ، فَهُمْ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ ، فَالْيَهُوْدُ غَدًا ، وَّالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''ہم تمام اُمتوں کے بعد ہونے کے باوجود قیامت میں سب سے آگے رہیں گے، فرق صرف یہ ہے کہ کتاب انہیں ہم سے پہلے دی گئی تھی، اور ہمیں ان کے بعد۔ پس یہی (جمعہ) ان کا بھی دن تھا جو ان پر فرض کیا گیا۔ (لیکن) ان لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دن بتا دیا، اس لیے وہ (اس میں) ہمارے تابع ہوں گے۔ یہود دوسرے دن ہوں گے، اور نصاریٰ تیسرے دن۔''

**شرح الحديث:**......

__ہم تمام اُمتوں کے بعد ہونے کے باوجود قیامت میں سب سے آگے رہیں گے:__

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''آخِرُوْنَ'' سے مراد زمانہ کے اعتبار سے ہے یعنی ہم آخری اُمت درجہ میں سب سے پہلے ہیں۔ یہ شرف اس اُمت کو حاصل ہے کہ وجود کے اعتبار سے یہ اُمت اگرچہ سب اُمتوں سے آخر میں آئی ہے، لیکن آخرت میں بقیہ اُمتوں سے سبقت لے جانے والی ہے، کہ ان کا حشر سب سے پہلے ہوگا، حساب بھی اس اُمت کا سب سے پہلے ہوگا، سب سے پہلے فیصلہ ان کے بارے میں سنایا جائے گا۔ بقیہ اُمتوں کی نسبت یہ اُمت سب سے پہلے جنت میں جائے گی، اس بات کی دلیل سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱)...... صحیح بخاری، رقم : ۲۳۸ـ۸۷۶ـ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، رقم: ۸۵٦ وحدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر، عن همام بن منبه، قال، هذاما حدثنا ابوهريرة، عن محمد رسول الله ﷺ...... مسند أحمد: رقم: ۸۱۰۰ـ مسند حمیدی، رقم: ۹۵٤ـ مسند أبو يعلى، رقم ٦۲٦۹ـ سنن نسائی، رقم: ۱۳٦۷ـ صحیح ابن خزیمة، رقم: ۱۷۲۰ـ شرح السنة : ٤/۲۰۰ـ۲۰۱.

((نَحْنُ الْآخِرُوْنَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ، وَالْأَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ)) (صحيح مسلم، كتاب الجمعه، رقم: ٢٢/٨٥٦.)

''ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے آخر میں ہیں، اور قیامت کے دن درجہ میں سب سے پہلے ہوں گے، سب مخلوقات سے پہلے ہمارے متعلق فیصلہ سنایا جائے گا۔''

آگے امام سیوطی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ''اطاعت وقبول میں سبقت لے جانا یعنی ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں سبقت لے جانے والے ہیں، جب کہ اس نعمتِ عظمیٰ سے اہل کتاب محروم تھے، ان کا قول قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ (النساء: ٤٦)

''وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔''

فرماتے ہیں ایک اور بھی قول ہے: کہ ''یوم سابق یعنی جمعہ کے دن'' کی حفاظت کرنا مراد ہے۔ اور پہلا قول زیادہ مضبوط ہے۔ (شرح سنن النسائي: ١/٨، ٨٦.)

ہمارے نزدیک معنوی طور پر تینوں قول ہی درست ہیں، ان میں آپس میں منافات نہیں ہے۔

## پس یہ ان کا وہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا:

اس دن سے مراد جمعہ کا دن ہے کہ جمعہ کا دن پہلے یہودیوں کو دیا گیا۔

ابن ابی حاتم نے سدّی کے طریق سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ.﴾ (النحل: ١٢٤)...... ''یقیناً ہفتہ کا دن اِن لوگوں کے لیے خاص کیا گیا، جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کر ڈالا۔'' کی تفسیر کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے یہود پر جمعہ کا دن فرض کیا (کہ کام کاج سے چھٹی کے دن وہ اللہ کی عبادت کریں) تو یہود موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن میں کچھ بھی پیدا نہیں فرمایا، لہٰذا آپ ہمارے لیے یہ دن (عبادت کا) مقرر کر دیں، تو پھر ان کے لیے ہفتہ کا دن مقرر کر دیا گیا۔''

(تفسير ابن ابي حاتم: ٧/٢٣٠٧۔ الدر المنثور: ٥/١٧٤۔١٧٥.)

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہاں سے مراد یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ پر جمعہ کے دن کی تعظیم فرض تھی، تو ان لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا، یہودیوں نے کہا کہ ''تعظیم والا دن'' ہفتہ ہے، اس لیے کہ اس دن اللہ تعالیٰ (آسمان وزمین کی) تخلیق سے فارغ ہوا تھا، تو اس وجہ سے ہم اس (ہفتہ کے) دن آرام کریں گے، کام کاج نہیں کریں گے، بلکہ اللہ کی عبادت اور اس کا شکر ادا کریں گے۔

اور نصاریٰ نے کہا کہ وہ اتوار کا دن ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن خلقت کی پیدائش کی ابتداء کی تھی، لہٰذا یہ دن تعظیم کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے اس دن کا مسلمانوں کو بتلا دیا اور وہ ہفتہ اور اتوار سے پہلے ہے۔

(شرح السنة: ٤/٢٠٢)

امام نووی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''اس حدیث میں جمعہ کی فرضیت، اور اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کی دلیل موجود ہے۔'' (شرح مسلم للنووی: ٢/٥٠٧)

# محمد ﷺ آخری نبی ہیں

۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

((مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِی کَمَثَلِ رَجُلٍ ابْتَنٰی بُیُوْتًا فَاَحْسَنَهَا وَاَجْمَلَهَا وَاَکْمَلَهَا ، اِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِیَةٍ مِّنْ زَوَایَاهَا ، فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ ، وَیُعْجِبُهُمُ الْبُنْیَانُ ، فَیَقُوْلُوْنَ : اَلَا وُضِعَتْ هَاهُنَا لَبِنَةٌ ، فَتَمَّ بَنَاءُهٗ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : فَاَنَا اللَّبِنَةُ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنائے، اور انہیں خوب آراستہ پیراستہ کر کے مکمل کر دیا، لیکن گھروں کے کناروں میں سے ایک کنارے پر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، اب تمام لوگ آتے ہیں اور (عمارت کو) چاروں طرف سے گھوم کر دیکھتے ہیں، اور وہ عمارت انہیں تعجب میں ڈالتی ہے، لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ جس سے اس (عمارت) کی تعمیر مکمل ہو جاتی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں۔''

**شرح الحديث**:...... مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی مثال مع انبیاء کے ایک عمارت سے دی ہے، گویا تمام انبیاء کی مثال اس عمارت کی سی ہے، جس کے ایک کنارے پر ایک اینٹ کم ہے۔ باقی ساری عمارت مکمل ہے اور جس طرح عمارت کی بناء رکھی جاتی ہے، پھر دیواریں بنتی ہیں، کھڑکیاں اور دروازے لگتے ہیں، چھت ڈالی جاتی ہے، لیکن عمارت مکمل ہے صرف ایک کونے سے ایک اینٹ کی کمی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ اخلاقیات کو پورا کرنے کے لیے انبیاء بھیجے، اور انہیں ہدایت اور علم کے ساتھ لوگوں کو اچھے اخلاق کی طرف راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا، اور مکارمِ اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے آخر میں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْأَخْلَاقِ)) (مؤطا امام مالك، ص : ٦٦٨)

(۲)...... صحيح البخاری، كتاب المناقب، رقم: ٣٥٣٤، ٣٥٣٥۔ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، رقم: ٢٦٨٦ و حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر، عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة، عن رسول اللّٰه رحمه الله ☐ ﷺ فذكر أحاديث، منها : ......۔ مسند أحمد، رقم: ٨١٠١۔ مسند حميدی، رقم: ١٠٣٧۔ صحيح ابن حبان، رقم: ٦٤٠٧۔ أمثال الحديث، رقم: ٢٠۔ شرح السنة : ١٣/١٩٩۔ الشريعة للآجری، ص ٤٥٦.

''مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''

تو اس طرح وہ عمارت جس سے ایک اینٹ کم تھی وہ مکمل ہوگئی۔(ارشاد الساری: ٦/ ٢٢۔ بتعدیل یسیر)

اس حدیث میں محمد رسول اللہ ﷺ کی فضیلت اور ختم نبوت کی دلیل ہے کہ ان کی نبوت نے قصر نبوت کو مکمل کر دیا۔ اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اور اس حدیث سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ آدمی بات سمجھانے کے لیے مثال بھی بیان کر سکتا ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مثال بیان کی ہے۔

## ختم نبوت کی دلیل:

ختم نبوت کی دلیل قرآنِ حکیم میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۴۰﴾ (الاحزاب: ٤٠)

''محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں البتہ وہ اللہ کے پیغمبر اور پیغمبروں کے ختم کرنے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری اور رہتی دنیا تک نبی ہیں، نزول عیسیٰ علیہ السلام ختم نبوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ ہی کی شریعت پر چلیں گے۔

آج تک پوری امت کا یہ متفق علیہ عقیدہ ہے، لہٰذا ختم نبوت کا منکر ملت اسلام سے خارج ہے۔

# بخیل اور سخی کی تمثیل

۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُتَصَدِّقِ ، كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ اَوْ جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ اِلٰى ثُدْيَيْهِمَا ، اَوْ اِلٰى تَرَاقِيْهِمَا ، فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِشَيْءٍ ، ذَهَبَتْ عَنْ جِلْدِهٖ حَتّٰى تُجِنَّ بَنَانَهٗ وَيَعْفُوَ اَثَرُهٗ ، وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا اَنْفَقَ شَيْئًا ، اَوْ حَدَّثَ بِهٖ نَفْسَهٗ عَضَّتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَكَانَهَا ، فَيُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَّسِعُ .))

**ترجمة الحديث** :...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن کے بدن پر لوہے کے دو کُرتے یا دو زرہیں ہوں، جو ان کی چھاتی یا ہنسلی تک ہوں۔ جب صدقہ دینے والا کوئی چیز صدقہ کرتا ہے تو وہ اس کے جسم سے دور ہٹتا جاتا ہے، اور اس کی انگلیوں کو چھپا دیتا ہے اور (چلنے میں) اس کے پاؤں کا نشان مٹتا جاتا ہے۔ اور بخیل جب بھی کوئی چیز خرچ کرتا ہے یا خرچ کرنے کا اپنے دل میں ارادہ کرتا ہے تو اس کُرتے یا زِرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ کاٹنے لگتا ہے۔ بخیل اسے کشادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہو پاتا۔''

**شرح الحديث**:......اس حدیث میں بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

سخی کی زرہ اتنی کشادہ ہو جاتی ہے کہ اس کی انگلیاں اس میں چھپ جاتی ہیں، اور اتنی نیچے ہو جاتی ہے جیسے بہت نیچا کپڑا، آدمی جب چلے تو وہ زمین پر گھسٹتا رہتا ہے، اور پاؤں کا نشان مٹا دیتا ہے، یعنی سخی آدمی کا دل روپیہ خرچ کرنے سے خوش ہوتا ہے، اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ بخیل کی زرہ پہلے ہی مرحلے پر اس کے جسم کو کاٹنے لگتی ہے اور اس کو سخاوت کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اس کے ہاتھ زرہ کے اندر قید ہو کر رہ جاتے ہیں۔

(ارشاد الساري : ۳۸/۳)

---

(۳)...... صحيح البخارى، كتاب الزكوة، رقم: ۱۴۴۳، ۱۴۴۴ وكتاب الجهاد دوالسير، رقم: ۲۹۱۷ وكتاب الطلاق، رقم: ۵۲۹۹ وكتاب اللباس، رقم: ۵۷۹۷۔ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، رقم: ۱۰۲۱۔ مسند احمد، رقم: ۷۳۳۱، ۷۴۷۷، ۹۰۴۵، ۱۰۷۸۰، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال هذا ما حدثنا به أبوهريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ......۔ شرح السنة: ۱۵۷۱/۶.

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’سخی جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کام کے لیے اس کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے، اور اس کے ہاتھ بھی اس معاملہ میں اتفاق کرتے ہیں، اور وہ ہاتھ کھلا رکھ کر خرچ کرتا ہے کم خرچ نہیں کرتا۔

اور بخیل کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے، اور اس کے ہاتھ نیکی کے کام میں خرچ کرنے سے کتراتے ہیں۔‘‘

(شرح السنة للبغوی: ١٥٩/٦)

# حضور ﷺ امت کو جہنم کی آگ سے بچاتے ہیں

۴......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((مَثَلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفِرَاشُ ، وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِيْ يَقَعْنَ فِيْ النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا ، وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ ، وَيَغْلِبْنَهٗ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيْهَا . قَالَ ، فَذَاكَ مَثَلِيْ وَمَثَلُكُمْ ، اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ : هَلُمَّ عَنِ النَّارِ ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ ، وَتَغْلِبُوْنِيْ فَتَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی ہو۔ پھر جب اطراف کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں، اس میں گرنے لگے ہوں، اور وہ شخص ان کو روکنے لگتا ہے لیکن وہ اس (شخص) پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرنے لگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: پس میری اور تمہاری مثال یہی ہے۔ میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ کر آگ سے بچانا چاہتا ہوں (اور پکار پکار کہتا ہوں کہ) آگ سے بچو، آگ سے بچ جاؤ، مگر تم مجھ پر غالب آجاتے ہو اور آگ میں گھستے ہی چلے جاتے ہو۔''

**شرح الحديث**:......

**نبی کریم ﷺ کی رافت ورحمت:**

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی تمنا اور کوشش تھی کہ اپنی اُمت کو جہنم سے بچالیں۔ اسی لیے ان کے سامنے ہر گناہ والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل واضح کر دیا تا کہ وہ جہنم سے بچ جائیں۔ اسی بات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کچھ اس طرح فرمایا:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ ﴾ (التوبة : ۱۲۸)

(٤) ...... مسند احمد، رقم: ۸۱۰۲ـ صحيح بخاری، رقم: ٦٤٨٣،٣٤٢٦ـ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، رقم: ۲۳۸٤، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر، عن همام بن منبه، قال: هذا ماحدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث، منها: ......ـ شرح السنة: ١٩٧/١ـ١٩٨، رقم: ٩٨.

''(مسلمانو!) تمہارے لیے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گزرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہش مند ہیں، مومنوں کے لیے نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔''

معلوم ہوا نبی کریم ﷺ کی صفت ہے کہ آپ پر ہر وہ بات شاق گذرتی ہے جس سے اُمت مسلمہ کو تکلیف پہنچتی ہے، اور یہ بھی آپ کی صفت ہے کہ آپ دل سے تمنا کرتے ہیں کہ آپ کی اُمت جہنم میں نہ ڈالی جائے، اور یہ بھی تمنا کرتے ہیں کہ دنیا وآخرت کی ہر بھلائی کی طرف اپنی اُمت کی رہنمائی کردیں۔

اور آپ کی صفات عالیہ میں سے ہے کہ آپ مومنوں کے لیے بہت ہی رحم دل ہیں، اسی وجہ سے چاہتے ہیں کہ وہ عمل صالح کریں، اور گناہوں کا ارتکاب نہ کریں تا کہ اللہ کی جنت کے حق دار بنیں۔

ابن العربی فرماتے ہیں: ''معروف قول ہے کہ جب پروانہ اندھیرے میں اچانک روشنی دیکھتا ہے تو چراغ سے روشنی حاصل کرنے کا گمان کر کے اس چراغ کی طرف بڑھتا ہے اور آخر کار وہ جل جاتا ہے۔

## فاسد عقیدہ جہنم میں لے جاتا ہے:

اسی طرح لوگوں کی مثال ہے کہ توحید کے علاوہ جب کوئی فاسد عقیدہ اور فتنہ دیکھتے ہیں تو اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں، اور درحقیقت اس فاسد عقیدہ میں مبتلا ہو کر بالآخر جہنم میں چلے جاتے ہیں۔'' (عارضة الأحوذی: ۳۲۵/۱۰)

امام غزالی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''انسان فاسد العقیدہ ہونے کی حالت میں جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ آگ میں جانے والے کیڑے مکوڑے ایک ہی دفعہ جل کر ختم ہو جاتے ہیں، جبکہ انسان اپنی خواہشاتِ نفس کی اتباع کر کے ہمیشہ کی آگ میں چلا جاتا ہے جہاں سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا اب اگر انسان اپنی خواہشات نفس کی اتباع کرے تو وہ جانوروں سے بھی زیادہ جاہل ہے۔'' (ارشاد الساری: ۴۰۳/۵)

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۷۹﴾

(الاعراف: ۱۷۹)

''ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں، وہ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کشتہ راہ ہیں، یہی لوگ درحقیقت بے خبر ہیں۔''

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کو اچھے انداز میں سمجھایا ہے کہ ''اس حدیث میں آگ سے مراد شریعت کی بیان کردہ حدود اور گناہ کے اُمور ہیں جو کہ مشرق ومغرب تک پہنچی اور وہاں روشنی کی، لیکن لوگ بجائے اسکے کہ اس آگ سے بچتے، حدود کو نہ پھلانگتے اور معاصی میں واقع نہ ہوتے، انہوں نے اس امر کا خیال ہی نہ کیا اور حدود کو پھلانگ دیا اور معاصی میں واقع ہو گئے، جب کہ نبی ﷺ نے بارہا منع کیا، گویا آپ لوگوں کو ان کی پیٹھوں سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانا چاہتے ہیں، جب کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بات نہیں سن رہے اور آخر وہ آگ میں گر ہی پڑے۔ جیسا کہ آدمی آگ اپنے انتفاع کے لیے جلاتا ہے اور لوگوں کے نفع کے لیے بھی، لیکن پروانے اس میں گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے معاصی اور حدود تو بیان کی تھیں کہ لوگ حدود پھلانگیں اور نہ معاصی میں واقع ہوں، لیکن لوگ گناہوں میں گر پڑے، اور حدود اللہ کو بھی پھلانگ دیا، اور جہنم کی آگ میں گر پڑے۔'' [1]

[1] فتح الباری: ۱۱/۳۱۹۱ ملخصًا.

# جنت کے درخت کا سایہ

۵......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((اِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَّسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ ، لَا يَقْطَعُهَا . ))

**ترجمة الحديث** :...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو (۱۰۰) سال تک چلتا رہے تو بھی اس کو ختم نہ کرے گا۔''

**شرح الحديث** :...... مذکورہ حدیث میں جنت میں لگے اس درخت کا ذکر ہے کہ کوئی شخص سواری پر اس کے سائے میں سو (۱۰۰) سال بھی چلتا رہے جب بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔

جنت کا تعلق اخروی جہان سے ہے، وہاں کا نظام، وہاں کا ماحول اور وہاں کے قوانین ہمارے اس زمین والے جہان سے بالکل مختلف ہیں، لہٰذا اس جہان کے قوانین کو اُس جہان کے قوانین پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔

جب کوئی آدمی اس کا انکار کرے کہ اتنا بڑا درخت اور اس کا اتنا لمبا سایہ کیسے ہوسکتا ہے؟

درحقیقت یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہے جس میں فرمایا: ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ (الواقعه : ۳۰)

''اور لمبے پھیلے ہوئے سائے ہوں گے۔''

اور جنت کی چوڑائی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۳﴾ (آل عمران : ۱۳۳)

''اور جلدی کرو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کا عرض (چوڑائی) آسمان وزمین کے برابر ہے، جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

---

(۵)...... صحیح البخاری، کتاب بداء الخلق، رقم: ۳۲۵۲ و کتاب التفسیر، رقم: ۴۸۸۱۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة، رقم: ۲۸۲۶، ۲۸۲۷، ۲۸۲۸۔ شرح السنة: ۲۰۷/۱۵، رقم: ۴۳۷۔ مصنف عبدالرزاق، رقم: ۲۰۸۷۷۔ عن معمر، عن همام عن ابی هريرة قال: ......۔ مسند الحميدى، رقم: ۱۱۳۱۔ صحيح ابن حبان، رقم: ۸۴۱۱، البعث والنشور: ۲۶۸۔ مشيخة ابن الجوزی، ص: ۱۸۲۔۱۸۳۔ صفة الجنة لأبی نعيم، رقم: ۴۰۳۔ مسند أبی يعلیٰ، رقم: ۵۸۵۳۔ مسند أحمد، رقم: ۹۲۴۳, ۹۶۵۰، ۹۸۳۲، ۹۸۷۰، ۹۹۵۰، ۱۰۰۶۵، ۱۰۲۵۹.

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾
(الحدید: ۲۱)

''لوگو! تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو، اور اس جنت کی طرف جس کی کشادگی آسمان و زمین کی کشادگی کی مانند ہے۔''

تو جب جنت کی کشادگی آسمان و زمین کے برابر ہے تو پھر یہ بعید نہیں کہ اس جنت میں اتنا بڑا درخت ہو کہ جس کا سایہ سو (۱۰۰) سال سواری دوڑانے کے بعد بھی ختم نہ ہو۔

یہی حدیث صحیح بخاری میں برقم (۳۲۵۲) موجود ہے، اور اس کے آخر میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ [الواقعة: ۳۰]))

''اور اگر چاہو تو پڑھ لو...... ''اور لمبے پھیلے ہوئے سائے ہوں گے۔''

حدیث کے سیاق و سباق سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ درحقیقت اس آیت کریمہ کی تفسیر فرما رہے ہیں کہ ''لمبے پھیلے ہوئے سائے ہوں گے'' آپ ﷺ نے اس کی لمبائی بیان کر دی، اور یہ آپ ﷺ کا وظیفہ تھا کہ قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کرتے اور اس کے مبہمات اور مجملات کی وضاحت فرماتے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ (النحل: ٤٤)

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے کہ آپ اس کی وضاحت کر دیں۔''

یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے شارح اور مفسر ہیں لہٰذا جیسا کہ قرآن مجید قطعی الثبوت ہے، ایسے ہی حدیث رسول علی صاحبہا الصلاۃ والسلام بھی قطعی الثبوت ہے، اور انکارِ حدیث کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

# حسد اور پیٹھ پیچھے برائی کی ممانعت کا بیان

٦...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ ، اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ ، فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ ، وَلَا تَنَاجَشُوْا ، وَلَا تَحَاسَدُوْا ، وَلَا تَنَافَسُوْا ، وَلَا تَبَاغَضُوْا ، وَلَا تَدَابَرُوْا ، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا . ))

**ترجمة الحديث** :...... ''اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''بدگمانی سے بچتے رہو، بدگمانی سے بچتے رہو، کیونکہ بدگمانی کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں، اور (بغیر نیت خرید کے) کسی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ بڑھاؤ، اور آپس میں حسد نہ کرو، اور نہ نفسانیت سے ایک دوسرے سے آگ بڑھو، اور آپس میں دشمنی پیدا نہ کرو، اور کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔''

**شرح الحديث** :...... مذکورہ حدیث میں چند ایسی ممنوع اشیاء کا ذکر ہے جو باہم مسلمانوں میں نفرت اور عداوت کا باعث بنتی ہیں۔ اور یہ ایسی معاشرتی برائیاں ہیں جو ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں، اس حدیث پاک میں چند اخلاقی امور کی تلقین کی جا رہی ہے جو اصلاح معاشرہ کے لیے بے حد ضروری ہیں۔

**ا۔ بدگمانی سے بچو:**

بدگمانی، دوسرے کے متعلق جھوٹا وہم ہے، اور جو جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے: ((فَاِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ)) ''پس بدگمانی کی اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔''

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ)) کا معنی بُرے گمان سے بچو، ایسا گمان جس میں دوسرے شخص کے ہر کام میں بدنیتی نظر آتی ہے، جس کے نتیجے میں دو افراد کے درمیان برادرانہ تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ وہ گمان مراد نہیں جن کا انسان مالک ہی نہیں، دل میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں، اسی لیے فرمایا:

---

(٦) ...... صحيح بخارى، كتاب الأدب رقم: ٦٠٦٤ـ حدثنا بشر بن محمد، اخبرنا عبدالله، اخبرنا معمر، عن همام بن منبه، عن ابى هريرة......ـ صحيح مسلم، رقم: ٦٥٣٦ـ مسند أحمد، رقم: ٧٨٥٨، ١٠٠٠١، ١٠٧٠١ـ سنن ترمذى، رقم: ١٩٨٨ـ مؤطا، كتاب حسن الخلق، باب ما جاء فى المهاجرة، رقم: ١٥ـ شرح السنة: ١١٠/١٣ـ مصنف عبدالرزاق: ١٦٩/١١، رقم: ٢٠٢٢٨ـ ادب المفرد، رقم: ٤١٠ـ صحيح ابن حبان، رقم: ٥٦٨٧ـ سنن ابوداؤد، رقم: ٤٩١٧ـ سنن الكبرىٰ للبيهقى: ٨٥/٦، ٣٣٣/٨، ٢٣١/١٠.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾

(الحجرات: ۱۲)

''اے ایمان والو! بہت ساری بدگمانی کی باتوں سے پرہیز کرو، بے شک بعض بدگمانی گناہ ہے۔''

مذکورہ آیت میں مطلق گمان کو گناہ نہیں گردانا گیا بلکہ بعض گمان کو گناہ کہا گیا ہے، اور وہ بُرا گمان ہے۔ اور وہ گمان جو گناہ نہیں وہ کسی کے متعلق حسن ظن رکھنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ .)) (مسند أحمد، رقم: ۷۹۴۳۔ سنن ابوداؤد، کتاب الأدب، رقم: ۴۹۹۳. احمد شاکر نے اسے "صحیح الأسناد" کہا ہے۔)

''یقیناً اچھا گمان بہترین عبادت سے ہے۔''

مزید برآں علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سفیان ثوری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ گمان دو طرح کا ہے:

(۱) انسان کسی کے متعلق بُرا گمان رکھے، اور اس کو آگے بیان بھی کرے، تو ایسے گمان پر گناہ ہے۔

(۲) اس سے مراد وہ گمان ہے جس کو انسان آگے بیان نہ کرے، ایسے گمان پر گناہ نہیں ہے۔''

(شرح السنة: ۱۳/ ۱۱۰)

زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''بدکرداروں اور فاسقوں کے ظاہری اعمال سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، ان کے بارے میں ویسا ہی (بُرا گمان) رکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور جس مسلمان کا ظاہر اچھا ہے، اس کے بارے میں بدگمانی جائز نہیں۔ اور جس کا ظاہر خراب ہو، اس کے بارے میں بدگمانی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

## ۲۔ کسی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ بڑھاؤ:

مراد یہ ہے کہ ایک چیز کا خریدنا منظور نہ ہو، لیکن دوسرے کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹ سے اس چیز کی قیمت بڑھائے، اسی طرح کوئی شخص کسی شے کا بھاؤ کر رہا ہو تو تم اس میں دخل اندازی مت کرو۔ دھوکا دینے کے لیے جھوٹ سے بھاؤ بڑھانے والا گنہگار ہے۔

## ۳۔ تم حسد نہ کرو:

حسد انسانی فطرت کا جزو لا ینفک ہے، حسد کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس کوئی چیز یا نعمت دیکھے اور تمنا کرے کہ یہ چیز میرے پاس ہو، اور اس شخص (جس کے پاس وہ نعمت ہے) سے زائل اور ختم ہو جائے، جبکہ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ نعمت ہمیں اگرچہ حاصل نہ ہو لیکن وہ شخص بھی اس نعمت سے محروم ہو جائے۔ اس قسم کا حسد کرنے والے زیادہ خبیث اور بدکردار ہوتے ہیں۔ یاد رہے! اس حدیث میں حسد سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ حسد حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بالعموم تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے، اور کچھ برائیوں سے بالخصوص پناہ مانگنے کی نصیحت فرمائی ہے، ان میں سے حسد بھی ہے۔ جیسا کہ ''سورۃ الفلق'' میں ہے: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ ...... ''اے نبی! کہہ دیجیے: کہ میں حاسد کے حسد سے تیری پناہ چاہتا ہوں، جب وہ اپنا حسد ظاہر کرتا ہے۔''

تا کہ محسور کو نقصان نہ پہنچائے، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حاسد کے مفہوم میں وہ آدمی بھی داخل ہے جس کی نظر لگ جاتی ہے، اس لیے کہ جو آدمی حاسد، بدطینت اور خبیث النفس ہوتا ہے اسی کی نظر بری ہوتی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے حاسد سے زیادہ کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ نہیں دیکھا، حسد کے سبب ظالم ہوتا ہے، لیکن نعمت سے محرومی کے سبب مظلوم معلوم ہوتا ہے۔'' (تیسر الرحمن، ص: ۱۷۸۳)

حسد کے حرام ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جسے کچھ بھی دیا ہے بغیر حکمت کے نہیں دیا، وہ خواہ اس کا فضل وکرم سہی، خواہ اس آدمی کی محنت کا صلہ ہو، دینے والا تو بہرحال اللہ خالق کل اور مختار کل ہے، تو نعمت پر اعتراض دراصل اللہ کے فضل وکرم پر اعتراض ہے، جبکہ مخلوق کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے خالق پر اعتراض کرے وہ ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جب انسان کسی سے حسد کرتا ہے تو اپنے بھائی کے نقصان کے در پے ہوتا ہے، پھر غیبت، جھوٹ وغیرہ جیسی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے۔

### ۴۔ رشک کرو:

لیکن رشک کرنا جائز و درست ہے، رشک یعنی دوسرے کو جو نعمت اللہ نے دی ہے، اس کی آرزو کرنا یہ درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَقَامَ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ ، وَرَجُلٌ أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يَتَصَدَّقُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ . ))

(صحيح بخاری، كتاب فضائل القرآن، رقم: ۵۰۲۵)

''رشک تو دو ہی آدمیوں پر ہوسکتا ہے، ایک تو اس پر جسے اللہ نے قرآن مجید کا علم دیا اور وہ اس کے ساتھ رات کی گھڑیوں میں کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہا۔ اور دوسرا آدمی وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے محتاجوں پر رات دن خیرات کرتا رہا۔''

### ۵۔ تم نفسانیت سے ایک دوسرے سے آگے مت بڑھو:

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''تم ایک دوسرے کی ریس کرتے ہوئے، ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا کا مال و دولت حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر

نیکی کے کام کرنے کی کوشش کرو۔فرمانِ رباری تعالیٰ ہے:﴿فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ (المطففون : ٢٦)

''انہی (نیکی کے ) کاموں میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے۔''

گویا یہاں منافست کا معنی رشک کرنا ہے، اور بعض لوگ اس کا معنی حسد کرتے ہیں، وہ درست نہیں۔

## ۵۔تم ایک دوسرے سے دشمنی پیدا نہ کرو، بغض نہ رکھو:

بغض محبت کی ضد ہے، لہٰذا ایک دوسرے سے بغض رکھنے کے بجائے ایک دوسرے سے محبت رکھنی چاہیئے، کیونکہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات : ١٠)

''بے شک مومنین آپس میں بھائی ہیں۔''

نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں بھی اسلامی اخوت کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ)) (صحيح بخاری، كتاب المظالم، رقم: ٢٤٤٢.)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے رسوا کرے۔''

اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ اَصَابِعَهُ))

(صحيح بخاری، كتاب الصلاة، رقم: ٤٨١)

''بے شک مومن مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو طاقت پہنچاتا ہے۔اور آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔''

اور اگر یہ بغض دین کی خاطر ہو، ((اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ)) کے پیش نظر تو اس میں کوئی حرج نہیں۔قرآن مجید میں کفار سے بغض رکھنے کا حکم ہے، اور ان سے دوستی اور محبت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ارشاد فرمایا:

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨﴾ ﴾ (آل عمران : ٢٨)

''اہل ایمان، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں الا یہ کہ تم ان ( کافروں کے شر ) سے بچنا چاہو اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا

ہے اور تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیّدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ:

((اِنَّا لَنَکْشِرُ فِیْ وُجُوْہِ اَقْوَامٍ وَاِنْ قُلُوْبَنَا لَتَعْلَعُنْھُمْ .))

(صحیح بخاری، کتاب الادب، قبل حدیث، رقم: ٦١٣١ تعلیقا)

''ہم بعض لوگوں کے سامنے مسکرا دیتے ہیں، لیکن ہمارے دل انہیں لعنت کر رہے ہوتے ہیں۔''

## ۷۔ تم ایک دوسرے سے قطع تعلقی نہ کرو:

اس حدیث میں ایک دوسرے سے قطع تعلقی کرنے، پشت پھیر لینے، منہ موڑ لینے اور بے رخی اختیار کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔ ایک صحیح مسلم کی روایت میں ((لَا تَقَاطَعُوْا)) کے الفاظ بھی ہیں کہ ایک دوسرے سے تعلق نہ توڑو، غصہ انسانی فطرت کا حصہ ہے، اگر کسی دوست پر غصہ آ ہی جائے تو اسلام نے انسانی نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے تین دن تک اسے جائز رکھا ہے، تین دنوں سے زیادہ روٹھے رہنا اور ایک دوسرے سے گفتگو نہ کرنا، یہ نفرت وحقارت کا سبب بن سکتا ہے اس صورت حال سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثِ لِیَالٍ ، یَلْتَقِیَانِ ، فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا وَخَیْرُہُ الَّذِیْ یَبْدَ أَ بِالسَّلَامِ .))

(صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: ٦٠٧٧.)

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی کرے (بائیکاٹ کرے) دونوں آپس میں ملتے ہیں، ایک اس طرف منہ پھیر لیتا ہے اور دوسرا دوسری طرف رخ پھیر لیتا ہے۔ ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''

## ۸۔ تم سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو:

اس حدیث کے آخر میں بھائی بھائی بن کر رہنے کا حکم فرمایا ہے، تاکہ مسلمان آپس میں اکٹھے اور مضبوط رہیں۔ کیونکہ تم سب مسلمان ایک ہی برادری کے افراد ہو، مسلمان جہاں کہیں بھی ہو دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق ہیں جو اخوت اسلامی کے تقاضے بھی ہیں کہ دوسرے پر ظلم نہ کرے، ضرورت کے وقت اس کا ساتھ نہ چھوڑے، اس کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھے اور اس سے دروغ گوئی نہ کرے وغیرہ، ویسے تو ہر قول رسول ہی ایسا ہے کہ اسے ہر وقت یاد رکھا جائے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقدس وعظ ایسا ہے جو ہر وقت یاد رکھا جائے، اور اس پر عمل کیا جائے تو یقیناً اُمت کا بیڑا پار ہو سکے گا۔ اللہ عظیم و برتر سب کو ایسی ہمت اور طاقت عطا کرے۔ آمین یا رب العالمین!

# جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی

۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((إِنَّ فِـي الْجُمُعَةِ سَاعَةً ، لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي يَسْئَلُ رَبَّهُ شَيْئًا ، إِلَّا آتَاهُ إِيَّاهُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے جس میں اگر کوئی مسلمان بندہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی چیز اپنے رب سے مانگے تو اللہ اسے وہ چیز ضرور دیتا ہے۔''

**شرح الحديث:**...... اس حدیث سے جمعہ کے دن کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس دن میں ایسی گھڑی ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔ اس گھڑی کے تعیّن میں اختلاف ہے کہ یہ گھڑی کس وقت آتی ہے؟ بعض صحابہ کا خیال یہ ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد سے غروب شمس تک ہے، اس بات کو سعید بن جبیر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور یہی قول امام احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد ہے، اور زوالِ شمس کے بعد بھی اس کی امید کی جا سکتی ہے۔

(شرح السنة: ٤/ ٢٠٩ ـ سنن الترمذي، تحت حديث، رقم: ٤٨٩ .)

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
((إِلْتَمِسُوْا السَّاعَةَ الَّتِي تُرْجَى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ . )) (سنن الترمذي، كتاب الجمعة، رقم: ٤٨٩ ـ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔)
''جس گھڑی میں دعا کے قبول ہونے کی اُمید ہے تم اسے عصر سے بعد سورج کے غروب ہونے تک تلاش کرو۔''

---

(٧) ...... صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، رقم: ٨٥٢، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم......ـ صحيح بخاري، كتاب الجمعة، رقم: ٩٣٥ ـ مؤطا، ص: ٨٨، باب ما جاء في الساعة التي في يوم الجمعة ـ مصنف عبدالرزاق، رقم: ٥٥٧١ ـ شرح السنة: ٤/ ٢٠٦، رقم: ١٠٤٩ ـ مسند أحمد، رقم: ٧١٥١، ٧٤٨٧، ٧٦٨٨، ٨١١٩، ١٠٤٦٥ .

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِلْتَمِسُوْهَا آخِرَ سَاعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ .)) (سنن أبو داؤد، رقم: ١٠٤٨ـ سنن نسائی، رقم: ١٣٩٠ـ مستدرك حاكم: ٢٧٩/١ـ حاکم اور علامہ البانی نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔)

''تم اس گھڑی کو عصر کے بعد آخر آخر وقت (یعنی غروبِ شمس کے قریب) تلاش کرو۔''

بعض روایات میں اس کے لیے وہ وقت بتلایا گیا ہے، جب امام نمازِ جمعہ شروع کرتا ہے، گویا نماز ختم ہونے تک درمیان میں یہ گھڑی آتی ہے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ .))

(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، رقم: ٨٥٣/١٦.)

''وہ گھڑی امام کے (خطبہ کے دوران) بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان ہے۔''

سیّدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((أَنَّهَا فِيْمَا بَيْنَ الْأَذَانِ إِلَى اِنْصِرَافِ الْإِمَامِ .)) (شرح السنة: ٢١١/٤) ''یقیناً وہ گھڑی اذان سے لے کر امام کے نماز سے فارغ ہونے تک کے درمیان ہے۔''

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ((هِيَ عِنْدَ نُزُوْلِ الْإِمَامِ .)) ''وہ امام کے ممبر سے اُترتے وقت ہے۔'' (شرح السنة: ٢١١/٤)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری (۴۱۵/۲-۴۲۰) پر بڑی تفصیل کے ساتھ ان جملہ روایات پر روشنی ڈالی ہے، اور اس کے متعلق علمائے اسلام وفقہائے عظام کے تنتالیس ۴۳ اقوال نقل کیے ہیں۔

امام شوکانی نے علامہ ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ان لفظوں میں نقل فرمایا ہے:

((إن فائدة الابهام لهذه الساعة ولليلة القدر بعث الدواعي على الاكثار من الصلاة والدعاء ولو وقع البيان لا تكل الناس على ذالك و تركوا ما عداها فالعجب بعد ذلك ممن يتكل الناس فى طلب تحديدها ، وقال في موضع آخر: يحسن جمع الأقوال فتكون ساعة الاجابة واحدة منها لا بعينها فيصاد فها من اجتهد في جميعها .)) (نیل الاوطار: ۲۷۷/۳)

''یقیناً اس گھڑی کے پوشیدہ رکھنے اور اسی طرح لیلۃ القدر کے پوشیدہ ہونے میں فائدہ یہ ہے کہ ان کی تلاش کے لیے بکثرت نمازِ نفل ادا کی جائے اور دعائیں کی جائیں، اس صورت میں ضرور ضرور وہ گھڑی کسی نہ کسی ساعت میں حاصل ہوگی، اگر ان کو ظاہر کر دیا جاتا تو لوگ بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے،

اور صرف اسی گھڑی میں عبادت کرتے۔ پس اس شخص پر تعجب ہے جو اس محدود وقت کو پا لینے پر بھروسہ کیے ہوئے ہے۔ بہتر ہے کہ مذکورہ اقوال کو بایں صورت جمع کیا جائے کہ اجابت کی گھڑی وہ ایک ہی ساعت ہے جسے معین نہیں کیا جا سکتا۔ پس جو تمام اوقات میں اس کے لیے کوشش کرے گا، وہ ضرور اسے کسی نہ کسی وقت میں پا لے گا۔''

اس بارے میں راجح قول یہی ہے (یعنی ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ کا) کہ اجابت اور قبولیت کی گھڑی وہ ایک ہی ساعت ہے جسے معین نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس کو پانے کے لیے ان تمام اوقات میں کوشش اور اجتہاد کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم!

# فجر اور عصر کی نمازوں کی فضیلت

٨...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((اَلْـمَلَائِكَةُ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ ، مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ ، وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ . ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْئَلُهُمْ ، وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِـمْ : كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟ قَالُـوْا : تَـرَكْـنَاهُـمْ وَهُـمْ يُـصَلُّوْنَ ، وَاَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ . ))

**ترجمة الحديث** :...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' کہ رات اور دن میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں، اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (ڈیوٹی پر آنے والوں اور رُخصت پانے والوں کا) اجتماع ہوتا ہے۔ پھر تمہارے پاس رہنے والے فرشتے جب اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ اپنے بندوں کے متعلق جانتا ہے، کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے، تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔''

**شرح الحديث**: ...... مذکورہ حدیث سے درج ذیل مسائل اخذ کیے جا سکتے ہیں:

① نماز سب عبادات سے افضل عبادت ہے، اس لیے تو اس پر سوال و جواب ہوئے ہیں۔

② اس حدیث سے نمازِ فجر اور نمازِ عصر کی خاص فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ دونوں نمازوں کے اوقات میں ان فرشتوں کی آمد و رفت اور باہمی ملاقات ہوتی ہے۔

اور احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ رزق صبح کی نماز کے بعد تقسیم کیا جاتا ہے، اور اعمال دن کے آخری حصہ میں بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں، تو جو شخص ان اوقات میں نماز و اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں وقت گزارے گا تو اس کے رزق اور عمل میں برکت ڈال دی جائے گی۔

---

(٨) ...... صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما، رقم: ٦٣٢، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق : حدثنا معمر، عن همام بن منبه، عن ابي هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم......۔ صحيح بخارى، كتاب مواقيت الصلاة، رقم: ٥٥٥۔ شرح السنة: ٢٢٧/٢۔ صحيح ابن حبان، رقم: ١٧٢٧۔ مؤطا، كتاب قصر الصلاة في السفر، باب جامع الصلاة، ص: ١٣٢.

٭ اس حدیث میں امت محمدیہ کے شرف کا ذکر ہے، اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا مرتبہ بھی دوسرے انبیاء سے بلند ہے۔

٭ اس حدیث میں فرشتوں کا جواب بھی مذکور ہے، اور یہ جواب ان ہی نیک بندوں کے لیے ہوگا جو نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور جن لوگوں نے نماز کو پابندی کے ساتھ ادا ہی نہیں کیا، اللہ کے دربار میں فرشتے ان کے بارے میں کیا کہہ سکیں گے۔

ان فرشتوں سے مراد ''کراماً کاتبین'' ہیں۔ جو آدمی کی محافظت کرتے ہیں، صبح و شام ان کی بدلی ہوتی رہتی ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا: یہ دو فرشتے ہیں اور پروردگار جو سب کچھ جاننے والا ہے، اس کا ان سے پوچھنا ان کے قائل کرنے کے لیے ہے، جو انہوں نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کہا تھا کہ آدمی زاد زمین میں خون اور فساد کریں گے: ﴿اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ (البقرہ: ۳۰)

''کیا تو زمین پر ایسی مخلوق بھیج رہا ہے جو زمین پر فساد اور قتل و غارت کرے گی۔''

تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے کہا کہ:

﴿اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۳۰)

''یقیناً جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو۔''

٭ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کلام کرتا ہے۔

٭ اس حدیث میں نمازِ عصر کی پابندی کرنے پر ترغیب ہے، کیونکہ نمازِ فجر کی طرح یہ نماز اس وقت میں ہے جب لوگ آرام کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، اور نماز کے لیے بیدار ہونا بڑا بھاری ہوتا ہے۔ نمازِ عصر کے متعلق فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (البقرہ: ۲۳۸)

''نمازوں پر محافظت کرو، اور خاص طور پر درمیانی نماز پر۔''

اور یہ بات واضح ہے کہ نمازِ عصر ہی درمیانی نماز ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَّذِیْ تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ.))

(صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، رقم: ۵۵۲)

''جس کی نماز عصر چھوٹ گئی گویا اس کا گھر اور مال سب لُٹ گیا۔''

# فرشتوں کی نمازی کے لیے دعا

۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((اَلْـمَلَائِـكَةُ تُـصَـلِّـىْ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِىْ مُصَلَّاهُ الَّذِىْ صَلَّى فِيْهِ ، تَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک تم میں سے کوئی اپنے مصلی پر جہاں اس نے نماز پڑھی تھی، بیٹھا رہے، اور وہ بے وضو نہ ہو، تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اسے پر رحم کر۔''

## فرشتے تم میں سے ہر ایک شخص کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں:

دعا کرنے والے فرشتوں کے متعلق بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ خاص فرشتے مراد ہیں، جن کا وظیفہ صرف دعا کرنا ہی ہے۔ بعض لوگ ان سے مراد کراماً کاتبین لیتے ہیں۔ جب کہ بعض کا کہنا ہے کہ ہر فرشتہ ہی مراد ہوسکتا ہے کیونکہ ملائکہ پر (الف، لام) استغراق کا ہے جو عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ (عمدة القاری: ۱۸/٤)

اور ''تُصَلِّىْ'' کا معنی ہے، بخشش کی دعا کرتے ہیں، ویسے تو ''صَلَاةٌ'' کے کئی معانی ہیں۔ جن میں سے اہم یہ ہیں:

① رحمت نازل کرنا۔ جب صلاۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾

(الاحزاب: ٤٣)

''وہی اللہ ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے، اور اس کے فرشتے (تمہارے لیے دعا کرتے ہیں) تاکہ تمہیں (کفر و شرک) کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی (اسلام) کی طرف لے آئے۔''

---

(۹) ...... صحیح بخاری، کتاب الأذان، رقم: ۹۵۹ و کتاب البیوع، رقم: ۲۱۱۹ و کتاب بدء الخلق، رقم: ۳۲۲۹۰، ٤۷۱۷۔ صحیح مسلم، رقم: ۱۵۰٦۔ مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۵۸۰۔ مسند احمد: ۳۲/۱٦، رقم: ۷/۸۱۰٦۔ حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ......۔ شرح السنة: ۳٦۹/۲۔ مؤطا مالك، كتاب قصر الصلاة في السفر(۱۸) باب انتظار الصلاة والمشى اليها، ۱۱۷، ۹.

۲۔ اللہ تعالیٰ سے اہل ایمان کے حق میں رحمت اور استغفار کی دعا کرنا۔ یہ معنی تب ہوتا ہے، جب اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو۔ جیسا کہ محل استدلال حدیث کے الفاظ ہیں: ((اَلْـمَلَائِـكَةُ تُـصَـلِّـيْ عَـلَـى أَحَدِكُمْ............))

''فرشتے تم میں سے ہر شخص کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔''

۳۔ دُرود بھیجنا۔ جب اس کی نسبت آدمیوں کی طرف ہو، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ۝٥٦﴾ (الاحزاب: ٥٦)

''اے ایمان والو! تم بھی اس پیغمبر پر دُرود اور سلام بھیجو، سلام بھیجنا۔''

((مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِيْ صَلَّى فِيْهِ .))

''جب تک کہ وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر جہاں اس نے نماز پڑھی تھی (بیٹھا) رہے۔''

اس بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ خاص وہی جگہ مراد ہو جہاں نماز پڑھی تھی، لہٰذا اگر آدمی دوسری جگہ منتقل ہوا تو اس کے لیے یہ ثواب اور فضیلت نہیں ہے۔ اس معنی کی تائید صحیح مسلم اور سنن أبو داؤد کے لفظ کرتے ہیں ((مَـا دَامَ فِـي مُصَلَّاهُ الَّذِيْ صَلَّى فِيْهِ .)) ''کہ جب تک وہ اس جگہ پر بیٹھا رہے جس جگہ پر اس نے نماز پڑھی تھی۔''

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد جمیع مسجد ہو جس میں اس نے نماز پڑھی ہے، اور یہ بات زیادہ قوی ہے جس کی دلیل روایت کے یہ لفظ ہیں: ((مَا دَامَ فِي الْمَسْجِدِ))

''جب تک وہ مسجد میں رہتا ہے۔'' (ارشاد الساری: ۲/ ۳۱)

بہر حال اس سے مراد مسجد ہے۔ اس بات کی دلیل صحیح بخاری کی یہ روایت ہے:

((فَـإِنَّ أَحَـدَكُـمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وَأَتَى الْمَسْجِدَ ، لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ خَطِيئَةً حَتَّى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ ، وَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتْ تَحْبِسُهُ وَتُصَلِّي عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي فِيهِ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُؤْذِ يُحْدِثْ))

(صحيح بخاری، كتاب الصلاة، رقم: ٤٧٧)

''پس بے شک جب کوئی شخص تم میں سے وضو کرے اور اس کے آداب کا لحاظ رکھے، پھر مسجد میں صرف نماز کی غرض سے آئے تو اس کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک درجہ اس کا بلند کرتا ہے، اور ایک گناہ اس سے معاف کرتا ہے۔ اس طرح وہ مسجد کے اندر آئے گا، مسجد میں آنے کے بعد جب تک نماز

کے انتظار میں رہے گا، اسے نماز ہی کی حالت میں شمار کیا جائے گا اور جب تک اس جگہ بیٹھا رہے، جہاں اس نے نماز پڑھی ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت خداوندی کی دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم کر، جب تک ریح خارج کر کے (وہ فرشتوں کو) تکلیف نہ دے۔''

## فرشتے دعا کرتے ہیں، اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم کر:

اس دعا کے یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عین مطابق ہیں:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ﴾ (المؤمن: ۷)

''جو فرشتے عرش اُٹھائے ہوئے ہیں، اور جو فرشتے اس کے گرد جمع ہیں، یہ سب اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ان کے استغفار طلب کرنے کا راز یہ ہے کہ فرشتے بنی آدم کو گناہ کرتے دیکھتے ہیں، اور رب کی اطاعت کرنے میں کوتاہی برتتا دیکھ کر ان کے لیے استغفار کرتے ہیں، کیونکہ مفسدت کو ہٹانا جلب منفعت سے اولیٰ ہے، لہٰذا فرشتے یہی دعا کرتے ہیں کہ ((اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ)) ''اے اللہ! اس پر رحم کر۔''

(فتح الباری: ۲/ ۱۴۳ ملخصًا)

## جب تک وہ بے وضو نہیں ہوتا:

تو فرشتے جہاں بندے کے گناہوں کی معافی کی دعا کرتے ہیں، وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کے ساتھ جو تیرے احسانات ہیں ان میں مزید اضافہ فرما۔

## مغفرت اور رحمت کے درمیان فرق:

مغفرت اور رحمت کے درمیان فرق یہ ہے کہ مغفرت کا معنی ہے گناہوں کو معاف کرنا، اور ان پر پردہ ڈالنا، جب کہ رحمت کا معنی ہے احسانات وانعامات اور اکرام میں اضافہ کی دعا کرنا۔

## حدیث سے مستنبط مسائل:

اس حدیث سے درج ذیل مسائل اخذ کیے جاتے ہیں:

۱۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں، تو وہ نماز پڑھ کر اپنے مصلی پر بیٹھا رہے یا کم از کم مسجد میں رہے، اور دوسری نماز کا انتظار کرے اس وجہ سے فرشتے اس کے لیے دعائے استغفار کریں گے، اور ان کی دعا مقبول ہوگی، کیونکہ وہ استغفار اپنی مرضی سے نہیں، بلکہ اللہ کے حکم سے

کرتے ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الأنبياء: ٢٨)

''اور نہیں وہ (فرشتے) سفارش کرتے مگر اللہ کی مرضی سے۔''

۲ اس حدیث میں مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔

۳ مسجد میں بے وضو ہونے سے مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت سے آدمی محروم ہو جاتا ہے، ساتھ فرشتوں کی استغفار اور رحمت کی دعا بھی بند ہو جاتی ہے۔

۴ مسجد میں بے وضو آدمی بیٹھ سکتا ہے۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ((أَنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَبَالَ، ثُمَّ دَخَلَ فَتَحَدَّثَ مَعَ أَصْحَابِهِ وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً)) ''وہ مسجد سے نکلے، پیشاب کیا، اور پھر مسجد میں آکر اپنے ساتھیوں سے باتوں میں مشغول ہو گئے اور پانی کو چھوا تک نہیں (یعنی وضو نہیں کیا)''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ، عطاء، ابراہیم نخعی، اور ابن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بے وضو آدمی مسجد میں بیٹھ سکتا ہے۔ (عمدة القاری: ١٨/٤)

# نماز میں آمین کہنے پر سابقہ گناہوں کی معافی

۱۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((اِذَا قَالَ اَحَدُكُمْ ((آمِيْنَ)) وَالْمَلَائِكَةُ فِيْ السَّمَاءِ فَوَافَقَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ، غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ . ))

**ترجمة الحديث**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آمین کہے، اور فرشتوں نے بھی (اسی وقت) آسمان میں (آمین کہی) اس طرح ایک کی آمین دوسرے کی آمین کے ساتھ مل گئی تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

## جب تم میں سے کوئی ایک آمین کہے:

مراد سورۃ فاتحہ کے بعد، جب بندہ نماز میں ہو چاہے، امام ہو یا مقتدی، کیونکہ حدیث میں لفظ مطلق ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

((إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ . )) (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم: ٤١٠)

''جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو نماز میں ہو، غیر نماز میں نہیں۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ امام ہی آمین کہے اور اس کی آمین سن کر مقتدی کہے، تو اس کی آمین فرشتوں سے موافقت کرے گی کیونکہ حدیث کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی چاہے اکیلا نماز پڑھ رہا ہو، اور سری (آہستہ آواز سے) آمین ہی کیوں نہ کہے، تو اس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت کر سکتی ہے۔ یاد رہے کہ سورۃ فاتحہ کے خاتمہ پر ہر فرشتہ بھی آمین کہتا ہے۔ سری میں پست آواز سے اور جہری میں بلند آواز سے۔ پس جس نمازی کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی اس کا بیڑا پار ہو گیا۔

---

(۱۰) ...... صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة، باب التسميع والتحميد والتأمين، رقم: ٤١٠/٧٥، حدثنا محمد بن رافع، قال حدثنا عبدالرزاق، قال حدثنا معمر، عن همام بن منبه، عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم بمثله......۔ صحيح بخارى رقم: ٦٤٠٢،٧٨١۔ مصنف عبدالرزاق : ٩٨،٩٧/٢۔ مسند أحمد: ٣٢/١٦، برقم: ٨/٨١٠٧۔ السنن الكبرىٰ، للبيهقى : ٥٦،٥٥/١۔ مؤطا مالك: ٨٨۔٨٧/١، كتاب الصلوة، باب ما جاء في التأمين خلف الأمام، رقم: ٤٥۔٤٦.

## اور فرشتے آسمانوں میں آمین کہہ دیں:

ان فرشتوں سے مراد کون سے فرشتے ہیں؟ ان سے مراد حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں، اور وہ فرشتے جو ان کے علاوہ آسمان میں ہیں۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے اور اس کی مؤید روایت ''سنن دارمی'' میں بھی موجود ہے، حدیث کے لفظ یوں ہیں:

((فَقَالَ مَنْ خَلْفَهُ آمِيْن ، فَوَافَقَ ذَلِكَ أَهْلَ السَّمَآءِ . )) (سنن دارمی، رقم: ۱۲۸۱)

''پس اس (امام) کے پیچھے والے بھی آمین کہیں، تو یہ آمین کہنا (اگر) آسمان والوں سے ٹکرا گیا۔''

((اَلْمَلَائِكَةُ)) ''پر الف لام'' استغراق کے لیے ہے جس کا معنی یہ ہے کہ محافظ فرشتے آمین کہتے ہیں، اور آسمانوں پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ جن روایات میں آسمان والے فرشتوں کی تخصیص ہے تو وہ دوسرے فرشتوں کی نفی نہیں کرتی۔

## پس اس طرح ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے مل گئی:

موافقت سے مراد قول و زمانہ میں موافقت ہے کہ جس وقت میں فرشتے آمین کہیں، اسی وقت بندہ بھی آمین کہے اور دونوں کی آمین کی آواز ایک ہی وقت میں ہو۔ (ارشاد الساری: ۲/ ۱۰۰)

حافظ ابن حجر نے ابن منیر کا قول نقل کیا ہے، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے: ''دراصل بندوں کا فرشتوں سے قول و زمان میں موافق ہونا، اس کی حکمت یہ ہے کہ مقتدیوں کو بیدار رکھا جائے تاکہ وہ نماز میں غفلت نہ برتیں، کیونکہ فرشتے غافل نہیں ہوتے، وہ وقت پر آمین کہتے ہیں، پس اسی کی آمین ان سے موافقت کرے گی جو بیدار ہوگا۔''

(فتح الباری: ۲/ ۲۶۵)

## اس شخص کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں:

حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، لیکن خارجی (دوسرے) دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اور ایسے ہی حقوق العباد بھی معاف نہیں ہوتے جب تک کہ جس بندے کا حق ہے اس سے معاف نہ کروایا جائے۔

حافظ ابن حجر رقم طراز ہیں: ''اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کہ صغیرہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں نہ کہ کبیرہ۔'' اسی وجہ سے ((مِنْ ذَنْبِهٖ)) میں ((مِنْ)) تبعیضیہ ہے نہ کہ بیانیہ۔ لہٰذا حدیث کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ ''اس کے بعض گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' (فتح الباری: ۲/ ۲۶۵)

**تتمہ**: (۱)......اس حدیث سے جہاں ''آمین'' کہنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، وہاں پر امامیہ فرقے کی اس بات کا بھی ردّ ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ''آمین'' کہنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ لفظ ''آمین'' نہ تو قرآن میں

ہے اور نہ ذکر ہے۔

(۲)...... اور ان بدعتیوں کا بھی ردّ ہو جاتا ہے کہ جو ''آمین'' کہنے میں کوئی فضیلت نہیں سمجھتے۔

(۳)...... اور جہری نمازوں میں امام ومقتدی کو اونچی آواز سے آمین کہنا چاہیے، آمین بالجہر کئی ایک احادیث سے ثابت ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

## آمین بالجہر کا ثبوت:

(i) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا:

((قَرَأَ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ وَقَالَ آمِيْنَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ . ))

(سنن ترمذی، رقم: ٢٤٨۔ سنن دارمی: ١/ ٢٨٤۔ سنن دارقطنی: ١/ ٣٣٣۔ سنن الکبریٰ، للبیھقی: ١/ ٥٧۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ٢/ ٤٢٥۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے)

''آپ نے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھا اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو لمبا کیا۔''

سنن ابوداؤد میں ((وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ . )) کی جگہ ((رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ . )) آتا ہے، یعنی ''آپ نے اپنی آواز کو بلند کیا۔'' (سنن ابوداود، رقم: ٩٣٢، البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے)

(ii) ((أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَائَهُ حَتَّى اَنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً . )) (صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمین، قبل الحدیث: ٧٨٠۔ مسند الشافعی، رقم: ١٥/ ٢١٢۔ سنن الکبریٰ، للبیھقی: ٢/ ٥٩.

''سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے مقتدیوں نے اس قدر بلند آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج گئی۔''

(iii) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا حَسَدَ تْكُمْ الْيَهُوْدُ عَلَى شَيْءٍ مَا حَسَدَ تْكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّأْمِيْنِ . ))

(سنن ابن ماجہ، رقم: ٨٥٦۔ مسند أحمد: ٦/ ١٣٤۔١٣٥۔ سنن الکبریٰ للبیھقی: ٢/ ٥٦۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم: ٥٧٤۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ٦٩١.)

''یہودی جس قدر آمین اور سلام پر حسد کرتے ہیں اس قدر کسی چیز پر حسد نہیں کرتے۔''

(iv) عطاء (تابعی رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد) فرماتے ہیں: ''میں نے مسجد حرام میں دوسو (۲۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّيْن﴾ کہتا تو سب صحابہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔''

(سنن الکبریٰ، للبیھقی: ٢/ ٥٩۔ صحیح ابن حبان، رقم: ١٩٩٦، ١٩٩٧۔ ابن حبان نے اسے ''صحیح کہا ہے)

وفي هذا كفاية لمن له دراية

# قربانی کے جانور پر سواری کی اجازت

۱۱......((وَقَالَ اَبُوْهَرَيْرَةُ : بَيْنَمَا رَجُلٌ يَّسُوْقُ بَدَنَةً مُقَلَّدَةً ، قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِرْكَبْهَا . قَالَ : اِنَّهَا بَدَنَةٌ ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم! قَالَ: وَيْلَكَ : اِرْكَبْهَا ، وَيْلَكَ اِرْكَبْهَا . ))

**ترجمة الحديث**...... ''اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک آدمی قربانی کے جانور کو اس کے گلے میں پٹہ ڈالے پیدل ہانکے چلا جا رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: اس پر سوار ہو جا، اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ قربانی کا جانور ہے آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے! اس پر سوار ہو جا، تجھ پر افسوس ہے! اس پر سوار بھی ہو جا۔''

**شرح الحديث**...... اس حدیث سے درج ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ فتویٰ یا کسی بھی بات کو سمجھانے اور موکد کرنے کے لیے بار بار دہرایا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: ((وَيْلَكَ اِرْكَبْهَا . )) ''تجھ پر افسوس ہے سوار ہو جا۔''

۲۔ بہتر یہ ہے کہ حکم کی فوراً تعمیل کی جائے، اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ ((اَلْأَمْرُ لِلْفَوْرِ)) ''اَمر فی الفور کام کرنے پر دلالت کرتا ہے۔''

۳۔ اور جو کوئی حکم کی تعمیل میں دیر کرے، اسے ادب سکھانا بھی ثابت ہے، نبی ﷺ نے جب دیکھا کہ آدمی اونٹ پر ایک مرتبہ کہنے سے سوار نہیں ہوا، تو آپ ﷺ نے اسے دو مرتبہ ڈانٹا، اور کہا: ((وَيْلَكَ)) ''تجھ پر افسوس ہے۔''

۴۔ جب کوئی شخص کسی کے لیے کسی کام میں مصلحت دیکھے تو اس کی طرف اس کی راہنمائی کرنے میں بالکل دیر نہ

---

(۱۱) ...... صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز ركوب البدنة المهداة لمن احتاج اليها، رقم: ۳۲۱۰، ۳۲۰۸۔ حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا أبو هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم، فذكر أحاديث منها وقال......۔ صحيح بخارى، رقم: ۱٦۸۹، ۱٦۹۰، ۲۷۵۵، ٦۱٦۰۔ مسند أحمد: ۳۳/۱٦، رقم: ۸۱۰۸/۹۔ سنن نسائى، رقم: ۲۸۰۱۔ سنن أبو داؤد، رقم: ۱۷٦۰۔ سنن ترمذى، رقم: ۹۱۱، عن أنس۔ شرح السنة: ۱۹۵/۷۔۱۹٦، رقم: ۱۹۵۵۔ مؤطا، كتاب الحج (٤٥) باب ما يجوز من الهدي، ص: ۲٤٦ (۱۹)۔ السنن الكبرى، للبيهقى، كتاب الحج، باب ركوب البدنة إذا إضطر إليه: ۲۳٦/۵.

کرے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

۵۔ اور علامت کے طور پر جانوروں کے گلے میں پٹہ بھی ڈالا جا سکتا ہے۔

٦۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حاجی اپنے قربانی کے جانور مثلاً اونٹ وغیرہ پر بوقت ضرورت سوار ہو کر حج کا سفر کر سکتا ہے۔ ایسا کرنا بالکل جائز ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا:

((هَلْ يَرْكَبُ الرَّجُلُ هَدِيَّته؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ ، قَدْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِالرِّجَالِ يَمْشُوْنَ فَيَأْمُرُهُمْ بِرُكُوْبِ هَدِيَّتِهِمْ . ))

''کیا کوئی شخص قربانی کے جانور پر سوار ہو سکتا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، یقیناً نبی ﷺ پیدل چلنے والے لوگوں کے پاس سے گزرتے تھے تو آپ ﷺ ان کو ان کے قربانی کے جانوروں پر سوار ہونے کا حکم دیتے۔''

بوقت مجبوری کوئی بھی شخص قربانی کے جانور پر سوار ہوگا وگرنہ نہیں، اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو آدمی سواری سے اُتر جائے۔ صحیح مسلم میں ہے:

((اِرْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ إِذَا أُلْجِئْتَ إِلَيهَا حَتَّى تَجِدَ ظَهْرًا . )) (صحیح مسلم: ٣٢١٤)

''جب تم مجبور ہو تو اچھے طریقے سے اس پر سوار ہو جاؤ، اس وقت تک کہ تمہیں کوئی دوسری سواری نہ ملے۔''

مذکورہ حدیث کے مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ جب دوسری سواری مل جائے تو اس پر سوار نہیں ہو سکتے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ تھک جاتے تو تھوڑی دیر کے لیے سوار ہو جاتے اور جب تھکان دُور ہو جاتی تو اس سے اُتر جاتے۔ (عمدۃ القاری: ۱۹۲/۸۔۱۹۳)

زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ سائبہ وغیرہ جو جانور مذہبی نیاز نذر کے طور پر چھوڑ دیتے۔ اور ان پر سوار ہونا معیوب جانا کرتے تھے۔ قربانی کے جانوروں کے متعلق بھی جو کعبہ میں لے جائے جائیں ان کا ایسا ہی تصور تھا۔ اسلام نے اس غلط تصور کو ختم کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے ادب سکھاتے ہوئے حکم دیا کہ اس پر سواری کرو تا کہ راستہ کی تھکن سے بچ سکو۔ قربانی کے جانور ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے معطل کر کے چھوڑ دیا جائے، اسلام اسی لیے دین فطرت ہے کہ اس نے قدم قدم پر انسانی ضروریات کو ملحوظ نظر رکھا ہے اور ہر جگہ عین ضروریات انسانی کے تحت احکامات صادر کیے ہیں۔ خود عرب میں اطراف مکہ سے جو لاکھوں حاجی حج کے لیے مکہ شریف آتے ہیں ان کے لیے یہی احکام ہیں۔ آج کل باقی دور دراز اسلامی ممالک سے آنے والوں کے لیے ریل، موٹر گاڑیاں، بحری و ہوائی جہاز موجود ہیں۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ آج کل سفرِ حج بے حد آسان ہو گیا ہے، پھر بھی کوئی دولت مند مسلمان حج کو نہ جائے تو اس کی بدبختی میں کیا شبہ ہے۔

# کم ہنسنا اور زیادہ رونا

۱۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمہیں بھی معلوم ہو جائے تو تم روتے زیادہ اور کم ہنستے۔''

**شرح الحديث**:......

## جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اگر تم بھی جان لو:

اس بارے میں کئی ایک اقوال ہیں جن کا مفہوم تقریباً یہی ہے کہ ''نبی ﷺ کے اس فرمان کا مطلب ہے اُمورِ آخرت، اس کی سختیاں، جہنم کی ہولناکیاں، گنہگاروں کو عذاب دینا اور موت و قبر کے احوال وغیرہ، ان کی حقیقت کا مجھے ہی علم ہے اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم بہت ہی کم ہنسو۔ (فتح الباری: ۱۱/۵۲۷۔۵۲۸)

ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے دل میں اللہ کی خشیت اور خوف بہت زیادہ تھا، جو کسی اور کے دل میں کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((إِنِّيْ أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ)) ''میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا تقویٰ رکھنے والا ہوں۔'' (فتح الباری ۱۱/ ۵۲۷۔ ۵۲۸)

اس حدیث سے نبی ﷺ کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

---

(**۱۲**) ...... صحيح بخارى، كتاب الايمان والنذور، رقم: ٦٦٣٧، حدثنا ابراهيم بن موسىٰ، اخبرنا هشام۔هو ابن يوسف۔ عن معمر عن همام عن ابى هريرة قال: قال أبوالقاسم صلى الله عليه وسلم......۔ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم: ٩٦١۔ مسند أحمد: ٣٤/١٦، رقم: ١٠/٨١٠٩۔ شرح السنة: ٣٦٨/١٤، رقم: ٤١٧٠۔ سنن ترمذى، رقم: ٢٣١٣۔ سنن ابن ماجه، رقم: ٤١٩١۔ سنن دارمى، رقم: ٢٧٣٥۔ مؤطا، كتاب الصلاة، حديث رقم: ١.

## تم زیادہ روتے اور کم ہنستے:

یہ بات نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو ڈرانے کے لیے ارشاد فرمائی، تاکہ وہ تھوڑی بہت وقتی طور پر بھی غفلت کا شکار نہ ہوں، اور اللہ کا خوف ہمیشہ ہمیشہ ان کے دلوں میں رہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''جو شخص یہ جانتا ہے کہ موت نے آنا ہے، قیامت قائم ہونی ہے، اور اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر حساب و کتاب دینا ہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا میں (زندگی کا) طویل حصہ رنج و غم میں گزارے۔'' (فتح الباری: ۱۱/ ۳۱۹۔ ۳۲۰)

رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کے مفسر اعظم ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر ہے:

﴿ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝٨٢ ﴾ (التوبة: ۸۲)

''پس وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں، اس سبب سے جو انہوں نے کمایا ہے۔''

ابن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی زندگی بہت قلیل ہے، یہ اس میں جس قدر چاہیں ہنس لیں جب دنیا ختم ہو جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچیں گے تو انہیں اس قدر رونا پڑے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۳۵، طبع دارالسلام۔ تفسیر ابن ابی حاتم: ۶/۱۸۵۵)

بقول شاعر ؏

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

# چہرے پر مارنے کی ممانعت

۱۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((إِذَا قَاتَلَ اَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ . ))

**ترجمة الحديث**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو مارے تو چہرے (پر مارنے) سے اجتناب کرے۔''

**توضیح** :...... یہ حدیث ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم والے صحیفے کے دونوں نسخوں میں نہیں ہے، جب کہ مسند أحمد میں صحیفے کی احادیث میں یہ حدیث شامل ہے۔ اس کے علاوہ مصنف عبدالرزاق، شرح السنۃ، صحیح بخاری اور مسلم سمیت سات کتب میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث موجود ہے۔

**شرح الحدیث** :...... بعض روایات میں ((قَاتَلَ)) کے بجائے ((ضَرَبَ)) آیا ہے۔ جیسا کہ مسند أحمد کی حدیث میں ہے: ((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ ..................)) (مسند أحمد، رقم: ۷۳۲۳) اسی طرح بعض روایات میں ((فَلْيَجْتَنِبْ)) کی بجائے ((فَلْيَتَّقِ)) (پس وہ بچائے) کا لفظ آیا ہے۔ جیسا کہ سنن ابو داؤد میں ہے: ((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْه . )) (سنن أبو داؤد' كتاب الحدود، رقم: ٤٤٩٣)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے چہرے پر کوئی بھی چیز مارنا منع ہے، حتی کہ اپنے غلام کو بھی منہ پر مارنا جائز نہیں، اسی لیے اس حدیث پر امام بخاری نے باب باندھا ہے: ((بَابُ إِذَا ضَرَبَ الْعَبْدُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ)) ''باب اگر کوئی غلام لونڈی کو مارے تو چہرے پر نہ مارے۔''

بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت میں یہ لفظ آئے ہیں: ((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ . )) (الأدب الفرد، رقم: ١٧٤ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ٨٦٢)
''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے تو چہرے سے اجتناب کرے۔''

آپس میں لڑائی ہو جائے، غصہ اور جذبات کتنے ہی مشتعل کیوں نہ ہوں، مسلمان کے منہ پر ہتھیار چھوڑ کر تھپڑ

(۱۳) ...... صحیح بخاری، کتاب العتق، رقم: ٢٥٥٩، حدثنی عبدالله بن محمد، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر، عن همام عن ابی هریرة رضی الله عنه......ـ صحیح مسلم، رقم: ٦٦٥١،٦٦٥٦ـ شرح السنة: ٢٦٥/١٠ـ مسند أحمد، رقم: ٨٣٣٩ـ مسند حمیدی، رقم: ١١٢١ـ مسند أبی یعلی، رقم: ٦٢٧٤ـ صحیح ابن حبان، رقم: ٥٦٠٥ـ الشریعة، للآجری، ص: ٣١٤ـ السنن الکبریٰ، للبیهقی: ٣٢٧/٨ـ سنن ابو داؤد، رقم: ٤٤٩٣.

بھی نہ مارے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلَا يَلْطِمَنَّ الْوَجْهَ .)) (صحيح مسلم، رقم: ٦٦٥٤)

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو منہ پر تھپڑ نہ مارے۔''

قاضی حدود وتعزیرات میں بھی اس بات کا خیال رکھے گا۔ چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب ان مواقع (مرادلڑتے ہوئے) پر چہرے پر مارنے سے بچنا واجب ہے، تو پھر تعزیر، تادیب اور حدود میں تو بطریق اولیٰ بچنا واجب ہے۔''

امام اَبوداوٗد، ابوبکرۃ سے حدیث بیان کرتے ہیں، جس میں اس عورت کا قصہ ہے، جس نے زنا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں رجم کا حکم سناتے ہوئے فرمایا: ((إِرْمُوْا وَاتَّقُوْا الْوَجْهَ .))

(سنن ابو داؤد، كتاب الحدود، رقم: ٤٤٤٤)

''اس کو رجم کرو اور چہرہ (پر مارنے) سے بچنا۔''

جس عورت کا مرنا متعین تھا، اس کے بارے میں چہرہ پر مارنے سے منع کر دیا گیا۔ جو لوگ زندہ ہیں یا ان کی اس سے کم سزا ہے تو ان کے بارے میں تو بطریق اولیٰ منع کا حکم ہے۔'' (عمدة القارى: ١٤/١١)

جمہور فقہاء کا کہنا ہے کہ جب کوئی آقا اپنے غلام یا شوہر اپنی بیوی کو مارے تو بھی اسے اس کے چہرے پر نہیں مارنا چاہیے۔

چہرے پر مارنے کی حرمت کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ چہرہ انسانی حسن و جمال کا مظہر ہے، اور آدمی کے اکثر حواس، مثلاً دیکھنا، سننا، چکھنا اور سونگھنا چہرے میں ہی پائے جاتے ہیں۔ چہرے پر مارنے کی صورت میں ان تمام حواس کا یا ان میں سے کسی ایک کا ختم ہو جانا یا خراب ہو جانا عین ممکن ہے، اور شکل بگڑنے کا بھی اندیشہ ہے، کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اتنی زیادتی کسی صورت بھی جائز قرار نہیں دی جا سکتی۔ ویسے چہرے پر مارنا ادب اور اخلاق کے بھی سراسر خلاف ہے۔ اگر تادیباً یا تعزیراً مارنا ہی ہو تو جسم کے دیگر اعضاء موجود ہیں۔

یاد رہے کہ کفار کے چہروں پر مارنا درست ہے، کیونکہ کفار اپنے کفر کی وجہ سے شرف انسانی سے محروم ہیں، ان کی کوئی تکریم نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (الأعراف: ١٧٩)

''یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ۔''

عزت وتکریم صرف مومن کے لیے ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (المنافقون: ٨)

''اور عزت صرف اللہ کے لیے اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا:

﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؀﴾ (الأنفال: ١٢)

''پس تم ان کی گردنوں پر مارو، اور ان کے ہر ہر جوڑ پر مارو۔''

مذکورہ آیت کے الفاظ ''ہر ہر جوڑ'' سے ان کے چہروں پر بھی مارنے کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ ''ہر ہر جوڑ'' میں چہرہ بھی شامل ہے۔

مزید برآں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: غزوہ حنین میں جب کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ اپنے خچر سے نیچے اُترے، پھر آپ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی پکڑی اور اسے ان کے چہروں کی طرف پھینک کر فرمایا: ((شَاهَتِ الْوُجُوْهُ)) ''چہرے بگڑ جائیں۔''

تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی آنکھوں کو مٹی سے بھر دیا، وہ پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے اور اللہ نے انہیں شکست دے دی۔ (صحيح مسلم، رقم: ٤٦١٩)

مذکورہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہروں کو نشانہ بنایا، اور ان کے چہروں کے بگڑنے کے لیے خاص بددعا فرمائی۔ اور کسی سے بدلہ لینے (انتقام وقصاص) کے لیے بھی اس کے چہرہ پر مارنا جائز ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرہ: ١٤٩)

''پس جو تم پر زیادتی کرے، تم اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے تم پر زیادتی کی۔''

اور اس پر مستزاد، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ﴾ (المائدہ: ٤٥)

اور ہم نے اس تورات میں ان کے لیے حکم جاری کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت ہے اور زخموں میں بھی بدلہ ہے۔''

پس یہ چند ایسی صورتیں ہیں کہ چہرے پر مارا جا سکتا ہے، وگرنہ نہیں، واالله اعلم بالصواب!

# دوزخ کی آگ شدت میں دنیاوی آگ سے ۷۰ گنا زیادہ ہے

۱۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((نَارُكُمْ هٰذِهِ ، مَا يُوْقِدُ بَنُوْ اٰدَمَ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ۔ قَالُوْا : وَاللّٰهِ! اِنْ كَانَتْ لَكَافِيَتَنَا ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ : فَاِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّ سِتِّيْنَ جُزْءًا ، كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا . ))

**ترجمة الحديث**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری یہ آگ جو بنی آدم جلاتے ہیں (حرارت میں) جہنم کی آگ کے ستر (۷۰) حصوں میں سے ایک حصہ ہے، لوگ نے کہا: اللہ کی قسم یا رسول اللہ! ہم (گنہگاروں کے عذاب کے لیے تو) یہ (ہماری دنیا کی) آگ بھی بہت تھی۔ آپ نے (جواباً) فرمایا: جہنم کی آگ اس (دنیا کی آگ) سے انہتر (۶۹) درجے زیادہ ہے، اوران میں سے ہر ہر درجہ حرارت میں اسی کے مثل ہے۔''

**شرح الحديث**:......(جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ۔)

حدیث کے اس جزء کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی ساری آگ حرارت اور تیزی میں جہنم کے ستر (۷۰) حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ (ارشاد الساری: ۵/ ۲۸۹)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ''مسند احمد کی روایت میں ((مِنْ مِائَةِ جُزْءٍ)) کے لفظ ہیں۔ یعنی دنیا کی آگ جھنم کے سو (۱۰۰) حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔''

ان دونوں روایات میں بظاہر تو تعارض نظر آتا ہے، کیونکہ ایک روایت میں ستر کے لفظ ہیں، جبکہ دوسری میں سو کے۔ تو ان احادیث اور ان جیسی دوسری احادیث، جن میں کچھ اور تعداد منقول ہے، تطبیق اس طرح ہے کہ یہاں دوزخ کی آگ کی حرارت کی شدت بیان کرنا مقصود ہے، نہ کہ کوئی خاص تعداد۔'' (فتح الباری: ٦/ ٣٣٤)

---

(١٤) ...... صحيح مسلم، كتاب الجنة، وصفة نعيمها وأهلها، باب جهنم أعاذنا الله منها، رقم: ٧١٦٦- حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن همام بن منبه، عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم، بمثل حديث ابى الزناد غير أنه قال: كلهن مثل حرها- صحيح بخارى، رقم: ٣٢٦٥- مصنف عبدالرزاق: ٤٢٣/١١، رقم: ٢٠٨٩٧- مسند أحمد : ٣٥/١٦، رقم: ١٢/٨١١١- مؤطا، كتاب جهنم (١) باب ما جاء في صفة جهنم، ص: ٦١٤(٥٧). لیکن یہاں پر بخاری اور مؤطا کی روایت میں تھوڑا اختلاف ہے۔

اور عرب اپنے کلام میں کثرت کے بیان کے لیے ستر کا عدد بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ﴾ (التوبہ: ۸۰)

''آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کیجیے یا نہ کیجیے (برابر ہے) اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں گے، تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی ہے کہ منافقین اللہ کی مغفرت کے اہل نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ چاہے ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ اور ستر کے عدد سے مقصود مبالغہ ہے، یہ نہیں کہ اگر نبی ﷺ ستر سے زائد بار مغفرت طلب کریں گے تو اللہ منافقوں کو معاف کر دے گا۔ بعینہ یہاں مذکورہ حدیث میں بھی جہنم کی آگ کی شدت حرارت اور سختی کی بیان کرنا مقصود ہے۔

امام غزالی کا کہنا ہے: کہ دنیا کی آگ اور جہنم کی آگ کا کوئی مقابلہ نہیں ہے (لیکن اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ) جب دنیا میں سخت ترین عذاب اسی دنیا کی آگ کا ہے تو پھر جہنم کی آگ کا عذاب کیسا ہوگا جو کہ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ ہے؟ (ارشاد الساری: ۵/ ۲۸۹)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ نَـارَكُمْ هٰذِهِ جُـزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءً ا مِـنْ حَـرِّ جَهَـنَّمَ ، وَلَوْ لَا أَنَّهَا أُطْفِئَتْ بِـالْـمَـاءِ مَرَّتَيْنِ مَا انْتَفَعْتُمْ بِهَا .)) (سنن ابن ماجه، باب صفة النار، رقم: ۴۳۱۸۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے)

''یقیناً تمہاری دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے (یعنی دوزخ کی آگ حرارت میں ستر (۷۰) درجہ یہاں کی آگ سے زیادہ ہے) اور اگر وہ دوبارہ پانی سے بجھائی نہ جاتی تو تم اس سے فائدہ نہ لے سکتے۔''

قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ (التوبة: ۸۱)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس دنیا کی آگ) سے کہیں زیادہ گرم ہے۔''

## جہنم کی ہولناکیاں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرمایا:

﴿كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾﴾ (المعارج: ١٥۔١٦)

''ایسا ہرگز نہیں وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے، کھال ادھیڑ لینے والی۔''

مزید ارشاد فرمایا:

﴿يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾﴾ (الحج: ١٩۔٢٢)

''ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، اس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (وتکلیف کی وجہ) سے دوزخ میں سے نکل جائیں تو پھر اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا کہ) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔''

اور سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب اسے ہوگا جسے جہنم کی آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح کھولتا ہوگا جس طرح ہنڈیا کھولتی ہے، اس کے باوجود وہ یہ سمجھے گا کہ دوزخیوں میں سے کسی کو اس سے زیادہ عذاب نہیں ہے حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔''

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، رقم: ٦٥٦١۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ٣٦٤، ٢١٣)

((اِنْ كَانَتْ لَكَافِيَتَنَا)) کا مطلب ہے کفار اور گنہگاروں کے عذاب کے لیے تو دنیا کی یہی آگ کافی تھی۔

((فَـاِنَّهَـا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّ سِتِّيْنَ جُزْءً ا)) ''پس یقیناً جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر (۶۹) درجے زیادہ ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آگ سے عذاب دینا مخلوق کے عذاب سے ممتاز ہوگا۔

**تتمہ**:......اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ جہنم بن چکی ہے، اس لیے اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے ((بَـابُ صِفَةِ النَّارِ وَأَنَّهَا مَخْلُوْقَةٌ)) ''دوزخ کا بیان اور یہ بیان کہ دوزخ بن چکی ہے، وہ موجود ہے۔'' میں ذکر کیا ہے، جب کہ معتزلہ اور قدریہ اس کی نفی کرتے ہیں۔ گویا امام بخاری نے یہ باب خاص کر معتزلہ اور قدریہ کی تردید کے لیے قائم کیا ہے، پس صحیح بخاری جہاں، حدیث، فقہ اور اصول کی کتاب ہے، وہاں یہ عقیدہ کی بھی کتاب ہے جو کہ باطل فرقوں کا ٹھیک ٹھیک طریقہ سے رد بیان کرتی ہے۔

# اللہ عزوجل کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے

۱۵......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ ، كَتَبَ فِي كِتَابٍ ، عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ : اِنَّ رَحْمَتِيْ غَلَبَتْ غَضَبِيْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں، جو اس کے پاس عرش پر موجود ہے، اس نے لکھا کہ ''بے شک میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے۔''

**شرح الحديث:**......اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا ذکر ہے۔ حدیث کے اس جملہ پر غور فرمائیں: ((إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي)) ''یقیناً میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے۔''

علامہ طیبی فرماتے ہیں: ''رحمت کے غالب ہونے میں اشارہ ہے کہ رحمت کے مستحقین بھی تعداد کے لحاظ سے غضب کے مستحقین پر غالب رہیں گے، رحمت ایسے لوگوں پر بھی ہوگی جن سے نیکیوں کا صدور ہی نہیں ہوا۔ برخلاف اس کے غضب کے کہ وہ ان ہی لوگوں پر ہوگا جن سے گناہوں کا صدور ثابت ہوگا۔''

(فتح الباری: ۲۹۲/۶۔ عمدة القاری: ۲۵۸/۱۲۔ ارشاد الساری: ۲۵۱/۵)

رب کریم کی رحمت بہت وسیع ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ١٥٦﴾ (الاعراف: ۱۵۶)

''میری رحمت نے ہر چیز کو اپنے دامن میں لے رکھا ہے، اور اس کے مستحق وہ لوگ ہیں جو تقویٰ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

---

(۱۵)...... صحیح بخاری، کتاب بداء الخق، رقم: ۳۱۹۴ و کتاب التوحید، رقم: ۷۴۰۴، ۷۴۵۳، ۷۵۵۳، ۷۵۵٤۔ صحیح مسلم، رقم: ٦٩٦٩، ٦٩٧٠، ٦٩٧١۔ مسند أحمد: ٣٥/١٦، رقم: ١٣/٨١١٢، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم......۔ شرح السنة: ٣٧٥/١٤۔ سنن الترمذى، رقم: ٣٥٤٣۔ سنن ابن ماجه، رقم: ٤٢٩٥۔ مسند حميدى، رقم: ١١٢٦۔ التوحيد لابن خزيمة، ص: ٧۔ صحيح ابن حبان، رقم: ٦١٤٥۔ الأسماء والصفات للبيهقى : ٨/٢۔ تحفة الاشراف : ٢٥٠/١٠، رقم: ١٤١٣٩.

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ (الاعراف : ٥٦)

''یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہوا کرتی ہے۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی لائے گئے۔ پس قیدیوں میں سے ایک عورت اپنا دودھ پیتا بچہ تلاش کر رہی تھی، جب اسے بچہ مل گیا تو اس نے اسے پکڑا، اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا اور اسے دودھ پلایا۔ پس ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہارے خیال میں یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! وہ اسے کبھی نہیں پھینکے گی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے زیادہ رحمت کے ساتھ پیش آتا ہے بنسبت اس عورت کے اپنے بچے کے ساتھ رحمت سے پیش آنے کے۔ (صحيح مسلم، كتاب التوبة، رقم: ٦٩٧٨)

اس حدیث سے مخلوق کی ابتداء بتلانا بھی مقصود ہے، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ اس کو ((بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ، وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ)) میں لائے ہیں۔ یعنی ''اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ روم میں) جو فرمان ہے اس کی تفسیر کہ اللہ ہی ہے جس نے مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا، اور وہی پھر دوبارہ (موت کے بعد) زندہ کرے گا اور یہ (دوبارہ زندہ کرنا) تو اس پر اور بھی آسان ہے۔''

# روزے کی فضیلت

۱۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ ، فَاِنْ كَانَ اَحَدُكُمْ يَوْمًا صَائِمًا فَلَا يَجْهَلْ ، وَلَا يَرْفُثْ ، فَاِنْ امْرُءٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْيَقُلْ : اِنِّىْ صَائِمٌ ، اِنِّىْ صَائِمٌ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''روزہ ڈھال ہے، پس اگر تم میں سے کوئی شخص کسی دن روزہ دار ہو، نہ تو وہ جہالت سے پیش آئے اور نہ ہی فحش کلامی کرے۔ پس اگر کوئی شخص اس سے لڑائی کرے یا اسے گالی دے تو اس (روزہ دار) کو چاہیے کہ (جواباً) کہے: میں روزہ دار ہوں، میں روزہ دار ہوں۔''

**شرح الحديث:**......

روزہ ڈھال ہے:

یعنی گناہوں سے بچانے والا ہے کہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے، اور جسم میں کمزوری واقع ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے انسان گناہوں سے دور رہتا ہے۔ روزہ آگ سے بچاتا ہے، کیونکہ روزہ خواہشات نفسانی سے روکتا ہے اور آگ ان سے ڈراتی ہے، لہٰذا آدمی جہنم سے بچ جاتا ہے، اس معنی پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں ((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ . )) ''روزہ آگ سے ڈھال ہے۔'' (سنن ترمذی، رقم: ٦٧٤۔ صحيح ابوداود، رقم: ٢٠٤٦۔ التعليق الرغيب: ٢/٥٧۔ ٥٨)

یاد رہے کہ دونوں معنی مراد لینے میں کوئی حرج نہیں دونوں معانی لازم وملزوم ہیں، کیونکہ دنیا میں جب آدمی نفسانی خواہشات اور معاصی سے رُک جائے گا تو یہ چیز اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا سبب بنے گی، اور وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

---

**(١٦)** ...... صحيح بخاری، كتاب الصوم، رقم: ١٨٩٤،١٩٠٤۔ صحيح مسلم، كتاب الصيام، رقم: ٢٧٠٥،٢٧٠٦۔ سنن ترمذی، رقم: ٧٦٤۔ مصنف عبدالرزاق، رقم: ٨٤٤٣۔ شرح السنة: ٦/٢٢٥، ٢٢٦۔ مؤطا امام مالك : (١٨) كتاب الصيام (٢٢) باب جامع الصيام: ١/٣١٠۔ مسند احمد: ١٦/٣٦، رقم: ١٤/١٨١٣، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم......۔ مشكوٰة، رقم: ١٩٥٩.

## پس جب تم میں سے کوئی شخص کسی دن روزہ دار ہو تو وہ جہالت کی باتیں نہ کرے:

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدیث کے ان الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بغیر روزہ کے یہ کام مباح اور جائز ہے، بلکہ حدیث کے الفاظ سے روزہ دار کو تاکیداً منع کیا گیا ہے جب کہ دوسروں کے لیے بھی منع ہے۔''

(فتح الباری: ٤/ ١٠٤)

## فحش کلامی وغیرہ کی ممانعت:

((وَلَا يَــرْفَـثْ))...... ''رفث'' کا معنی فحش کلامی اور جماع، بلکہ جماع کے مقدمات بھی مراد ہیں۔ لہٰذا اسے کسی معنی کے لیے مخصوص نہیں کرنا ہوگا بلکہ عموم پر محمول ہوگا۔

((فَـإِنِ امْـرُءٌ قَاتَلَهٗ، اَوْ شَاتَمَهٗ)) ''پس اگر کوئی شخص اس (روزہ دار) سے لڑے یا اسے گالی دے۔'' اس میں لعن وطعن اور بُرا بھلا کہنا تمام چیزیں شامل ہیں۔

اور ((قَاتَلَ، شَاتَمَ)) مفاعلہ کے صیغے ہیں، اور مفاعلہ کا ایک خاصہ مشارکت بھی ہے لیکن یہاں مشارکت والا معنی مراد نہیں ہے بلکہ یک طرفہ معنی لیا جائے گا کہ سامنے والا لڑائی کرے یا گالی دے۔ اور اگر یہاں شارکت والا معنی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سامنے والا لڑے یا گالی دے، اور یہ روزہ دار بھی ان کاموں کا ارادہ کر لے اور پھر اپنے نفس سے کہے کہ ((اِنِّیْ صَائِمٌ)) ''یقیناً میں روزہ دار ہوں۔''

((فَـلْيَـقُـلْ: اِنِّـیْ صَائِمٌ، اِنِّیْ صَائِمٌ)) ''پس اس شخص کو چاہیے کہ وہ کہے، بے شک میں روزہ دار ہوں، بے شک میں روزہ دار ہوں۔''

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ الفاظ دو معانی کے متحمل ہیں: (۱) روزہ دار یہ الفاظ (بآواز بلند) سامنے والے کو کہے تاکہ جھگڑا کرنے والا جھگڑے سے رُک جائے۔ (۲) یا یہ الفاظ وہ (بآواز پست) اپنے آپ سے کہے اور اس کا یہ کہنا اسے جھگڑا کرنے سے مانع ہوگا اور جھگڑا کر کے وہ اپنا اجر وثواب ضائع کرنے سے بھی بچ جائے گا۔'' (شرح السنة: ٦/ ٢٢٦ ملخصًا)

علامہ عینی نے اس کی ہم معنی بات کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کلام کو دونوں معانی پر محمول کرنا ضروری ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے شیخ زین الدین فرماتے ہیں: یہ کلام تین معانی کی متحمل ہے، دو مذکورہ معانی اور تیسرا یہ کہ اگر روزہ فرض ہو تو آدمی یہ الفاظ زبان سے (بآواز بلند) ادا کرے تاکہ جھگڑا کرنے والا سن لے اور جھگڑے سے رُک جائے۔ اور اگر روزہ نفلی ہو تو یہ کلمات (بآواز پست) اپنے نفس میں کہے تاکہ خود جھگڑے سے رُک جائے۔ (عمدة القاری: ٩/ ٨)

یقیناً میں روزہ دار ہوں:

یہ الفاظ حدیث میں مؤکد دو مرتبہ وارد ہیں۔ محض منع میں مزید شدت پیدا کرنے کے لیے، اور گویا کہ ایک مرتبہ وہ جھگڑا کرنے والے کو ڈانٹ پلا رہا ہے جس نے روزے کی حرمت کو پامال کیا اور گالی دے کر اپنا اجر وثواب کم کرنے میں واقع ہوا۔ اور دوسری مرتبہ ((إِنِّیْ صَائِمٌ)) کہہ کر وہ اپنے آپ کو یاد دلا رہا ہے، تاکہ وہ جھگڑا نہ کرے اور اپنا اجر وثواب کم نہ کرے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ اپنی مخفی عبادات کو ظاہر کر سکتا ہے بشرطیکہ فخر وریا نہ ہو۔ بلکہ اس سے ترغیب مراد ہو یا کوئی اور مصلحت۔

# روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے

۱۷......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ ، يَذَرُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ مِنْ جَرَّايَ ، فَالصِّيَامُ لِيْ ، وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری محمد (ﷺ) کی جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) بندہ اپنی شہوات، اپنا کھانا اور اپنا پینا میرے لیے چھوڑتا ہے، پس روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔''

**شرح الحديث:**......

**قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے:**

حدیث بیان کرنے سے پہلے رسول کریم ﷺ نے قسم اٹھائی ہے اور قسم تاکید کے لیے یا کسی بھی چیز کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے اُٹھائی جاتی ہے۔ لیکن یہاں روزہ کی اہمیت کو مزید اجاگر کرنے کے لیے قسم اٹھا کر روزہ کی فضیلت کو بیان فرمایا۔

**روزہ دار کے منہ سے آنے والی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ اور اچھی ہے:**

((خُلُوْف)) کافی دیر تک نہ کھانے پینے کی وجہ سے منہ سے جو بو آتی ہے، اسے ''خلوف'' کہتے ہیں۔ روزہ دار کے منہ سے آنے والی بو اللہ کے نزدیک مشک (کستوری) کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا معنی یہ ہے: یعنی روزہ دار کے منہ کی بو قبولیت کے لیے عند اللہ اس طرح جلدی پہنچتی ہے جس طرح بہت جلدی تمہارے پاس مشک کی خوشبو پہنچتی ہے، بلکہ اس سے تمہارے پاس پہنچنے سے بھی پہلے۔ بعض نے کہا کہ یہ کلام مجاز ہے کیونکہ عادتاً خوشبو انسان کے جلدی قریب جاتی ہے اور وہ اسے جلدی محسوس کر

(۱۷) ...... صحيح بخاری، كتاب الصوم، رقم: ۱۸۹٤، ۱۹۰٤ـ صحيح مسلم، كتاب الصيام، رقم: ۲۷۰۳، ۲۷۰٤، ۲۷۰٦، ۲۷۰۷، ۲۷۰۸ـ سنن ترمذی، رقم: ۷٦٤ـ مسند احمد: ۳۷/۱٦، رقم: ۱۵/۸۱۱٤، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمرعن همام بن منبه، قال: هذا حدثنا به ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم......ـ شرح السنة: ۲۲۵/٦، ۲۲٦ـ مؤطا امام مالك (۱۸) كتاب الصيام(۲۲) باب جامع الصيام: ۳۱۰/۱ـ مشكوٰة، رقم: ۱۹۵۹.

لیتا ہے، اسی طرح روزہ بھی بڑی جلدی اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل ہر روزہ دار کو روزِ قیامت ایسا اجر دیں گے جس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہو گی۔ اور یہ ممکن ہے جیسا کہ شہید آئے گا اور اس کے زخموں سے مشک کی خوشبو پھوٹ رہی ہوگی۔

عزالدین بن عبدالسلام یہ معاملہ آخرت میں ہوگا۔ جیسا کہ شہید کے خون کے بارے میں بھی آتا ہے، اور ان کا استدلال صحیح مسلم، مسند احمد اور سنن نسائی کی ایک روایت سے ہے، جس کے الفاظ ہیں: ((أَطْيَبُ عِندَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) کہ ''وہ بو اللہ کے نزدیک قیامت کے دن اچھی اور پاکیزہ ہوگی۔''

جب کہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور ان کا استدلال ابن حبان کی روایت کے ان الفاظ سے ہے: ((فَمِ الصَّائِمِ حِيْنَ يَخْلِفُ مِنَ الطَّعَامِ)) ''روزہ دار کے منہ کی بو جب وہ کھاتا (پیتا) نہیں ہے، اور کھانے پینے کا تعلق تو دنیا سے ہی ہے۔ بہرحال دونوں معانی ہی مراد لیے جا سکتے ہیں۔''

(عمدة القاری: ۹/۹۔ ارشاد الساری: ۳/۳٤٦)

## بندہ اپنی شہوات، اپنا کھانا اور اپنا پینا میری وجہ سے چھوڑتا ہے:

روزہ ایک ایسا عمل ہے جس میں ریا اور نمود و نمائش کو دخل نہیں ہوتا۔ آدمی خالص اللہ تعالیٰ ہی کے ڈر سے اپنی تمام خواہش چھوڑ دیتا ہے۔ اس وجہ سے روزہ خاص اس کی عبادت ہے اور اس کا ثواب بہت ہی بڑا ہے بشرطیکہ روزہ حقیقی روزہ ہو۔ یاد رہے اتنا جزء حدیث قدسی کے باب سے ہے۔

## پس روزہ میرے لیے ہے:

علماء کا کہنا ہے کہ یہ روزہ کے ثواب کی کثرت کے بیان کے لیے ہے۔ روزہ ایسا فعل نہیں جو کہ بنی آدم کی زبان وغیرہ سے سرزد ہو اور کراماً کاتبین اسے لکھ لیں۔ بلکہ یہ تو کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے رکنے اور دل کے ارادے کا نام ہے، اسی لیے اس کا اجر زیادہ ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ((اَلصِّيَامُ لِيْ)) کا کیا معنی ہے؟ فرمایا کہ روزہ اصل میں صبر ہے، انسان کھانے، پینے اور جائز طریقہ سے حاجت پوری کرنے سے بھی رُک جاتا ہے اور صبر کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔ پھر آپ نے قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝۱۰﴾ (الزمر: ۱۰)

''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔'' (شرح السنة: ٦/۳۳٥)

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ ((اَلصِّيَامُ لِيْ)) ''روزہ میرے لیے ہے یا میرا ہے۔'' کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

۱۔ دوسری عبادات میں اطاعت غالب ہوتی ہے اور روزہ میں محبت غالب ہے۔ روزہ دار میں محبت کی علامات

جمع ہو جاتی ہیں اور محبان کی چھ نشانیاں ہیں:

| | |
|---|---|
| ۱۔ٹھنڈی آہ بھرنا۔ | ۲۔رنگ کا پیلا ہونا۔ |
| ۳۔آنکھوں کا تر ہونا۔ | ۴۔کم کھانا۔ |
| ۵۔ کم بولنا۔ | ۶۔کم سونا۔ |

تو یہ چھ کی چھ نشانیاں ایک روزے دار میں پائی جاتی ہیں۔ اطاعت شعار بندے کا بدلہ ثواب ہے لیکن محبّ کا بدلہ محبوب کی ملاقات ہے۔

۲۔ دیگر عبادات میں ریا ممکن ہے کیونکہ ان کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی اور ان میں کچھ کرنا ہوتا ہے مگر روزے میں ریا نہیں ہوسکتی کہ نہ اس کی کوئی صورت اور نہ اس میں کچھ کرنا ہوتا ہے۔ تو جو انسان ظاہر و باطن اور اندر، باہر کچھ نہ کھائے، پیئے تو وہ یقیناً مخلص ہے کیونکہ ریا کار انسان گھر میں اور چوری چھپے کھا پی کر بھی روزہ ظاہر کر سکتا ہے۔

۳۔ کل قیامت میں دوسری عبادتیں اہل حقوق چھین سکتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کے اس کے ذمہ کچھ حقوق ہوں۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے مگر روزہ کسی بھی حق والے کو نہ دیا جائے گا۔ رب تعالیٰ فرمائے گا کہ روزہ تو میرا ہے۔ یہ کسی کو نہیں ملے گا۔

۴۔ کفار و مشرکین دوسری عبادتیں بتوں کے لیے کر لیتے۔ مثلاً قربانی، سجدہ، حج اور خیرات وغیرہ مگر کوئی کافر بت کے لیے روزہ نہیں رکھتا۔ (مرقاة شرح مشکوة۔ اشعة اللمعات شرح مشکوة ملخصا)

اور بعض نے اسے ((وَأَنَا أُجْزَى بِهِ)) ''اور میں خود ہی اس کی جزا ہوں'' پڑھا ہے۔ اس قرأت پر یہ صیغہ واحد مذکر فعل مضارع مجہول بنتا ہے۔

علماء کہتے ہیں جب روزہ اللہ کے لیے ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں خود ہی اس کی جزا ہوں، یعنی قیامت کے دن روزہ داروں کو میرا دیدار اور خوشنودی نصیب ہوگی۔ واللہ اعلم!

## آخرت میں دیدارِ الٰہی:

یہ لوگ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾﴾ (القیامة: ۲۲۔۲۳)

''اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''

یعنی وہ اپنے رب تعالیٰ کا یقینی طور پر دیدار کر رہے ہوں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((اِنَّكُمْ سَتَرُوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا)) (صحيح بخارى، كتاب التوحيد، رقم: ٧٤٣٥)

''بے شک تم عنقریب اپنے رب تعالیٰ کو کھلم کھلا سامنے دیدار کرو گے۔''

صحیح مسلم میں سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَيَتَجلّٰى لَهُمْ يَضْحَكُ)) (صحيح مسلم، كتاب الايمان، رقم: ١٩١)

''اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے ہنستے ہوئے جلوہ افروز ہوگا۔''

# ایک نبی کا چیونٹیوں کا جلانا

۱۸......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((نَزَلَ نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ تَحْتَ شَجَرَةٍ ، فَلَدَغَتْهُ نَمْلَةٌ ، فَاَمَرَ بِجِهَازِهٖ فَاُخْرِجَ مِنْ تَحْتِهَا ، فَاَمَرَ بِهَا فَاُحْرِقَتْ فِي النَّارِ ، فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ: فَهَلاَّ نَمْلَةً وَّاحِدَةً؟))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انبیاء میں سے ایک نبی ایک درخت کے سائے میں اُترے، وہاں انہیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا، تو انہوں نے حکم دیا، چنانچہ ان کا سارا سامان درخت کے نیچے سے اُٹھا لیا گیا، پھر چیونٹیوں کو آگ لگوا کر جلا ڈالا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تم کو تو ایک ہی چیونٹی نے کاٹا تھا، فقط اسی کو جلانا تھا۔''

**شرح الحديث** :...... ''فتح الباری'' میں ہے کہ یہ پیغمبر ایک بستی پر سے گزرے جس کو اللہ تعالیٰ نے بالکل تباہ کر دیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا: پروردگار! اس بستی میں تو قصور بے قصور ہر طرح کے لوگ، لڑکے، بچے اور جانور سب ہی تھے۔ تو نے سب کو ہلاک کر دیا۔ پھر ایک درخت کے سائے میں اترے، وہاں انہیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا، انہوں نے غصہ ہو کر چیونٹیوں کا سارا بل جلا دیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے معروضہ کا جواب ادا کیا کہ تو نے کیوں باقی بے قصور چیونٹیوں کو بھی ہلاک کر دیا؟

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی:
((أَنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ أَحْرَقْتَ أُمَّةً مِنَ الْأُمَمِ تُسَبِّحُ اللّٰهَ . ))
''تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا تھا لیکن تم نے ایک ایسی خلقت کو جلا کر راکھ کر دیا جو اللہ کی تسبیح بیان کرتی تھی۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، رقم: ۳۰۱۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ بوقت ضرورت چیونٹیوں کو مارنا درست ہے، جیسے اس پیغمبر نے کیا۔

---

(**۱۸**) ...... صحيح مسلم، كتاب السلام، رقم: ۵۸۵۱، حدثنا محمد بن رافع: قال حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر أحاديث منها قال......۔ صحيح بخارى، كتاب الجهاد والسير، رقم: ۳۱۹ وكتاب بدء الخلق، رقم: ۳۳۱۹۔ شرح السنة: ۱۹۷/۱۲، ۱۹۸، رقم: ۳۲۶۸، مسند أحمد: ۳۹/۱۶، ۴۰، رقم: ۱۶/۸۱۱۵.

لیکن یاد رہے کہ یہ عذاب آگ سے نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ کی مخلوق کو آگ سے عذاب دینے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

یاد رہے کہ بلا وجہ چیونٹی کو مارنا ممنوع ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانداروں کو مارنے سے منع فرمایا ہے: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہد ہد اور لٹورا۔ (سنن ابوداود، باب فی قتل الذر، رقم: ٥٢٦٧ـ سنن ابن ماجة، رقم: ٣٢٢٤ـ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔)

## ان جانداروں کے قتل کی ممانعت کی حکمت:

- چیونٹی کو مارنے سے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لیے منع فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (صحیح بخاری، رقم: ٣٠١٩)
- حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ چونکہ ہد ہد نے صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے روکا اسی لیے اس کا قتل ممنوع ہے۔ (بحواله تيسير الرحمن : ١٠٧٥/٢)
- شہد کی مکھی قدرت الٰہی کا نمونہ ہے اور نیز شہد قابل شفا ہے۔ شاید اسی وجہ سے اسے مارنے سے منع کیا گیا ہے۔
- لٹورا، ممولا کو کہتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جس کا سر بڑا، پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے۔ چھوٹے پرندوں اور حشرات وغیرہ کا شکار کرتا ہے۔
- ابن ماجہ از محمد فواد عبدالباقی بحوالہ المنجد ابن اثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ بڑے سر اور بڑی چونچ والا ایک پرندہ ہے۔ اس کے پر آدھے سفید اور آدھے سیاہ ہوتے ہیں۔ (النهاية، ماده صرد)
- مولانا عطاء اللہ ساجد رقم طراز ہیں: ''قتل نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کو خوراک کے طور پر استعمال کرنا منع ہے۔ واللہ اعلم (سنن ابن ماجه : ٤٦٠/٤، مطبوعه دار السلام۔ إرواء الغليل: ١٤٣/٨)

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام نے جانوروں کے بھی حقوق بتلائے ہیں، لہٰذا ان کو بلا وجہ مارنا درست نہیں، البتہ موذی جانور، جیسے سانپ اور بچھو وغیرہ کو ہر حال میں مار دینا چاہیے۔

# رسول کریم ﷺ کا شوق جہاد فی سبیل اللہ

۱۹......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ! لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، وَلٰكِنْ لَا اَجِدُ سَعَةً فَأَحْمِلَهُمْ ، وَلَا يَجِدُوْنَ سَعَةً فَيَتَّبِعُوْنِىْ ، وَلَا تَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَّقْعُدُوْا بَعْدِىْ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے مومنوں پر دشواری کا احتمال نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والی کسی جماعت سے پیچھے نہ بیٹھتا۔ لیکن خود میرے پاس اتنی وسعت نہیں کہ میں ان سب کو سوار کر کے اپنے ساتھ لے چلوں، اور انہیں بھی اتنی سواریاں میسر نہیں کہ وہ ان پر سوار ہو کر میرے ساتھ چلیں، اور نہ وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ میرے (جانے کے بعد) وہ پیچھے بیٹھے رہیں۔''

**شرح الحديث**:...... ''اس حدیث میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور نبی ﷺ کا اپنی امت کے لیے مشفق ہونا بھی واضح ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مسلمانوں کے دلوں میں اس سے رنج نہ ہوتا کہ میں ان کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکل جاؤں، اور مجھے خود اتنی سواریاں میسر نہیں ہیں کہ ان سب کو سوار کر کے اپنے ساتھ لے چلوں، تو میں کسی چھوٹے سے چھوٹے ایسے لشکر کے ساتھ جانے سے بھی نہ رُکتا جو اللہ کے راستے میں غزوہ کے لیے جا رہا ہوتا۔

اس حدیث کی بعض روایات میں کچھ الفاظ زیادہ آئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَلَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِيْ مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ ، وَلَوَدِدْتُ أَنِّىْ أُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، ثُمَّ أُحْيَا ، ثُمّ أُقْتَلْ ، ثُمَّ أُحْيَا ، ثُمَّ أُقْتَلْ . ))

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم: ٣٦)

---

(**۱۹**)...... صحیح مسلم، کتاب الامارة، رقم: ٤٨٦٣، حدثنا محمد بن رافع: قال حدثنا عبدالرزاق: قال حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ......۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم: ٣٦، کتاب الجهاد والسير، رقم: ٢٩٧٢، ٢٧٩٧۔ مصنف عبدالرزاق: ٢٥٣/٥، رقم: ٩٥٢٩۔ مسند احمد: ٣٨/١٦، رقم: ١٧/٨١١٦.

''اور اگر میں اس کام کو اپنی اُمت پر دشوار نہ سمجھتا تو لشکر کا ساتھ نہ چھوڑتا، اور میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں۔''

اس حدیث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الایمان" میں ایمان کی نشانیاں ذکر کرتے ہوئے باب قائم کیا ہے ((بَابُ الْجِهَادِ مِنَ الْإِيْمَانِ)) ''باب جہاد بھی ایمان کا جزو ہے۔'' اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں جس کا مطلب ہے کہ جہاد ایمان میں داخل ہے، چاہے جہاد مع النفس ہو یا جہاد بالکفار۔ نیز اس باب سے پہلے ((بَابُ قِيَام لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيمَانِ)) ''باب، شب قدر کی بیداری بھی ایمان سے ہے۔'' ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد ((بَاب تَطُوْع قِيَام رمضان من الإيمان)) لائے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس فعل سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر جہاد رمضان المبارک میں واقع ہو تو اور زیادہ ثواب ہے۔ پھر اگر شہادت فی سبیل اللہ بھی نصیب ہو جائے تو نُوْرٌ عَلَى نُوْرٍ ہے۔

مجاہد فی سبیل اللہ صرف وہی ہے جس کا خروج خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہو، ایسے مجاہد کو اگر شہادت کا درجہ مل گیا تو وہ سیدھا جنت میں داخل ہوا، حوروں کی گود میں پہنچا اور حساب و کتاب سب سے مستثنیٰ ہو گیا، وہ جنت کے پھل کھائے گا اور معلق قندیلوں میں بسیرا کرے گا، اور اگر وہ سلامتی کے ساتھ گھر واپس آ گیا تو وہ پورے پورے ثواب کے ساتھ اور ممکن ہے کہ مالِ غنیمت کے ساتھ بھی واپس ہوا ہو۔

شرح میں مذکور حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی شہادت کی تمنا فرمائی۔ جس سے آپ نے اُمت کو مرتبہ شہادت بتلانا چاہا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شہادت کی آرزو کرنا اس نیت سے کہ اس سے شجرِ اسلام کی آبیاری ہو گی اور آخرت میں بلند درجات حاصل ہوں گے، یہ جائز بلکہ سنت ہے، اور ضروری ہے۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں جہاد کو قیامت تک جاری رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ ہاں! طریقہ کار حالات کے تحت بدلتا رہے گا۔ مسلمانوں نے جب سے جہاد و قتال کا رستہ چھوڑا ہے اسی وقت سے وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہو گئے ہیں، آج امت مسلمہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں، شیطانی طاقتیں اسلام کی عمارت کو منہدم کرنے کی بھر پور کوشش کر رہی ہیں، طاغوتی قوتیں ہر طرف سے مسلمانوں کا گھیرا تنگ کر رہی ہیں، شعائر اسلام کی اس قدر توہین کی جا رہی ہے کہ اللہ کی پناہ، اسلامی اقدار کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، غرض ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں کو دبایا اور پسپا کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں اُمت مسلمہ کو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لیے جہاد و قتال کی راہ اپنانی ہو گی، لیکن طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور منہج سلف صالحین کے عین مطابق ہو۔

# ہر نبی کے لیے ایک دعائے مستجاب

**۲۰**......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ تُسْتَجَابُ لَهٗ۔ فَأُرِيْدُ ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، اَنْ أُؤَخِّرَ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِّأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو ایک دعا حاصل ہوتی ہے جو قبول کی جاتی ہے۔ پس ان شاء اللہ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دعا کو قیامت تک اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے ملتوی اور مؤخر رکھوں۔''

**شرح الحديث**:...... ''ابن بطال اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((وفي هذا الحديث بيان فضيلة نبينا عليه السلام على سائر الأنبياء عليهم السلام حين آثر أمته بما خصه الله به من اجابة الدعوة با لشفاعة لهم ، ولم يجعل ذلك في خاصة نفسه وأهل بيته . ))

(شرح صحیح بخاری، لابن بطال: ۷۵/۱۰)

''اس حدیث میں نبی ﷺ کی فضیلت بیان ہوئی ہے جو آپ کو تمام رسولوں پر حاصل ہے کہ آپ نے اس مخصوص دعا کے لیے ساری اُمت کی خاطر اپنے نفس اور اپنے اہل بیت کے لیے ایثار فرمایا۔''

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وفي هذه الحديث بيان كمال شفقة النبى صلى الله عليه وسلم على أمته ورأفته لهم وأعتنائه بالنظر فى مصالحهم المهمة فأخر صلى الله عليه وسلم دعوته لأمته إلى أهم أوقات حاجاتهم ...... ففيه دلالة لمذهب أهل الحق أن كل من مات غير مشرك بالله تعالىٰ لم يخلد في النار وان كان مصرا على

(**۲۰**)...... صحیح بخاری، کتاب الدعوات، رقم: ۶۳۰۴،۶۳۰۵ و کتاب التوحید، ۷۴۷۴۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۸۔ سنن ترمذی، رقم: ۳۶۰۲۔ مسند أحمد: ۳۹/۱۶، رقم: ۱۸/۸۱۱۷، حدثنا عبدالرزاق بن همام: حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به ابوهريرة عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم......۔ تفسیر عبدالرزاق، ص: ۱۵۰۔ شرح السنة: ۵/۵، رقم: ۱۲۳۵.

الکبائر .)) (شرح صحیح مسلم، للنووی: ٦٣/٣)

''اس حدیث میں آپ ﷺ کی طرف سے اُمت پر کمال شفقت کا اظہار ہے کہ آپ ﷺ نے یہ مقبول دعا اُمت کی شفاعت کے لیے قیامت کی مشکل گھڑیوں تک ملتوی کر رکھی ہے......اس میں ان پر بھی دلیل ہے کہ اہل سنت میں سے جو شخص خالص توحید پر مرا اور اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا، وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، اگرچہ وہ کبائر پر اصرار کرتا ہوا مر جائے۔''

## کسی بھی کام پر انشاء اللہ کہنا:

حدیث میں مذکور کلمہ ((إِنْ شَآءَ اللّٰهُ)) ''اگر اللہ نے چاہا۔'' اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا:

﴿وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝٢٣ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾

(الکهف: ٢٣، ٢٤)

''اور آپ کسی کام کے متعلق ہرگز نہ کہیں کہ میں اسے کل کروں گا، ہاں، یوں کہیے کہ ''ان شاء اللہ'' اگر اللہ چاہے گا (تو کروں گا)۔''

# اللہ سے ملاقات کی چاہت

۲۱......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

((مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَائَہٗ ، وَمَنْ لَّمْ یُحِبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ لَمْ یُحِبَّ اللّٰہُ لِقَائَہٗ . ))

**ترجمة الحديث**: ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کے ملنے کو دوست رکھتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنے کو دوست رکھتا ہے، اور جو اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔''

**شرح الحديث** :...... مذکورہ حدیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ آدمی شدت موت کو ناپسند نہ کرے، بلکہ ہر بندہ ہی شدت موت سے ڈرتا ہے اور اسے ناپسند سمجھتا ہے حتی کہ بعض انبیاء کے متعلق بھی آیا ہے کہ جب موت کا فرشتہ آیا تو انہوں نے موت کو ناپسند سمجھا۔ لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دنیا کو ترجیح نہ دے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا مسکن نہ سمجھے۔ فرمانِ باری تعالیٰ سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا﴾ (یونس : ۷)

''یقیناً وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی سے راضی ہو گئے، اور اسی کے ساتھ مطمئن ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ﴾ (البقرہ: ۹۶)

''اور اے پیغمبر! ضرور بہ ضرور آپ انہیں پائیں گے زندگی کا سب سے زیادہ حریص۔''

معلوم ہوا کہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرنے کا مطب یہ ہے کہ آدمی دنیا کی زندگی پر ہی شاداں وفرحاں رہے، اور آخرت پر یقین نہ رکھے اور اللہ کی نشانیوں میں غور وفکر نہ کرے۔

---

(۲۱)...... صحیح بخاری، کتاب الرقاق، رقم: ٦٥٠٧، ٦٥٠٨ و کتاب التوحید، رقم: ٧٥٠٤۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، رقم: ٦٨٢٢، ٦٨٢٤، ٦٨٢٦، ٦٨٢٨۔ مسند أحمد: ٣٩/١٦، رقم: ١٩/٨١١٨، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به ابو هريرة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم......۔ سنن نسائی، رقم: ١٨٣٤۔ سنن ابن ماجة، رقم: ٤٢٦٤.

اس حدیث کی ایک اور تفسیر بھی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ سے ملنے کو دوست رکھتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنے کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔'' تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یا آنحضرت ﷺ کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ مرنا تو ہم بھی پسند نہیں کرتے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ملنے سے موت مراد نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ ایمان دار آدمی کو جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کی رضا اور اس کے یہاں اس کی عزت کی خوش خبری دی جاتی ہے۔ اس وقت مومن کو کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں ہوتی جو اس کے آگے (اللہ سے ملاقات اور اس کی رضا اور جنت کے حصول کے لیے) ہوتی ہے، اس لیے وہ اللہ سے ملاقات کا خواہش مند ہو جاتا ہے، اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے، اس وقت کوئی چیز اس کے دل میں اس سے زیادہ ناگوار نہیں ہوتی جو اس کے آگے ہوتی ہے، وہ اللہ سے جا ملنے کو ناپسند کرنے لگتا ہے، پس اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔'' (صحيح بخاری، كتاب الرقاق، رقم: ٦٥٠٧)

لہٰذا خوش بختی یہ ہے کہ موت کے وقت اللہ کی ملاقات کا شوق غالب ہو اور ترک دنیا کا غم نہ ہو۔ اللہ ہر مسلمان کو اس کیفیت کے ساتھ موت نصیب کرے۔ آمین!

اور جو شخص اللہ عزوجل سے ملاقات کا شوق رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ شریعت محمدیہ کے مطابق عمل کا اہتمام کرے اور کسی بھی حال میں اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝١١٠﴾ (الكهف: ١١٠)

''تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ کے نزدیک عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ شریعت محمدیہ کے مطابق ہو، اور دوسری یہ کہ اس سے مقصود صرف اللہ کی خوشنودی ہو، نام ونمود، ریاکاری یا کوئی اور دنیاوی غرض مقصود نہ ہو۔'' (تفسير ابن كثير، تحت الآية)

کلمہ طیبہ اس وقت پڑھنے کا بھی مقصد یہی ہے مومن کو موت کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے اس کا انجام راحت ابدی ہے۔

## اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے محبت کرنا بھی ثابت ہے، لہٰذا یہاں سے معطلّہ اور موؤلہ کے مذہب کی تردید ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے صفت محبت کو ثابت ہی نہیں کرتے یا پھر اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ محبت کا معنی خیر و بھلائی کا ارادہ ہے۔

یاد رہے کہ واقعتاً محبت کا نتیجہ خیر و بھلائی ہے، لیکن اللہ کے لیے صفت محبت ثابت ہے۔ كما يليق بجلاله و شانه .

# نبی کریم ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے

۲۲......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((مَـنْ اَطَـاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ، وَمَنْ يَّعْصِنِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهُ ، وَمَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ ، وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ . ))

**تـرجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور جس نے (میرے مقرر کیے ہوئے) امیر کی اطاعت کی گویا اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

**شرح الحديث:**......

## جس شخص نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی:

یقیناً رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق ہے: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهُ﴾ (النساء: ۸۰) ''جس شخص نے رسول کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اسی طرح معصیت کے متعلق بھی......آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَمَنْ يَعْصِنِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ)) ''اور جس نے میری نافرمانی کی، درحقیقت اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اہمیت بیان کی گئی ہے، لہٰذا کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کر کے اللہ کا فرماں بردار نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی کر کے اللہ کی بندگی ہو سکتی ہے۔

((وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيْرَ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ ، وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِيْ . ))

''اور جس شخص نے امیر کی اطاعت کی درحقیقت اس نے میری اطاعت کی، اور جس شخص نے امیر کی نافرمانی کی درحقیقت اس نے میری نافرمانی کی۔''

---

(**۲۲**)...... صحيح مسلم، كتاب الامارة، رقم: ٤٧٥٢، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر، عن همام بن منبه، عن ابی هريرة، عن النبی صلی اللہ عليه وسلم......۔ صحيح بخاری، كتاب الجهاد، رقم: ٢٩٥٧ و كتاب الاحكام، رقم: ٧١٣٧۔ مسند أحمد: ٣٩/١٦، ٤٠، رقم: ٨١١٩/٢٠۔ شرح السنة: ٤١/١٠، رقم: ٢٤٥١.

حدیث کے اس جزء میں امیر کی اطاعت کی اہمیت بیان کی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے امیر کی اطاعت کو واضح کرتے ہوئے، سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ امیر کی اطاعت کرو اگر چہ وہ غلام، حبشی اور ناک کٹا ہی کیوں نہ ہو۔(صحیح مسلم، کتاب الامارة، رقم: ٤٧٥٥)

لیکن اگر امیر کا حکم قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ کر قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہوگا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹﴾ (النساء: ٥٩)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رعایا کو، چاہے وہ فوج کے افراد ہوں، یا عام لوگ، انہیں اپنی، اپنے رسول اور مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے، الا یہ کہ حکام اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں، تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی؟ اس لیے شرعی قانون ہے کہ: ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) (ارشاد الساری: ١٠/٢١٦) ''جہاں خالق کی نافرمانی ہو رہی ہو، وہاں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اہم مہم پر بطورِ امیر کے روانہ کیا تھا۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: ٤٥٨٤)

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دستہ بھیجا اور اس پر انصار کے ایک شخص کو امیر بنایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی اطاعت کریں، پھر امیر ماتحت لوگوں پر غصہ ہوئے اور کہا کہ آنحضرت ﷺ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ضرور دیا ہے، اس پر انہوں نے کہا: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرو، اور اس سے آگ جلاؤ اور اس میں کود پڑو۔ لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی، جب کودنا چاہا تو لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کی فرماں برداری آگ سے بچنے کے لیے کی تھی، کیا پھر ہم اس میں خود ہی داخل ہو جائیں۔ اس دوران میں آگ ٹھنڈی ہوگئی اور امیر کا غصہ بھی جاتا رہا۔ پھر آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس میں کود

پڑتے تو پھر اس میں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ اطاعت صرف اچھی باتوں میں ہے۔

(صحيح بخاری، كتاب الاحكام، رقم: ٧١٤٥)

مزید برآں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح، کتاب الجہاد والسیر، اور ''کتاب الأحکام'' میں باب قائم کیا ہے: ((بَـابُ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ مَالَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً)) ''باب، امام اور بادشاہ اسلام کی بات سننا اور ماننا واجب ہے جب تک وہ خلاف شرع اور گناہ کی بات کا حکم نہ دے۔''

اور اس کے تحت رسول اللہ ﷺ کی حدیث لائے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلسَّـمْـعُ وَالـطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَم يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَبِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمعَ وَلَا طَاعَةَ.)) (صحيح بخاری، رقم: ٧١٤٤،٢٩٥٥)

''مسلمان کے لیے امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ ان چیزوں میں بھی جنہیں وہ پسند کرے اور ان میں بھی جنہیں وہ ناپسند کرے، جب تک اسے معصیت اور نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ پھر جب اسے معصیت کا حکم دیا تو نہ سننا باقی رہتا ہے، نہ اطاعت کرنا۔''

# قیامت کی نشانیاں

۲۳......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيْكُمُ الْمَالُ ، فَيَفِيْضَ ، حَتّٰى يُهِمَّ رَبَّ الْمَالِ مَنْ يَتَقَبَّلُ مِنْهُ صَدَقَتَهٗ۔ قَالَ : وَيُقْبَضَ الْعِلْمُ ، وَ يَقْتَرِبَ الزَّمَانُ ، وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ ، وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ . قَالُوْا: اَلْهَرْجُ ، مَاهُوَ ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : اَلْقَتْلُ ، اَلْقَتْلُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم میں مال کی کثرت نہ ہو جائے، پس وہ بہہ پڑے گا، یہاں تک کہ مالدار کو اس بات کی فکر ہوگی کہ میری زکوٰۃ مجھ سے کون قبول کرے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: اور علم اُٹھالیا جائے گا، اور زمانہ (قیامت سے) قریب ہو جائے گا، اور فتنے ظاہر ہوں گے اور ہرج کثرت سے ہوگا، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ((ہرج)) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قتل و غارت، قتل و غارت۔''

**شرح الحدیث:**...... ''مذکور حدیث میں قیامت کی چند نشانیوں کا بیان ہے:

## مال کی کثرت:

مال کی کثرت ہو جائے گی، پس وہ بہہ پڑے گا، یہاں تک کہ مال دار کو اس بات کی فکر ہوگی کہ میری زکوٰۃ مجھ سے کون قبول کرے گا۔ وہ تلاش کرے گا لیکن اس صدقہ وزکوٰۃ لینے والا محتاج نہ ملے گا۔

## علم اٹھالیا جائے گا:

ایسا نہیں ہوگا کہ لوگوں کے سینوں سے علم کو کھینچ لیا جائے یا کتابیں ختم ہو جائیں، بلکہ علم کے اُٹھائے جانے سے مراد علماء کا اُٹھ جانا اور ان کا فوت ہو جانا ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ النَّاسِ ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعَلْمَ بِقَبْضِ

---

(**۲۳**)...... صحیح بخاری، کتاب الزکاة، رقم: ۱٤۱۲ و کتاب الفتن، رقم: ۷۰٦۱۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، رقم: ۲۳۳۹، ۲۳٤۰۔ مسند أحمد: ٤۰/۱٦، رقم: ۸۱۲۰/۲۱،۲۲، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريره عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم......۔ شرح السنة: ۳۸/۱٥، ۳۹.

الْعُلَمَاء ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا ، فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْ . )) ((صحيح مسلم: كتاب العلم، رقم: ٦٧٩٦)

''اللہ تعالیٰ لوگوں سے چھین کر علم کو قبض نہیں کرتا، بلکہ علماء کو فوت کر کے علم کو اُٹھاتا ہے، حتی کہ (قرب قیامت) کوئی بھی عالم نہیں بچے گا، یہاں تک کہ لوگ جہلاء کو اپنا علماء سمجھیں گے، جو بغیر علم کے فتوے دیں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

## زمانہ قریب ہو جائے گا:

یعنی لوگ عیش وعشرت اور غفلت میں پڑ جائیں گے، ان کا ایک سال گزرے گا جیسے ایک ماہ، ایک ماہ ایسے جیسے ایک ہفتہ، ایک ہفتہ ایسے جیسے ایک دن۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ وقت جلدی جلدی گزرنے لگے۔ سال مہینے کی طرح، مہینہ ہفتے کی طرح، ہفتہ دن کی طرح، دن ساعت (گھنٹہ) کی طرح اور ایک ساعت کھجور کی شاخ کے خشک پتوں کے جلنے (کے وقت) کی طرح گزر جائے گا۔''

(الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان، كتاب التاريخ: ٩/٢٩٧، رقم: ٦٨٠٣)

یا یہ مراد کہ دن رات برابر ہو جائیں گے یا دن رات چھوٹے ہو جائیں گے، گویا یہ بھی قیامت کی ایک نشانی ہے، یا شر اور فساد نزدیک آجائے گا کہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا، یا دولت اور حکومتیں جلد جلد بدلنے اور مٹنے لگیں گی۔ یا عمریں چھوٹی ہو جائیں گی، یا زمانہ سے برکت جاتی رہے گی، جو کام اگلے لوگ ایک ماہ میں کرتے تھے وہ ایک سال میں بھی پورا نہ ہوگا۔

## فتنے ظاہر ہوں گے:

فتنے سے مراد یہاں ہر ایک آزمائش ہے، دینی ہو یا دنیاوی۔ لغت میں فتنہ کے معنی سونے کو آگ میں تپانے کے ہیں تا کہ اس کا کھرا یا کھوٹا پن معلوم ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾﴾ (التغابن: ١٥)

''بلاشبہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہے، اور اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔''

ابن جریر نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد اپنی بیویوں، بچوں اور ماں باپ کو چھوڑ کر نبی کریم ﷺ کے پاس چلے جاتے، تو ان کے خاندان والے اللہ کا واسطہ دے کر انہیں سب کو چھوڑ کر چلے جانے سے منع کرتے، جس سے بعض لوگ متاثر ہو کر ہجرت کرنے سے رک جاتے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ (تفسير طبری: ٢٨/ ١٥٩)

لیکن تفسیر کے عام قاعدہ کے مطابق آیت کا حکم عام ہے، اور اس کے ذریعہ تمام ہی مومنوں کو اس بات سے ڈرایا گیا ہے کہ انہیں اپنے بال بچوں کی محبت اور ان کی خواہش کی پیروی میں اللہ کی اطاعت و بندگی اور ہجرت وجہاد سے نہیں رکنا چاہیے۔

## بیوی بچوں کے فتنے سے بچنے کی تلقین:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (المنافقون : ٩)

''اے ایمان والو! تمہارے مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَٱحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا۟ وَتَصْفَحُوا۟ وَتَغْفِرُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ ﴾ (التغابن : ١٤)

''اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں لہٰذا تم ان سے محتاط رہو، اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔''

امام مجاہد اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بیوی بچے انسان کو بسا اوقات قطع رحمی یا اپنے رب کی نافرمانی پر آمادہ کر دیتے ہیں اور محبت کے باوجود انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کر سکتا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۰/۳۳۵۸.

کبھی فتنہ عذاب کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ذُوقُوا۟ فِتْنَتَكُمْ﴾ ''اس آیت کریمہ میں فتنے سے مراد گناہ ہے، جس کی سزا عام ہوتی ہے مثلاً بری بات دیکھ کر خاموش رہنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سستی، پھوٹ، نا اتفاقی، بدعت کا پھیلنا اور جہاد میں سستی وغیرہ۔

امام احمد اور بزار نے مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے نکالا ہے۔ میں نے جنگ جمل کے دن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا، تم ہی لوگوں نے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نہ بچایا، وہ شہید کر دیئے گئے اور اب تم ان کے خون کا دعویٰ کرنے آئے ہو۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ آیت پڑھی:

﴿ وَٱتَّقُوا۟ فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ مِنكُمْ خَآصَّةً ۖ ﴾ (الأنفال : ٢٥)

''ڈرو اس فتنہ سے جو ظالموں پر خاص نہیں رہتا (بلکہ ظالم و غیر ظالم) عام خاص سب اس میں پس جاتے ہیں۔''

اور یہ گمان نہ تھا کہ ہم خود بھی اس فتنے میں مبتلا ہوں گے، یہاں تک کہ یہ واقع رونما ہو گیا۔ (مسند بزار، رقم: ۹۷۶۔ مسند احمد: ۱/ ۱۶۵، رقم: ۱٤۱٤۔ شیخ شعیب نے اسے ''صحیح الاسناد'' قرار دیا ہے۔)

## قتل کی کثرت ہوگی:

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے! یہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک لوگوں پر یہ دن نہیں آ جاتا کہ قاتل کو پتہ نہ ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا ہے؟ اور مقتول کو بھی پتہ نہ ہو کہ اسے کیوں قتل کیا گیا ہے؟''

(صحیح مسلم، کتاب الفتن، رقم: ۲۹۰۸/٥٦)

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ وہ حدیث جانتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرج کے دنوں وغیرہ کے متعلق بیان کی۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ: ((مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ اَحْيَاءٌ)) ''وہ بد بخت ترین لوگوں میں سے ہوں گے جن کی زندگی میں قیامت قائم ہوگی۔'' (صحیح بخاری، کتاب الفتن، رقم: ۷۰٦۷)

## استدلالات محدثین:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف سے درج ذیل مسائل استنباط کیے ہیں:

(۱) مفتی کا اپنے ہاتھ اور سر ہلا کر، ارشارہ کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا۔ ''کتاب العلم'' باب (۲٤)

(۲) زلزلوں اور علامات قیامت کا بیان۔ ''کتاب الاستسقاء'' باب (۲۷)

(۳) اس زمانے سے پہلے صدقہ کہ جب اس کا لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ ''کتاب الزکاۃ'' باب (۹) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب (۱۸)

(۴) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بیان۔ ''کتاب المناقب'' باب (۲٥)

(۵) قیامت قائم ہونے کی آخری علامت یہ ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو، اور جب یہ علامت ظاہر ہو جائے گی تو کسی کا ایمان لے آنا اسے نفع نہ دے گا۔ ''کتاب التفسیر'' باب (۹)

(٦) ایک حکومت دوسری حکومت پر چڑھے گی، لڑائیوں کا میدان گرم ہوگا اور لوگ دنیاوی دھندوں میں پھنس کر قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنا چھوڑ دیں گے، ہر شخص کو دولت جوڑنے کا خیال ہوگا اور بس۔ ''کتاب الادب'' باب (۳۹)

(۷) دل کی نرمی کے لیے اس حدیث کو "کتاب الرقاق" باب (٤٠) میں لائے ہیں۔

(۸) قیام قیامت سے قبل دو مسلمان گروہوں کا قتال کرنا "کتاب استتابة المرتدين" رقم الحديث:(٦٩٣٥)

(۹) فتنوں کا ظہور ضروری ہے۔ "کتاب الفتن" باب (٥)

(۱۰) حتیٰ کہ قیامت سے قبل لوگوں کا قبر والوں پر رشک کرنا، اور عرب میں بت پرستی شروع ہو جانا۔ "كتاب الفتن" باب (٢٢ و٢٣)

# قیامت کی نشانی، دو بڑی جماعتوں کی جنگ

۲۴......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيْمَتَانِ ، يَكُوْنُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيْمَةٌ ، وَ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب دو بڑی جماعتیں آپس میں جنگ نہ کرلیں، دونوں میں بڑی بھاری جنگ ہوگی، حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔''

**شرح الحديث:**...... مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں درج ذیل باتیں یاد رکھیں کہ: ((تَقُوْمُ السَّاعَةُ)) قیامت قائم ہوگی اس میں کوئی شک نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ۝۱۵﴾ (طٰهٰ: ۱۵)
''بے شک قیامت آنے والی ہے، میں اسے ظاہر کرنے والا ہوں، تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے۔''

اور اس سے پہلے ((تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيْمَتَانِ)) ''دو بڑی جماعتیں لڑائی کریں گی۔'' اکثر اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ پیشین گوئی آپ ﷺ نے اس لڑائی کی فرمائی، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی۔ ان کی دلیل یہ ہے: ((دَعْوَاهُمَا وَاحِدٌ)) ''دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا'' دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک ہی تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور حق پر لڑتے ہیں۔ اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کے متعلق فرمایا کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، جنہوں نے ہم پر بغاوت کی، وہ کافر یا فاسق نہیں ہیں۔
علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان گروہوں کے متعلق گفتگو کرنا محل نظر ہے، احسن یہ ہے کہ ان کے متعلق

---

(**۲٤**)...... صحيح بخاری، کتاب المناقب، رقم: ۳٦۰۹، حدثنا عبدالله بن محمد : حدثنا عبدالرزاق : أخبرنا معمر عن همام، عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم......۔ صحيح مسلم، کتاب الفتن، رقم: ۷۲٥٦، حدثنا محمد بن رافع : حدثنا عبدالرزاق : حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال هذا ما حدثنا أبو هريرة عن رسول الله صلی الله عليه وسلم فذكر أحاديث منها : وقال رسول الله صلی الله عليه وسلم ......۔ مسند أحمد : ٤١/١٦، رقم: ۸۱۲۱/۳۔ شرح السنة: ۳۸/۱٥، رقم: ٤۲٤۲.

خاموشی اختیار کی جائے۔'' اور یہی بات درست ہے۔

تاہم اس حدیث کی اس شرح کو ان دو جماعتوں تک محدود بھی نہیں کرنا چاہیے، اس سے زیادہ جنگوں کے واقعات بھی مراد لیے جا سکتے ہیں، جو بعد کے زمانے سے آج تک ہوئے یا ایسی عظیم جنگیں بھی مراد لی جا سکتی ہیں جو آئندہ ہو سکتی ہیں، کیونکہ حدیث کے لفظ عموم پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا ان کو محدود نہیں کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

## لڑنے والے مومن ہی رہتے ہیں، ان میں صلح کرا دو:

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر زیادتی کرنے والی جماعتوں میں صلح کرا دینے کا حکم دیا ہے: چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾﴾ (الحجرات : ۹)

''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر (ان) میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے، تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو تم ان دونوں کے درمیان عدل (حق) کے ساتھ صلح کرا دو، اور تم انصاف کرو بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

غور فرمائیں کہ لڑائی کے باوجود ان لڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مومن قرار دیا ہے، اس آیت کریمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کئی محدثین نے استدلال کیا ہے کہ معصیت خواہ کتنی بڑی ہو اس سے انسان دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا، جیسا کہ خوارج اور ان کے اتباع معتزلہ مرتکب معصیت کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب: ''وان طائفتن من المومنین'' قبل حدیث رقم: ۳۱)

صحیح بخاری ہی میں حسن کی ابوبکرہ سے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ کے ساتھ منبر پر حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی تھے، آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف اور پھر فرمایا:

((اِنَّ ابْـنِـیْ هٰـذَا سَيِّـدٌ وَلَـعَـلَّ الـلّٰهَ تَعَالٰى اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) (صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم: ۲۷۰٤)

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرا دے۔''

آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی، طویل جنگوں اور ہولناک واقعات کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل شام اور اہل عراق میں صلح کرا دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ (اس صلح کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم: ۲۷۰٤)

# قیامت سے پہلے تیس جھوٹے نبیوں کا ظہور

۲۵......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :
((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَنْبَعِثَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ قَرِیْبًا مِّنْ ثَلَاثِیْنَ ، کُلُّھُمْ یَزْعُمُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تقریباً تیس جھوٹے دجال نہ نکلیں، ان میں سے ہر ایک کا یہی گمان ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔''

**شـرح الحديث:**...... اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت سے قبل تیس (۳۰) کے قریب جھوٹے دجال نبی پیدا ہوں گے۔ جبکہ ایک حدیث میں ستائیس کذابوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یقیناً اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ وَدَجَّالُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ عِشْرُوْنَ ، مِنْھُمْ اَرْبَعُ نِسْوَةٍ ، وَاِنِّیْ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ . )) (مسند احمد: ۳۹٦/۵، رقم: ۲۳۳۵۸۔ معجم کبیر، للطبرانی، رقم: ۳۰۲٦۔ معجم اوسط، للطبرانی، رقم: ۵٤٤٦۔ شرح مشکل الآثار، للطحاوی، رقم: ۲۹۵۳۔ شیخ شعیب نے اسے ''صحیح کہا ہے۔)

''میری امت میں ستائیس جھوٹے اور دجال نکلیں گے۔ ان میں سے چار عورتیں ہوں گی۔ حالانکہ میں آخری نبوی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اسی طرح ایک حدیث میں ستر کا بھی ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ سَبْعُوْنَ کَذَّابًا)) (مجمع الزوائد، کتاب الفتن: ۷/٤۵٤، رقم: ۱۲٤۹۰۔ فتح الباری: ۷٦/۱۳، ۱۱۵)

''قیامت قائم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ ستر کذاب نہ نکل آئیں۔''

---

(۲۵)...... صحیح بخاری، کتاب المناقب، رقم: ۳٦۰۸، حدثنی عبداللہ بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر عن ہمام عن أبی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم......۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، رقم: ۷۳٤۲۔ مسند أحمد: ٤۲/۱٦، رقم: ۸۱۲۲۔ شرح السنة، باب قتال الترک والیہود: ۳۸/۱۵، رقم: ۲٤٤.

ان احادیث میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ اس عدد کے بیان کرنے سے ان کذابوں کی کثرت خروج کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ ''عدد کی تخصیص زائد کی نفی نہیں کرتی۔''

ان احادیث کے مصداق بہت سے کذاب ودجال اس پاک سرزمین پر ظاہر ہوئے اور اپنی دسیسہ کاریوں سے امت مسلمہ کو گمراہ کرتے رہے۔ تاریخ اسلام میں جھوٹے نبیوں کی ابتداء عہد نبوی ﷺ سے ہی ہوگئی تھی چنانچہ مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں اور اسود عنسی نے یمن میں دعوائے نبوت کیا۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ ثَلَاثُونَ كَذَّاباً مِنهُمْ: مُسَيْلَمَةُ، وَالْعَنْسِيُّ، وَالْمخْتَارُ)) کنزالعمال، رقم: ٣٨٣٧٤۔ فتح الباری: ٦/٧٥٤۔ حافظ ابن حجر نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔)

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تقریباً تیس جھوٹے نہ نکلیں، ان میں سے مسیلمۃ، اُسود عنسی اور مختار ہیں۔''

مزید برآں خلافت صدیقی میں طلیحہ بن خویلد اسدی نے، بنی اسد بن خزیمہ میں اور سجاح تمیمہ نے بنی تمیم میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً بہت سے خبیث، ذلیل اور رذیل قسم کے لوگوں نے اس عظیم جرم کا ارتکاب کیا۔

یاد رہے کہ انہی کذابوں میں سے قادیانیت کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی، ذکریت کا بانی نور محمد اٹکی، بہائیت کا بانی بہاؤ اللہ ایرانی اور گوہر شاہی کوٹری والا بھی ہے، جنھوں نے نبوت ورسالت کا دعویٰ کر کے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر ڈالا۔ اللّٰھم اھد ھم .

ان سب میں سے آخری کانا دجال ہوگا جو نبوت کا دعویٰ کرنے کے کے ساتھ ساتھ خدائی دعویٰ بھی کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَإِنَّهُ وَاللّٰهِ ! لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابًا آخِرُهُمْ الْاَعوَرُ الدَّجَّالُ .)) (مسند احمد: ٥/ ١٦۔ صحیح ابن خزیمه: ١/ ٦٨٢، ٦٨٣، ١٣٩٧۔ مستدرك حاكم: ١/٣٢٩۔ صحیح ابن حبان، رقم: ٢٨٥٢۔ ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔)

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تیس جھوٹے نہ نکل آئیں، ان میں سب سے آخری کانا دجال ہوگا۔''

# قیامت کی ایک نشانی، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

۲۶......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
(( لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا ، فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ ، اٰمَنُوْا اَجْمَعُوْنَ ، وَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا ، لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا . ))

**ترجمة الحديث**: ...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ (پھر اس کے بعد) جب وہ طلوع ہوگا، تو لوگ اسے دیکھتے ہی ایمان لے آئیں گے، مگر یہ ایسا مرحلہ ہوگا جب کسی نفس کے لیے اس کا ایمان قبول کر لینا سودمند نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے نہ تو اس نے ایمان قبول کیا تھا اور نہ ہی اپنے ایمان سے (کسی) اچھائی کو حاصل کیا تھا۔''

**شرح الحديث**: ......

## حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے:

سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اس سے متعلق سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ (یہ) سورج غروب ہونے کے بعد کہاں منتقل ہوتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آفتاب گردش کرتے کرتے عرشِ بریں کے نیچے اپنے مستقر پر پہنچ کر (اللہ کے حضور) سجدہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسی حالت پر رہتا ہے، یہاں تک اسے حکم ہوتا ہے کہ اُٹھ اور لوٹ جا، جہاں سے تو آیا تھا، چنانچہ وہ سر اٹھائے لوٹتا ہے اور اپنے مطلع سے طلوع ہوتا ہے، پھر وہ چل نکلتا ہے اور گردش کرتے کرتے اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر (اللہ کے حضور) سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ پھر اسے حکم ہوتا ہے کہ اُٹھ اور اپنے مطلع سے

---

(۲۶)...... صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قول تعالیٰ ﴿هَلُمَّ شُهَدَاءَ كُمُ﴾ رقم: ٤٦٣٦، حدثنی اسحاق: اخبرنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن همام: عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: ......۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الزمن الذی لا یقبل منه الایمان، رقم: ٣٩٧، حدثنامحمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ......۔ مسند احمد: ٤٢/١٦٨، رقم: ٢٥٨١٢٣.

طلوع ہو، چنانچہ وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے طلوع ہوگا۔(یہ ساری کیفیت بیان کرنے کے بعد آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ سورج اپنے مطلع سے کب طلوع ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جب کسی متنفس کے لیے اس کا ایمان قبول کر لینا سودمند نہ ہوگا۔ کیونکہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے نہ تو وہ ایمان لایا تھا اور نہ ہی اپنے ایمان سے کسی اچھائی کو حاصل کیا تھا۔''(صحيح مسلم، كتاب الايمان، رقم: ٣٩٩۔ شرح السنة، باب قتال الترك والروم: ١٥/٣٩، رقم: ٤٢٤٤)

اسی طرح ایک دوسری روایت بھی ہے، جس کے راوی سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں، جن کے ظہور کے بعد کسی متنفس کے لیے اس کا ایمان قبول کر لینا نفع بخش ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے نہ تو اس نے ایمان قبول کیا تھا اور نہ ہی اپنے ایمان سے کسی اچھائی کو حاصل کیا تھا۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں:

۱۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

۲۔ دجال کا ظاہر ہونا۔

۳۔ زمین سے جانور کا نکلنا۔

اس طرح مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا، ارشادِ ربانی میں بھی بطورِ علامت قیامت بتایا گیا ہے۔

﴿يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ﴾ (الانعام: ١٥٨)

''جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آپڑیں گی۔ (اس وقت) کسی متنفس کے لیے اس کا ایمان قبول کر لینا سودمند نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ پہلے سے نہ تو ایمان رکھتا تھا اور نہ ہی اپنے ایمان سے کسی اچھائی کو حاصل کیا۔'' (صحيح مسلم، رقم: ٣٩٦)

اسی طرح جو شخص اس علامت کے ظہور سے پہلے فوت ہو جائے، تو اس کے لیے بھی ایک وقت مؤجل ہے، جس کے بعد اس کا ایمان اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ . ))(سنن ترمذى، كتاب الدعوات، رقم: ٣٥٣٧۔ سنن ابن ماجه، رقم: ٤٢٥٣۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔)

''اللہ تعالیٰ (اپنے) بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے، جب تک اس کی روح حلق میں نہ آجائے یعنی ہچکی نہ بندھ جائے۔''

معلوم ہوا کہ یہ مواقع ایسے ہیں جن کے بعد کسی متنفس کا ایمان اور اس کی توبہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔

**جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا، تو سب لوگ اسے دیکھتے ہی ایمان قبول کرلیں گے:**

اس علامت کے ظہور کے بعد لوگ اللہ کی طرف پلٹیں گے، اس سے پہلے ان کو نہ تو ایمان کی فکر ہوگی، اور نہ ہی توبہ کا تصور، مگر اس خلافِ معمول عمل کو دیکھ کر فوری طور پر اللہ کی طرف رجوع کریں گے۔ لیکن اس وقت ان کا ایمان ان کے لیے نفع بخش ثابت نہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اِتمام حجت کے بعد ایمان لانا بے سود ہوگا۔ اس وقت مہلتِ ایمان اختتام کو پہنچ چکی ہوگی اور لوگوں کے مرنے کی گھڑی قریب تر ہوگی۔

# اذان سن کر شیطان بھاگ جاتا ہے

۲۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اِذَا نُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ ، اَدْبَرَ الشَّيْطَانُ ، لَهٗ ضُرَاطٌ ، حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّاذِيْنَ ، فَاِذَا قُضِيَ التَّاذِيْنُ اَقْبَلَ ، حَتّٰى اِذَا ثُوِّبَ بِهَا اَدْبَرَ ، حَتّٰى اِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ اَقْبَلَ ، حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ ، وَيَقُوْلُ لَهٗ : " اُذْكُرْ كَذَا ، اُذْكُرْ كَذَا . " مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ مِنْ قَبْلُ ، حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ اِنْ يَّدْرِيْ كَمْ صَلّٰى . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے (اذان) ہوتی ہے، تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگ نکلتا ہے، جس سے اسے اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جب ندائے صلوٰۃ اختتام کو پہنچ جاتی ہے، تو پھر وہ لوٹ آتا ہے۔ اس کے بعد جب نماز کے لیے تکبیر کہی جاتی ہے، تو پھر وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے اور جب تکبیر اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ تو (وہ) نمازی کے دل میں کھٹکا ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ ''فلاں بات یاد کر، فلاں واقعہ یاد کر'' جو اس سے پہلے اس کو یاد نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ نمازی کو یہ یاد نہیں رہتا، اس نے کتنی (رکعات) نماز پڑھی ہے۔''

**شريح الحديث:**......

## شیطان گوز مارتے ہوئے پشت پھیر کر بھاگ نکلتا ہے:

شیطان پر یہ کیفیت تب قائم ہوتی ہے جب اسے اذان کی آواز پہنچتی ہے، کیونکہ اذان دراصل اللہ کی وحدانیت اور ایمان کی ندا ہے، جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے اذان کی آواز سنتے ہی فریضۂ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور وہاں جا کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں، جس سے شیطان کو مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ خود سجدہ کرنے سے انکاری ہوا تھا۔ اب جبکہ لوگوں کو سجدہ کرنے کے لیے آواز لگائی جاتی ہے، تو اس منظر کو دیکھ کر شیطان سخت تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ

(۲۷) ...... صحيح بخاري، كتاب الأذان، رقم: ٦٠٨ وكتاب العمل في الصلاة، رقم: ١٢٢٣ ۔ صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب فضل الأذان و هرب الشيطان عند سماعه، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ...... سنن نسائي، رقم: ٦٧٠ ۔ صحيح سنن ابو داود، رقم: ٥٢٩ ۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ٥٢.

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي يَقُولُ : يَا وَيْلِي أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ .))

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم: ٢٤٤.)

''جب کوئی آدمی سجدہ والی آیت پڑھ کر سجدہ کرے تو شیطان علیحدہ ہو جاتا ہے اور روتے ہوئے کہتا ہے: افسوس! ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کر لیا۔ اور مجھے بھی سجدے کا حکم ملا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا، میرے لیے جہنم ہے۔''

## یہاں تک کہ جب نماز کے لیے تکبیر کہی جاتی ہے تو......:

متنِ حدیث میں لفظ ''تثویب'' استعمال ہوا ہے۔ جو کئی معانی پر مشتمل ہے۔

۱۔ اذان کے بعد مسجد میں کھڑے ہو کر نماز کی طرف بلانا کہ فریضۂ نماز ادا کرنے آجاؤ، نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

۲۔ اقامت (تکبیر) کو بھی تثویب کہتے ہیں۔

۳۔ اذانِ فجر میں ''اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمْ'' کے کلمات کو بھی تثویب کہتے ہیں۔

تثویب کی پہلی صورت کہ اذان کے بعد مسجد میں دوبارہ لوگوں کو فریضۂ نماز ادا کرنے کے لیے بلایا جائے۔ یہ صورت غیر مشروع ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ '' آپ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مذکورہ کام یعنی تثویب دیکھا۔ تو اپنے شاگرد مجاہد سے فرمایا: مجھے ان اہل بدعت کی مسجد سے واپس لے چلو۔'' (سنن أبو داؤد، باب في التثويب، رقم: ٥٣٨۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔)

البتہ تثویب کی بقیہ دو صورتیں مشروع اور جائز ہیں، کیونکہ یہ دونوں حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔

## تثویب کا اصل معنیٰ:

تثویب کے اصل معنیٰ دوبارہ لوٹنے کے ہیں۔ تینوں صورتوں میں اذان دینے کے بعد دوبارہ ادائیگی نماز کے لیے بلایا جا رہا ہے۔ اور ''اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّومِ'' بھی ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ'' اور ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاح'' کے بعد کہا جاتا ہے۔ ان کلمات اور ان کے بعد ''اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّومِ'' کہہ کر بھی ادائیگی نماز کے لیے بلایا جاتا ہے۔

حدیث الباب میں تثویب سے مراد اقامت ہے۔ اس لیے کہ پوری اذان تک ابلیس کی وہی کیفیت رہتی ہے۔ پھر دوبارہ جب فریضۂ نماز کی ادائیگی کے لیے بلایا جاتا ہے، یعنی اقامت کہی جاتی ہے، تو ابلیس ایک مرتبہ پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلتا ہے۔ (تفصیل ملاحظہ فرمائیں: سنن ترمذی، باب فی التثويب فی الفجر، رقم: ١٩٨)

**دل میں کھٹکا پیدا کرتا اور وسوسے ڈالتا ہے:**

اس جملہ سے مقصود یہ ہے کہ ابلیس شیطان نمازی کے دل میں دورانِ نماز، اس کے خشوع کو ختم کرنے کے لیے کھٹکا مکمل ڈال دیتا ہے۔ اسی وجہ سے بے شمار احادیث میں مکمل توجہ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، تاکہ اللہ کا بندۂ نماز کو ظاہر و باطن دونوں طرح سے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے اذان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، لیکن ابلیس کے لیے یہ اذان ایسی خطرناک چیز ہے، جس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے وہ کوسوں دور بھاگتا ہے۔

(عمدة القاری: ٢٧٣/٤)

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلاةِ ذَهَبَ حَتَّى يَكُونَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ . ))

''یقیناً جب شیطان اذان سنتا ہے، تو اتنا دور بھاگ جاتا ہے جتنا یہاں سے مقام ''روحاء'' ہے۔''

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''مقامِ روحاء'' مدینہ منورہ سے ٣٦ میل (٥٦ کلومیٹر قریباً) کے فاصلے پر ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، رقم: ٨٥٤)

# اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بڑی سخاوت والا ہے

۲۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
(( يَمِيْنُ اللّٰهِ مَلْاٰى ، لَا يَغِيْضُهَا نَفَقَةٌ ، سَحَّاءُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ . اَرَئَيْتُمْ مَا اَنْفَقَ مُنْذُ خَـلَقَ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ؟ فَاِنَّهٗ لَمْ يَنْقُصْ مِمَّا فِيْ يَمِيْنِهٖ۔ قَالَ: وَعَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ ، وَبِيَدِهِ الْاُخْرٰى اَلْقَبْضُ وَالْبَسْطُ ، يَرْفَعُ وَيَخْفِضُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور شب و روز کا مسلسل خرچ کرنا بھی اس میں کمی نہیں کرتا۔ ذرا دیکھو! جب سے اس نے زمین و آسمان کی تخلیق کی ہے اس نے کس قدر خرچ کیا ہے؟ پھر بھی جو اس کے سیدھے ہاتھ میں ہے اس سے کچھ کم نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں (اشیاء کی کمی بیشی) کی قدرت ہے۔ وہی (اشیاء کو) گراں اور ارزاں کرتا ہے۔''

**شرح الحديث:**......

## اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور شب و روز کے مسلسل خرچ کرنے سے بھی اس میں کوئی کمی نہیں آتی:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے طیبی رحمہ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یوں ہے کہ: ان الفاظ اور مترادف خبروں سے ذاتِ باری تعالیٰ کی عظمت و مرتبت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ ذاتِ باری کا شب و روز صَرفِ پیہم کرنا، اس کے دائمی اور غیر فانی سرچشمۂ دولت کی علامت ہے۔ (فتح الباری: ۱۳/ ۳۹۵)

## اس کا عرش پانی پر تھا:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس مقام سے ذکرِ عرش کا تعلق یہ ہے کہ ابتدائے حدیث میں ذکر ہوا۔

(۲۸)...... صحیح بخاری، کتاب التوحید، رقم: ۷۴۱۹، حدثنا علی بن عبدالله: حدثنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن همام: حدثنا ابوهريرة عن النبی ﷺ......۔ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، رقم: ۹۹۳/۳۷، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، بن همام، حدثنا معمر بن راشد عن همام بن منبه اخی وهب بن منبه قال: هذا، حدثنا، ابوهريرة عن النبی ﷺ فذكر احاديث منها وقال قال رسول الله ﷺ......۔ شرح السنة، باب ما يكره من امساك المال، وما يومربه من الانفاق: ۶/ ۱۵۴۔۱۵۵، رقم: : ۱۶۵۶.

"خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَ الْاَرْضَ" (اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق کی) تو کہیں سامع کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا نہ ہو کہ زمین وآسمان کی تخلیق سے قبل کچھ تھا ہی نہیں، بلکہ تخلیق کا ذکر کرنے کے فوراً بعد فرمایا کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے قبل عرش باری تعالیٰ پانی پر تھا۔ جیسا کہ عمران بن حصن رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے "وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ، ثُمَّ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَا لْاَرْضَ" عرش باری تعالیٰ پانی پر تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔" (فتح الباری: ۳۹۵/۱۳)

اس بات کی تصدیق قرآن حکیم میں بھی موجود ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (هود: ۷)

"وہی اللہ ہے، جس نے چھ دن میں زمین وآسمان کی تخلیق کی، اور اس کا عرش پانی پر تھا۔"

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

(( كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلائِقِ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِينَ اَلْفَ سَنَةٍ ، قَالَ:وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ . )) (صحيح مسلم، كتاب القدر، رقم: ٦٧٤٨)

"اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کی تقدیر زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل لکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور (اس وقت) اللہ کا عرش پانی پر تھا۔"

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ زمین وآسمان کی تخلیق سے قبل عرشِ باری تعالیٰ پانی پر قائم تھا، لیکن قرآن وسنت کے بے شمار دلائل سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد سے عرش ساتوں آسمان کے اوپر قائم ہے۔

## اس کے دوسرے ہاتھ میں اشیاء کی گرانی وارزانی کی قدرت ہے:

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مسلسل خرچ کر کے ان پر احسانات کی بارش کرتا رہتا ہے، لیکن بعض اوقات اپنے ہاتھ کو روک لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْسُطُ﴾ (البقرة: ٢٤٥)

"اور اللہ تعالیٰ رزق میں کمی بھی کرتا ہے اور (چاہے تو) فراوانی بھی کرتا ہے۔"

اس کے علاوہ بخاری وغیرہ میں موجود مختلف روایات میں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ترازو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب .

((يَرْفَعُ وَيَخْفِضُ)) "وہی اللہ بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے۔"

یعنی عزت اور ذلت، بلند کرنا اور ذلیل کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قدرت میں ہے۔

## اللہ تعالیٰ کا دوسرا ہاتھ:

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکت کے لیے دو ہاتھوں کے ثبوت کا ذکر قرآن مجید میں بصراحت موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائده : ٢٤)

''بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔''

اور جہاں تک لفظ ''یَـدُ'' کا معنی قدرت کے مترادف کرنا ہے، تو یہ قرآن وسنت کی تعلیم کے متضاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (سورة ص : ٧٥)

''میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا''

اس آیت میں دراصل ''یَدْ'' کا تثنیہ مستعمل ہے، تو یہاں پر اگر یَدْ کا معنی ''قدرت'' کیا جائے، تو مفہوم نکلے گا۔ میں نے اپنی دو قدرتوں سے تخلیق کیا۔ اور یہ مفہومِ آیت کے سراسر منافی ہے۔ اس طرح ارشاد باری: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائده : ٢٤) ''بلکہ ذات باری کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔''

یہاں پر بھی ''یَدْ'' کی تثنیہ مستعمل ہے اور قدرت کے معنی میں استعمال کرنا نامناسب ہے۔

بنابریں اگر ''یَدْ'' کا معنیٰ قدرت لیا جائے، تو فرمانِ الٰہی ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (الزمر : ٦٧) ''پورا کرّہ ارض بروز قیامت اللہ کی مٹھی میں ہوگا''

میں لفظ ''قَبْـضَتُـهُ''، مستعمل ہے، تو اس کا یہاں پر کون سا معنی مراد لیا جائے گا؟ اسی طرح ''صحیح مسلم'' میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( إِنَّ قُلُوْبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ ، كَقَلْبٍ وَاحِدٍ . ))

(صحيح مسلم، كتاب القدر، رقم: ٦٧٥٠)

''بلاشبہ تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک ہی دل کی طرح ثابت ہیں۔''

اس حدیث میں ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے انگلیوں کا ذکر ہوا ہے۔ تو اگر ''یَــــدْ'' کا معنی قدرت ہے، تو پھر انگلیوں کی تاویل کیسے کی جائے گی؟

ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہاتھ، انگلی، اور ہتھیلی تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت کے لیے ثابت ہیں۔ ہم ان چیزوں کو بلا تاویل، تشبیہ، تکییف اور تعطیل کے تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکت کے لیے اسی طرح تسلیم کرتے ہیں، جس طرح اس کی ذات کے شایانِ شان ہے۔

جب ہم تلاوتِ قرآن کرتے ہیں، تو ہمیں ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے لفظِ یَدٌ کا ثبوت مل جاتا ہے، لیکن یہ لفظ کہیں مفرد، کہیں تثنیہ اور کہیں جمع استعمال ہوا ہے:

مفرد کی مثال: ﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾ (ملك : ١)

''بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے۔''

تثنیہ کی مثال: ﴿بَلْ یَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (مائدہ : ٢٤)

''بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔''

جمع کی مثال: ﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴾ (یس : ٧١)

''کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے پیدا کیے، جن کے یہ مالک ہیں۔''

ان تمام صورتوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ جو سب سے پہلے ہے (یَـــدْ) وہ مفرد مضاف ہے، اور وہ جمع کا معنی دے رہا ہے، لہٰذا وہ اس بات کے منافی نہیں کہ اللہ کے لیے دو ہاتھ ثابت نہ ہوں۔

رہی یہ بات کہ اللہ کی ذات کے لیے ''اَیْدِیْنَا'' ''ہمارے ہاتھ'' کا صیغہ جمع استعمال ہوا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جمع تعظیم کے لیے ہے نہ کہ حقیقی جمع مراد ہے، جس کا اطلاق تین یا تین سے زائد پر ہوتا ہے، اور یہ بھی منقول ہے کہ جمع کا اطلاق کم سے کم دو پر بھی ہوتا ہے، تو اس صورت میں اشکال لفظ تثنیہ پر ہو ہی نہیں سکتا۔

لہٰذا قرآن وحدیث سے ذاتِ باری کے لیے دو ہاتھوں کا ثبوت ہے، اور ہم اللہ کے دو ہاتھوں یا کسی اور صفت کو بلا تمثیل وتعطیل (بغیر کوئی مثال بیان کیے اور بغیر اللہ کو صفات سے عاری جانے) اس کی شان کے مطابق تسلیم کرتے ہیں۔

## الرد علی منکر الید الیمنی الاخری:

بعض جہال نے صحیفہ کی اس حدیث پر عنوان قائم کیا ہے ''اللہ کا دایاں اور بایاں ہاتھ'' لیکن یہ بات سراسر غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، ان کی کیفیت کیا ہے؟ نہیں معلوم! لیکن ہیں دونوں دائیں کما یلیق بجلاله وشانه . رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

((كِلْتَا یَدَی اللّٰه یَمِیْنٌ .)) (مجمع الزوائد: ٣٤٤/١٠)

''اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔''

# نبی کریم ﷺ سے غیر صحابی کی محبت

۲۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( وَالَّـذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ ، لَيَأْتِيَنَّ عَلىٰ اَحَدِكُمْ يَوْمٌ لَّا يَرَانِيْ ، ثُمَّ لَاَنْ يَّرَانِيْ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مِّثْلِ اَهْلِهِ وَمَالِهِ مَعَهُمْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کسی شخص پر ایسا دن ضرور آئے گا جس میں وہ مجھے نہیں دیکھے گا، پھر ایسا دور آئے گا کہ اسے اپنے اہل اور مال کے دیکھنے کی بہ نسبت مجھے دیکھنا زیادہ محبوب ہوگا۔''

**شرح الحديث:** ......امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ابو اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میرے نزدیک اس حدیث میں (باعتبار الفاظ) تقدیم و تاخیر ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ((لَأَنْ يَّرَانِيْ مَعَهُمْ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ اَهْلِهِ وَ مَالِهِ)) ''اس کا مجھے اپنے ساتھ دیکھ لینا اپنے اہل وعیال اور مال ومنال کو دیکھ لینے سے زیادہ محبوب ہوگا۔'' ''مَعَهُمْ'' کا لفظ حدیث میں اہل اور مال وثروت کے لیے مستعمل ہے، لیکن اس کا تعلق اس سے ماقبل جملہ ''لَأَنْ يَّرَانِيْ'' کے ساتھ ہے۔ (اس نفس کا مجھے اپنے ساتھ پالینا)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس لفظ ''مَعَهُمْ'' کو اگر حدیث کے آخر میں بھی رکھیں، تو معنیٰ میں کوئی خلش واقع نہیں ہوتی یعنی اگر حدیث کا معنیٰ یوں کیا جائے کہ ''کسی نفس کا مجھے پالینا اسے اپنے اہل اور مال کو دیکھنے سے زیادہ عزیز ہوگا۔''

بہر طور اس حدیث سے نبی اکرم ﷺ کی فضیلت و مرتبت اور اہمیت، واضح نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

لیکن چونکہ اس وقت نبی انور ﷺ ہمارے یہاں موجود نہیں ہیں، تو آپ کے فرمودات کو سننا، ان کا فہم حاصل کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہمارے لیے باعث نظارۂ چہرہ مصطفیٰ ﷺ ہوگا۔

سلف صالحین کا قول ہے:

---

(۲۹)...... صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل النظر إليه ﷺ وتمنيه، رقم: ۲۳٦٤/٤٢، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد: ٤٤/١٦۔ شرح السنة: ٥٥/١٤.

اَهْـلُ الْـحَـدِيْـثِ هُـمُـو اَهْـلُ الـنَّبِـيِّ
وَإِنْ لَّـمْ يَـصْـحَبُـوْا نَـفْسَـهٗ اَنْفَاسَـهٗ صَحِبُوْا

اہل حدیث ہی اصل میں اہل النبی ﷺ ہیں، اور اگر چہ بنفسِ نفیس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نہیں بن سکے، لیکن آپ ﷺ کی سانسوں کے باران تو بہرصورت بنے ہی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو علمائے وقت عوام الناس کو مسائل سے آگاہ کرتے اور فتاویٰ سے ہمکنار کرتے ہیں، ان سے تعلق رکھنا بھی نبی انور ﷺ سے تعلق رکھنے کے مترادف ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: "اَلْـعُـلَـمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ" (اہل علم انبیاء کے وارث ہوتے ہیں) اور وراثت قرابت پر دلالت کرتی ہے۔ یہ واضح اصول ہے۔

# قیصر وکسریٰ کی ہلاکت کی پیشین گوئی اورلڑائی مکروفریب کا نام ہے

۳۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

(( یَھْلِکُ کِسْرٰی ، ثُمَّ لا کِسْرٰی بَعْدَہٗ ، وَقَیْصَرُ لَیَھْلِکَنَّ ، ثُمَّ لا یَکُوْنُ قَیْصَرَ بَعْدَہٗ ، وَلَتُنْفِقُنَّ کُنُوْزَھُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ، وَسَمَّی الْحَرْبَ " خُدْعَۃً " ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اوررسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کسریٰ، یعنی شاہِ ایران، ہلاک ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد کوئی (دوسرا) کسریٰ نہ ہو گا۔ (اسی طرح) قیصر، یعنی شاہِ روم بھی ہلاک ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد کوئی دوسرا قیصر (پیدا) نہ ہوگا۔ اورتم ضرور بہ ضرور ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اور آپ ﷺ نے جنگ کو دھوکہ سے موسوم کیا۔''

**شرح الحديث:** ......کسریٰ، شاہِ ایران کا لقب تھا،سلطنتِ ایران پر جو بھی حاکم ہوتا اسے 'کسریٰ' کہہ کر پکارا جاتا۔ اور بعینہ قیصر، روم کے سلطان کا لقب تھا۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو اقتدارِحکومت سنبھالتا، اسے ''فرعون'' کہتے تھے۔ اسی طرح شاہ حبشہ کا لقب 'نجاشی' ہوا کرتا تھا۔ اس حدیث میں کسریٰ کے پارہ پارہ ہونے کے ساتھ ساتھ قیصر کی ہلاکت کا بھی ذکر ہے۔لیکن امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''شرح السنۃ'' میں ایک حدیث ذکر کی ہے، جس میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شاہِ ایران کو دعوتِ اسلامی کے حوالہ سے ایک مکتوب لکھا تو شاہِ ایران نے اس مکتوب کو پھاڑ دیا۔ اس کی اس گھٹیا حرکت پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے اپنی سلطنت ومملکت کو پھاڑ دیا۔'' اسی طرح آپ ﷺ نے شاہِ روم کو ایک مکتوب لکھا۔ اس نے اس مکتوب کو نگاہِ احترام سے دیکھا اور کستوری میں رکھ دیا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس نے اپنی سلطنت کی حفاظت کر لی۔'' یعنی

---

(۳۰) ......صحیح بخاری، کتاب الجهاد،باب الحرب خدعة، رقم: ۳۰۲۷، حدثنا عبدالله بن حمد: حدثنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن همام، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ......۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتیٰ یمر الرجل بغیر الرجل......، رقم: ۲۹۱۸/۷۶، بدون عبارة "وسمی الحرب خدعة" حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: لفظ ما حدیث ابوهریرة عن رسول الله ﷺ فذکر احادیث فیها: ......۔ شرح السنة: ۳۰۹/۱۳، وقال: هذا حدیث صحیح.

ثابت رکھ لیا۔(شرح السنة : ۱۳/ ۳۱۰)

اس حدیث سے واضح طور پر شاہِ روم کے ملک کی تثبیت ثابت ہوتی ہے، جبکہ صحیفہ کی مذکورہ بالا حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق قیصر کی ہلاکت معلوم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے دونوں مذکورہ حدیثوں میں بظاہر تعارض آ گیا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ انقطاعِ تعارض کے متعلق فرماتے ہیں: دونوں حدیثوں کی تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ کسریٰ کی مجموعی مملکت معدوم ہوگئی، اس سرزمین پر مکمل کنٹرول مسلمانوں کا ہو گیا اور اس ملک کے خزانے راہِ الٰہی میں خرچ کر دیے گیے، جبکہ قیصر (شاہِ روم) کی ملکیت برقرار رہنے کے ساتھ ساتھ معدوم بھی ہوگئی۔ وہ اس طرح کہ سرزمینِ روم پر تو اس کی بادشاہت وسلطنت قائم رہی، مگر شام پر معدوم ہوگئی اور اس سلطنت کے خزانے راہِ الٰہی میں صرف کر دیئے گئے۔

اب اس صورت میں "لَا يَكُوْنُ قَيْصَرُ بَعْدَهُ" کا معنی یہ ہوگا کہ "سرزمینِ شام پر کوئی قیصر (پیدا) نہ ہوگا۔ اور 'شرح السنۃ' میں مروی حدیث کے الفاظ "ثَبَتَ مُلْكُهُ" کا معنی یہ ہوگا "اس نے سرزمین روم پر اپنی بادشاہت کو برقرار رکھا۔"(شرح السنة: ۱۳/۳۱۰)

اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے 'شرح مسلم' میں لکھا ہے: "رسول اللہ ﷺ کی بدعا سے کسریٰ تباہ و برباد ہو گیا اور کرّہ ارض پر اس کی تمام بادشاہت ومملکت پارہ پارہ ہوکر فنا ہوگئی، جب کہ قیصر کی بادشاہت ومملکت ارضِ شام سے معدوم ہوگئی۔ اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ وہ قیصر و کسریٰ کے شہروں میں داخل ہو گئے اور انہیں فتح کر دیا اور ان حکومتوں کے بیت المال راہِ الٰہی میں خرچ کر دیئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اسے رسول اللہ ﷺ کے ظاہری معجزات میں سے ایک معجزہ سمجھا جاتا ہے۔"

(شرح صحيح مسلم، للنووی: ٥/ ٧٦٦)

## جنگ "خُدْعَة" 'دھوکے کا ذریعہ، وسیلۂ فریب' ہے:

لفظ "خدعة" کے پڑھنے میں پانچ قرائتیں ہیں۔

١۔ خَدْعَةٌ ٢۔ خُدْعَةٌ ٣۔خُدَعَةٌ ٤۔خَدَعَةٌ ٥۔خِدْعَةٌ

اس لفظ کے آخر میں جو گول (ۃ) ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ وحدت پر دلالت کر رہی ہے، اس لیے دورانِ جنگ مسلمان کافروں کو ایک مرتبہ دھوکہ (ضرور) دیں، تاکہ مسلمان ابھر سکیں اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ کافر قوم کم سے کم ایک مرتبہ ضرور دھوکہ کھائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

**خدعة**:...... کسی نفس کو حقیقتِ حال سے ناآشنا رکھنے کے لیے زبان سے ایسی بات کا اظہار کرنا جو دل میں

مخفی بات کے برعکس ہو۔

جب کہ بعض لوگوں نے خدعۃ کا معنیٰ حکمت کیا ہے۔اس لیے ان کے نزدیک جنگ حکمت عملی کا نام ہے۔
اس پورے متنِ حدیث میں قیصر وکسریٰ کے ملکوں پر اہل اسلام کے تسلط کی پیشین گوئی ہے، واضح رہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائی تھی۔علاوہ بریں یہ پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ سے اور مواقع پر بھی ثابت ہے۔

'مسند احمد' میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: غزوۂ خندق کے موقع پر دورانِ کھدائی ایک سخت ترین چٹان آن پڑی، جس سے کدال اچٹ جاتی تھی، کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل نہیں پاتی تھی، براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا گلہ کیا۔تو آپ ﷺ (فوراً) وہاں حاضر ہوئے (وہی) کدال ہاتھ میں لی اور بسم اللہ کی نداء لگا کر ایک زوردار ضرب لگائی اور فرمانے لگے "اللہ اکبر" سلطنتِ شام کی چابیاں میرے سپرد کر دی گئی ہیں۔یعنی قیصر کی سلطنت کا ایک حصہ، اللہ کی قسم! اس وقت میں وہاں کے سرخ محلوں کا نظارہ کر رہا ہوں۔پھر دوسری مرتبہ ضرب لگائی، تو ایک دوسرا قطعہ جدا ہو گیا اور فرمانے لگے: اللہ اکبر، مجھے فارس دکھایا گیا ہے۔اللہ کی قسم! اس وقت میں مدائن کے سفید محل کا نظارہ کر رہا ہوں۔پھر بسم اللہ کہہ کر تیسری ضرب لگائی، تو بقیہ چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی اور فرمانے لگے: اللہ اکبر، یمن کی چابیاں میرے سپرد کر دی گئی ہیں۔اللہ کی قسم! اس وقت میں اپنی جگہ سے صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر جنگ کو "وسیلۂ فریب" سے تعبیر فرمایا تھا۔وہ اس طرح کہ قبیلۂ بنوغطفان کا ایک شخص جس کا نام نعیم بن مسعود بن عامر اشجعی تھا۔وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور میرے قبیلہ والے میرے قبولِ اسلام کے بارے میں لاعلم ہیں۔لہٰذا (میرے اس فعل سے کوئی فائدہ اٹھا لیجئے) آپ میرے لیے کوئی حکم صادر فرمایئے، تاکہ میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں۔(اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے کچھ مخفی باتیں کیں، پھر فرمانے لگے) "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ" جنگ تو ایک دھوکہ ہے۔مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی جنگی موقع پر حکمتِ عملی کے ساتھ اپنے فریق مخالف کو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے، لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر کچھ تفصیلی کلام فرمایا ہے۔وہ فرماتے ہیں: اصحابِ علم کسی بھی جنگ کے موقع پر اپنے فریق مخالف کو دھوکہ دینے کے معاملہ میں رائے جواز کے قائل ہیں۔دھوکہ میں عموم ہے، کوئی تعین نہیں۔البتہ دھوکہ میں خلافِ عہد کام کی توقع ہو یا کسی کے امن کے سبوتاژ ہونے کا اندیشہ ہو تو قطعاً دھوکہ جائز نہیں۔" (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غزوات اس پر شاہد ہیں۔) حاصل کلام یہ ہے کہ عہد شکنی کے ماسوا اپنے فریقِ مخالف کے خلاف ہر قسم کا حربہ بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔(فتح الباری: ٦/١٦٨)

# نیکو کار لوگوں کے لیے جنت میں عجیب وغریب نعمتیں

۳۱...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

اِنَّ اللّٰهَ قَالَ:

((اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لا عَيْنٌ رَأَتْ ، وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ ، وَلا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ''اللہ نے فرمایا: میں نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال تک (پیدا) ہوا ہے۔''

**شرح الحديث:**......اس حدیث قدسی میں صراحت کے ساتھ سب انسانوں کو حصول جنت کی رغبت دلائی گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار بن جائے، تو وہ اسے ایسے بلند پایہ انعام واکرام سے نوازے گا جو اس کے تصور وخیال سے بھی بالاتر ہوں گے۔

جنت میں ایسی ایسی نعمتوں اور راحتوں کا منظر ہوگا، جنہیں اہل دنیا کی آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا تک نہ ہوگا۔

علاوہ ازیں وہ نعمتیں ایسے انتہائے کمال کو پہنچی ہوئی ہیں، جن کے متعلق کسی دل میں خیال وتصور تک پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ لوگوں کے پاس وہ دل نہیں جو جنت کی نعمتوں اور راحتوں کا تصور قائم کر سکیں، یعنی کہ ایسے دلوں میں قوتِ تصور موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ امتوں کی تباہی اور بربادی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ﴾ (ق : ۳۷)

''یقیناً ان (گذشتہ واقعات) میں نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو صاحبِ دل ہو۔''

---

(۳۱)...... صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ عزوجل : "يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ" رقم: ۷۴۹۸، حدثنا معاذ بن اسد، اخبرنا عبداللّٰه، اخبرنا معمر عن همام بن منبه، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال:......۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة نعيمها و أهلها (فی اول الکتاب)، رقم: ۲۸۲۴/۳۔ مسند احمد: ۴۶/۱۶۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب الجنة و صفتها: ۴۱۶/۱۱۔ شرح السنة، باب الصفة الجنة و أهلها: ۲۰۶/۱۵.

اس آیتِ مبارکہ سے پوری طرح واضح ہو گیا کہ گوشت کا ٹکڑا یعنی دل تو سب کے پاس موجود ہے، مگر اس دل سے مراد نصیحت قبول کرنے والا دل ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ کوئی آنکھ جنت اور اس کی بہار اور نعمتوں کو دیکھ نہیں پاتی، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے موقع پر ان کا نظارہ کیا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مطلق نفی سے امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا نہ دیکھنا مراد ہے، رسول اللہ ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

## خیالاتِ انسانی سے بالاتر نعمتیں:

((وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ)) ''اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال تک (پیدا) ہوا۔'' اس حدیث میں ایک لفظ ''بشر'' استعمال ہوا ہے، جس سے مقصود یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں اور راحتیں فقط انسانوں کے لیے بنائی گئی ہیں نہ کہ فرشتوں کے لیے، چنانچہ انسانوں کو شوق دلانے کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے گیے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ (اے الٰہی!) اہل جنت کے لیے جنت میں سب سے بڑا مقام کون سا ہو گا؟ (اس کے جواب میں) ذات باری تعالیٰ نے فرمایا: (وہ ایسا مقام ہے) جہاں پر میں نے اپنے ہاتھ سے پودے گاڑے ہیں اور ان پر مہریں ثبت کر دیں، تا کہ کوئی آنکھ اسے دیکھ نہ پائے، کوئی کان انہیں سن نہ پائے اور کسی دل میں ان کا خیال تک پیدا نہ ہو۔

ایک دوسری روایت کے آخر میں یہ الفاظ مذکور ہیں کہ ''اور اسی بات کی تصدیق کتاب الٰہی میں بھی موجود ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ (سورۃ السجدہ: ۱۷)

''کوئی نفس (یہ بات) نہیں جانتا کہ ان کے لیے تسکین کا کون سا سامان مخفی رکھا گیا ہے۔''

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ٤٦٥۔ سنن ترمذی، رقم: ٣١٩٨۔ فتح الباری: ٥١٦/٨)

# کثرت سوال سے پرہیز

**۳۲**...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

(( ذَرُوْنِـیْ مَا تَرَکْتُکُمْ۔ فَإِنَّمَا أُھْلِكَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ بِسُؤَالِھِمْ وَ اِخْتَلَافِھِمْ عَلٰی اَنْبِیَـآئِھِـمْ۔ فَـاِذَا نَھَیْتُـکُـمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْہُ ، وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ ، فَأْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ . ))

**تــرجـمة الـحـديـث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میں تمہیں چھوڑوں تم مجھے چھوڑ دو (یعنی جن مسائل سے بھی میں بے اعتنائی برتوں تو تم ان میں بے جا مداخلت نہ کرو) بلا شبہ تم سے گذشتہ امتیں اپنے (بے جا) سوال کرنے اور انبیاء کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو تم اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو تم حتی المقدور اس کی تعمیل کرو۔''

**شرح الحديث:** ...... ''ذَرُوْنِـیْ مَا تَرَکْتُکُمْ'' اس قطعۂ حدیث سے واضح ہے کہ فرمانِ رسول کا مقصود یہ ہے کہ بے جا سوالات ضیاعِ وقت کے مترادف ہیں، لہٰذا جو کچھ سنا یا اور بتا دیا جائے فقط اس پر عمل پیرا ہونا ہی بہتر ہے اور لغویات سے قطعی طور پر گریز کرنا چاہیے۔

مزید برآں، یہ حدیث تفصیلاً صحیح مسلم، کتاب الحج میں مذکور ہے۔ سیّدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! ذات باری تعالیٰ نے تم پر فریضۂ حج مقرر فرما دیا ہے، پس تمہیں چاہیے کہ تم لوگ حج کرو۔ اسی دوران کوئی صاحب کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا حج ہر سال کے لیے فرض ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ اس صاحب نے یہی سوال تین دفعہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں (تیرے سوال کے جواب میں) ''ہاں'' کہہ دیتا تو (تم لوگوں پر) ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔ بعد از واقعہ رسول اللہ ﷺ نے وہی

(**۳۲**)...... صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب توقیرﷺ و ترك اكثار سئواله عمّا لاضرورة إليه، أولا يتعلق به تكليف، وما لا يقع، ، رقم: ٦١١٥، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن همام بن منبه، عن ابی هريرة......۔ صحیح البخاری، كتاب الاعتصام بالكتاب و السنة، باب الإقتداء بسنن رسول اللهﷺ، رقم: ٧٢٨٨۔ مسند احمد: ٤٦/١٦، رقم: ٣١/٨١٢٩۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب مسئلة الناس: ٢٢٠/١١۔ شرح السنة: ١٩٧/١، ١٩٩.

الفاظ ارشاد فرمائے، جو صحیفہ کی مذکورۃ حدیث میں گذر چکے ہیں۔

یہ وہ بات ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا، اور یہ یقینی و بدیہی بات ہے کہ ہر سال ہر آدمی حج کی نہ تو طاقت رکھ سکتا اور نہ ہی فریضۂ حج ادا کر سکتا۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنا سنایا اور بتایا جائے فقط اسی پر اکتفائے عمل رکھو، تاکہ میری مخالفت کا اندیشہ تک پیدا نہ ہونے پائے۔

## گذشتہ لوگ کثرت سوال اور انبیاء کے بتائے ہوئے احکامات سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے:

رسول اللہ ﷺ نے کثرتِ سوال سے منع فرمایا اور خوف دلانے کے لیے اس بات سے بھی مطلع فرمایا کہ گذشتہ لوگوں کی تباہی کا باعث یہی کثرتِ سوال اور موصول جوابات کے خلاف عمل کرنا تھا۔

جیسا کہ بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، مگر انہوں نے آگے سے بے کار اور لغو قسم کے سوالات کرنا شروع کر دیئے کہ گائے کیسی ہو، اس کا رنگ کیسا ہو وغیرہ جبکہ انہیں حکم عام دیا گیا تھا کہ ''ایک گائے کو ذبح کرو'' مگر انہیں اس پر اطمینان نہ ہوا اور فضول سوالات کر کے اپنے آپ کو مزید مشکلات میں پھنسا دیا۔ (اس واقعہ کا تفصیلی ذکر سورۃ بقرۃ میں مذکور ہے)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت رقم طراز ہیں: ''اس حدیث سے اس بات پر استدلال ہوتا ہے کہ (جب) شریعت کا حکم کسی چیز پر ثابت نہ ہو، تو اس (چیز کا حکم عدم وجوب والا ہوگا)

کیونکہ اشیاء میں اصل عدم وجوب ہے، ہاں جب شریعت سے اس کا حکم ثابت ہو جائے، تو پھر ہم تسلیم کرتے ہیں ہم، جو مزاجِ شرع میں ہو۔ (فتح الباری: ۱۳/۲۶۱)

## جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے رُک جاؤ:

اس سے ظاہری مفہوم یہی نکلتا ہے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے اس سے اجتناب لازم ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حکم فقط ان لوگوں کے لیے ہے جو عیش پرستی میں اپنی زندگیوں کو برباد کر رہے ہیں، نہ کہ وہ لوگ جو حالتِ اضطرار میں ہوں، یعنی مجبور ہوں۔ بہر حال شریعت نے جن اشیاء سے روکا ہے ان سے کلی اجتناب کرنا چاہیے، البتہ کسی نفس پر حالت اضطراری میں اجتناب ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ خود باری تعالیٰ کا ارشادِ ہے، جو اس اصول پر شاہد عدل ہے۔

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ (الانعام: ۱۱۹)

''اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے محرمات کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے، مگر جن کی طرف تم لاچار کیے گئے

ہو وہ محرمات مستثنیٰ ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر محرمات یعنی خون، مردار اور خنزیر کی حرمت بیان فرمائی لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ قریباً ہر مقام پر حرمت سے متصل یہ ارشاد بھی فرمایا: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ ''جو نفس مجبور ہو جائے، تو اس کے لیے یہ محرکات جائز ہیں (بشرطیکہ) وہ حد سے تجاوز کرنے والا اور بغاوت کرنے والا نہ ہو۔''

اس ساری تشریح سے معلوم ہوا کہ مجبوری اور اضطراری حالت میں حرام شدہ اشیاء کا بقدر ضرورت استعمال جائز اور حلال ہے۔ حالت اضطراری سے مراد وہ حالت ہے جو انسانی زندگی کو موت کے قریب پہنچا دے یا کم از کم انتہائی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

یاد رہے کہ حرام شدہ اشیاء کو دوا یا دواؤں میں ملاوٹ کے طور پر قطعاً استعمال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے واضح اور بیّن فرامین کتب احادیث میں موجود ہیں، جیسا کہ 'سنن ابی داوٗد' میں سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حرام اشیاء کا دوا کے طور پر استعمال (قطعاً) منع کر دیا۔''

(سنن ابوداود، کتاب الطب، رقم: ۳۸۷۰۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔)

مزید برآں 'صحیح مسلم' میں سیّدنا وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ)) ''یہ شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔''

حرام اشیاء سے شفاء یاب نہ ہونے کے متعلق سیدۃ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ أُمَّتِي فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْهَا)) ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفاء یابی حرام شدہ اشیاء میں نہیں رکھی۔''

## جب میں تمہیں (کسی) کام کا حکم دوں تو تم بقدر استطاعت اس پر عمل کرو:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک اسلام کے اہم اور عظیم ترین اصولوں میں سے ایک عظیم تر اصول ہے اور ساتھ ساتھ یہ کلام ''جوامع الکلم'' میں سے ہے، جو رسول اللہ ﷺ کو بطورِ رحمت خاص عطا کیے گئے تھے۔'' (شرح مسلم، للنوی: ۴۸۲/۳)

اس فرمانِ مبارک میں ان گنت احکامات کو سمو دیا گیا ہے۔ جن پر انسان بقدر استطاعت عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ جیسے فریضۂ نماز ہے۔ اب اس میں قوتِ نفس کا تعلق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر فریضۂ نماز ادا نہیں کر سکتا، تو اسے اختیار ہے کہ بیٹھ کر ادا کرے، یہاں تک کہ اگر بیٹھ کر بھی ادا نہیں کر سکتا، تو لیٹ کر ادا کر لے، الغرض جتنی قوت نفس اپنے اندر رکھتا ہے پوری صداقت سے اس کے مطابق عمل کرے۔

اسی طرح وضوء ہے کہ اگر کوئی شخص قوت نہ ہونے کے سبب بعض اعضائے وضو دھو سکتا ہے اور بعض کو نہیں، تو اس کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ اپنی قوت کے مطابق جہاں تک ممکن ہو سکے اعضائے وضوء دھو لے، وغیرہ وغیرہ۔

یہاں حکم پر عمل کرنے کو قوت و استطاعت سے مقید کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ جس جگہ پر ''امر'' ہو، تو وہاں قوت و استطاعت کے مطابق عمل کیا جائے گا، جب کہ حدیث میں ''نہی'' کا ذکر ہوا، تو اسے مطلق رکھا گیا ہے۔ اس اصول سے جو حکمت دانست میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ منہیات (جن امور کے کرنے سے منع کیا گیا ہے) سے مطلقاً اجتناب لازم ہے اور منہی عنہ امور میں سے اگرچہ کسی ایک کا ارتکاب کیا جائے اور وہ بھی معمولی مقدار میں ہو، تو اس سے شریعت کی مخالفت لازم آئے گی، دوسرے نمبر پر مامور بہ (جن امور کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) ہیں، جن سے حصول اتباع ہے۔ کیونکہ اوامر سے مقصود ہی دراصل امتثال ہے اور یہ مامور بہ پر معمولی مقدارِ عمل سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ (هامش صحيح مسلم: ٧/ ٩١، طبع دار التحريد)

**استدلالات:**

اس حدیث سے استدلال کرنے پر چند امور سامنے آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ تمام اشیاء مباح ہیں، جب تک پیغمبر علیہ السلام کی طرف سے نہی ثابت نہ ہو۔

**مباح:** وہ امور جن کے متعلق شریعت نے کوئی حکم صادر نہ فرمایا ہو اور نہ ہی شریعت کے کسی معاملہ میں ان سے کسی قسم کی مخالفت لازم آتی ہو۔ ان امور کو مباح کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے امور پر عمل کرنا اور انہیں ترک کرنا دونوں طرح درست ہے۔ بشرطیکہ انہیں شریعت کا کوئی حکم نہ سمجھا جائے۔

۲۔ بغیر وجہ کے سوالات کی بوچھاڑ کرنا اور پھر اس میں بحث وتمحیص کرنا۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سوال کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت سوال کا مقصود تعلیم حاصل کرنا اور وضاحت طلب کرنا ہو اور امورِ دین کے حوالہ سے ہو تو ایسی صورت میں سوال کرنا جائز، بلکہ تقاضائے فطرت کے مطابق ہے۔ اس فطری تقاضے کو قرآن اس انداز میں بیان فرماتا ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (النحل: ٤٣، انبياء: ٧)

''کسی مسئلہ کو نہ جاننے کی صورت میں اہل علم سے سوال کر لیا کرو۔'' (شرح السنة: ١/ ٣١٠-٣١١)

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سوال کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے۔

﴿فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (یونس: ٩٤)

''آپ ان لوگوں سے پوچھئے جو آپ سے پہلے کتاب کو پڑھا کرتے تھے۔''

اس آیت پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی مسئلہ یا معاملہ میں تردّد ہو، تو وہ سوال کر

سکتا ہے۔

مزید برآں قرآن کریم کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے، تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معقول اور امورِ دین سے متعلق سوالات کیا کرتے اور ان کے جواب کو باری تعالیٰ بذریعہ وحی قرآن میں نازل فرماتے، اور ان کے سوالات کو اس انداز میں بیان فرماتے ہیں:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ﴾ (بقرة: ١٨٩) ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ (بقرة: ٢٢٢)

''وہ (صحابہ رضی اللہ عنہ) آپ سے چاند اور حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔''

اس قسم کے اور بھی سوالاتِ صحابہ قرآن میں مذکور ہیں۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ عدمِ علم کی وجہ سے سوال کرنا امورِ دین میں سے ہے۔

**دوسری صورت:** بلاوجہ سوال کرنا۔ ایسی صورت شرعاً ممنوع ہے، جیسا کہ صحیفہ کی زیرِ نظر حدیث اس پر شاہد ہے۔ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان موجود ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، ...... وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ ))(صحيح بخاری، كتاب الاستقراض، رقم: ٢٤٠٨)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کو حرام کر دیا ہے (اس کے بعد مزید چند باتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا) اللہ تعالیٰ نے تم پر کثرتِ سوال کو بھی حرام فرمایا ہے۔''

مفسر کبیر امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لفظ ''يَسْـَٔلُوْنَكَ'' کے تحت لکھتے ہیں: ''قرآن حکیم میں جن سوالات کے جوابات ''يَسْـَٔلُوْنَكَ'' کے ساتھ دیئے گئے ہیں وہ تعداد میں کل چودہ ہیں، جن میں قریباً بارہ سوالات خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے کیے گئے تھے۔ بقیہ دو سوال مشرکین و یہود کی طرف سے ہوئے، تو معلوم ہوا کہ ۲۳ سال کے عرصۂ وحی میں یارانِ محمد رضی اللہ عنہم نے فقط ۱۲ سوال کیے۔ اس بات سے پوری طرح منکشف ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثرتِ سوالات کے عادی نہ تھے، مزید یہ کہ صحابہ کرام خود فرماتے ہیں کہ ہم لوگ انتظار میں ہوتے تھے کہ کوئی دیہاتی شخص (اعرابی) یا کوئی نیا قافلہ یہاں تشریف لائے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امورِ دین کے متعلق سوالات کرے، جس سے ہمارے علم میں اضافہ ہو۔''

معلوم ہوا کہ بے جا سوالات سے گریز کرنا چاہیے اور ایسے سوالات کرنا چاہئیں جن پر ہماری کامیابی و کامرانی محمول ہے نہ کہ ایسے سوالات جن سے نہ تو ہمارے دین و ایمان کا تعلق ہو اور نہ ہی کامیابی و کامرانی سے واسطہ، جیسے کہا جاتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا تھا، وغیرہ۔

غیر ضروری سوال کرنے سے جو نقصان جنم لیتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

عَنۡهَا حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَكُمۡ ؕ﴾ (المآئدہ: ۱۰۱)

''ایسی باتوں کے متعلق مت سوال کیا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں، تو تم پر ناگوار گذریں، اور اگر تم زمانۂ نزولِ قرآن میں ان سے متعلق سوال کرو گے، تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔''

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ جو کوئی بغیر کسی عذر کے سوال کرے اور ممکن ہے کہ اس سوال سے کوئی ایسا مسئلہ اخذ ہو جائے جس پر عمل کرنا اس کے لیے دشوار ہو۔ تو اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے خواہ مخواہ گناہ گار ہو جائے گا۔

۳۔ اس حدیث سے اخذ ہونے والی تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ سوالات سے زیادہ توجہ عمل پر مرکوز ہونی چاہیے اور یہ بھی نہ ہو کہ علم تو وافر مقدار میں موجود ہو مگر عمل کا بازار بالکل ٹھنڈا پڑا ہو، بلکہ مقدار علم کے ساتھ ساتھ مقدار عمل بھی متوازی ہو۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ آپ نے فرمایا: بے شک تم اس کے ساتھ ہو جس کے ساتھ تم نے محبت کی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسلام لانے کے بعد کسی بات سے اتنی مسرت نہیں ہوئی جتنی آپ ﷺ کے اس فرمان سے ہوئی۔ اس لیے میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں آخرت کے دن انہی کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں نے ان کے برابر اعمال نہیں کیے۔'' (صحیح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی، رقم: ۳٦۸۸۔ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، رقم: ٦٧١٥)

غور فرمائیں: نبی کریم ﷺ اس شخص سے فرما رہے ہیں کہ تو نے قیامت کے دن کے لیے کون سے اعمال تیار کر رکھے ہیں؟

# جنبی کے لیے روزے کا حکم

۳۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
((اِذَا نُوْدِیَ بِالصَّلٰوةِ ، صَلَاةِ الصُّبْحِ ، وَ اَحَدُكُمْ جُنُبٌ ، فَلَا يَصُوْمُ يَوْمَئِذٍ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''جب نمازِ صبح کے لیے اذان دی جائے جب کہ تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن کا روزہ نہ رکھے۔''

**شرح الحديث:**...... سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث مراسیلِ صحابہ میں سے ہے اور مراسیلِ کے متعلق محدثین کا متفقہ اصول ہے کہ یہ احادیث مقبول ہیں۔ (تفصیل دیکھیں: شرح نخبة الفكر لابن حجر)

مزید یہ کہ بذاتِ خود سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث (مرسل) فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے سماعت کی ہے۔ جب کہ صحیح بخاری کتاب الصیام، باب الصائم یصبح جنباً میں رسول اللہ کے روزہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے، جس کے راوی ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ میرے باپ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مروان رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ مجھے سیدۃ عائشہ وأم سلمۃ رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے مباشرت کے سبب غسل کرتے، پھر روزہ رکھتے، جب کہ انہیں ادراک ہوتا تھا کہ صبح ہو چکی ہے۔ اس واقعہ کے آخر میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جب سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ملے، تو انہیں کہا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہ رہا تھا اور اگر مجھے مروان نے قسم نہ دی ہوتی، تو میں اس معاملہ کو آپ کے حضور (قطعاً) پیش نہ کرتا۔ بعد ازاں جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ وام سلمۃ رضی اللہ عنہما کی ذکر کردہ حدیث بیان کی تو سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ مجھے تو یہ روایت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھی یعنی "فَلَا يَصُوْمُ يَوْمَئِذٍ" حالانکہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اس معاملہ کو (ہم سے) بہتر جانتی ہیں۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سلف وخلف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے نے سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں ہمام کی متابعت کی ہے کہ ''جو شخص حالت جنابت میں صبح کرتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے روزہ توڑنے کا حکم صادر فرماتے۔''

(۳۳) ...... مسند احمد: ۱۶/ ٤٤۔ سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب ما جآء في الرجل يصبح جنبا و هو يريد الصيام ، من طريق سفيان بن عيينة ، عن عمرو بن دينار، عن يحيى بن جعدة عن عبدالله بن عمرو القارى، قال سمعت اباهريره رضي الله عنه......۔ مسند حميدى: ٢/ ٤٤٣، رقم: ١٠١٨.

امام بخاری رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: ''گذشتہ روایت جس میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے حوالہ سے روزہ رکھنے کی صراحت ملتی ہے، وہ روزہ نہ رکھنے والی روایت سے زیادہ پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے''

مذکورہ دو حدیثوں کی بنیاد پر اس مسئلہ کے متعلق علمائے سلف وخلف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک فریق کا کہنا ہے کہ وہ شخص حالتِ جنابت میں اس دن روزہ نہ رکھے، جیسا کہ حدیث کے (ظاہری) مفہوم سے واضح ہوتا ہے۔ اور دوسرے فریق کا کہنا ہے کہ اگر وہ شخص صبح کا وقت پائے، تو غسل کر کے روزہ رکھ سکتا ہے، جیسا کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا واقعہ کو بغور دیکھا جائے، تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کی بنیاد پر جو نظریہ قائم کیا تھا (جو شخص حالت جنابت میں صبح کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ اس دن کا روزہ نہ رکھے) بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ان کے سامنے امہات المومنین رضی اللہ عنہن والی روایت پیش کی گئی، تو انہوں نے فرمایا: ''امہات المومنین رضی اللہ عنہن اس مسئلہ کو ہم سے زیادہ جانتی ہیں، مزید یہ کہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ بعد میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ سے رجوع کر لیا تھا۔

(دیکھئے: الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار، ص: ٢٦٢)

**ایک اشکال:** امام بخاری رحمہ اللہ مذکورہ حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پہلی روایت اصح یعنی زیادہ صحیح ہے۔ (سیدہ عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہا والی) جب کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ ھمام بن منبہ کی سند سے بے شمار روایات اپنی کتاب میں لائے ہیں، لیکن اس مقام پر ھمام والی روایت کو تعلیقاً ذکر کر کے اس کے الٹ دوسری روایت کو ''اسند'' کیوں کہہ رہے ہیں۔

**ازالہ:** حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو بات میری دانست میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا پہلی روایت کو اسند کہنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ سند اور رجحان دونوں حیثیتوں سے قوی معلوم ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدہ عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت متعدد طرق سے ایک ہی معنی میں بلکہ تو اتر تک پہنچی ہوئی ہے'' تبھی اس روایت کے اسند ہونے کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس عبادت سے واضح ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا حدیث عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح دینا فقط کثرتِ طرق اور ایک ہی معنٰی میں آنے کی وجہ سے تھا نہ کہ ھمام کی روایت میں نقص کی وجہ سے، بلکہ اس طریقہ سے تو ھمام کی سند کی صحت میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

اس حدیث کی حیثیت علماء کی نظر میں یہ ہے کہ اس حدیث کو صحتِ سند کے اعتبار سے تو کوئی شخص بھی رد نہیں کر سکتا، مگر حد افسوس کہ اس مذکورہ حدیث میں بیان کردہ مسئلے کو بڑے بڑے علماء نے قبول نہیں کیا، حالانکہ معقول او ردرست رائے سبھی کی یہی ہے کہ ''جو شخص حالتِ جنابت میں صبح پائے وہ غسل کر کے روزہ رکھ سکتا ہے۔''

اس کے علاوہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مذکورہ دونوں حدیثوں میں طریقۂ ترجیح اختیار کیا ہے، البتہ ان کا طریقۂ ترجیح کثرتِ طرق فی معنی واحد کی وجہ سے نہیں، بلکہ مختلف وجوہات کی بناء پر تھا جن میں بنیادی اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس مسئلہ کے متعلق امہات المومنین رضی اللہ عنہن بخوبی علم رکھنے والی ہیں۔ لہٰذا ان سے مروی حدیث کو قابل ترجیح تصور کیا جائے۔ (الاعتبار، ص: ۲٦۲)

اور بعض اہل علم نے ان مذکورہ دونوں حدیثوں میں ناسخ ومنسوخ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر امام ابوسلیمان الخطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی غیر مرجح روایت کے متعلق جو بھی مباحث و اقوال سنے ہیں، ان سب میں بہترین اور نفیس بات یہی ہے کہ اس روایت کو منسوخ قرار دیا جائے۔''

نیز امام ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ بھی انہی محدثین میں سے ہیں، جو اس روایت کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام صاحب اپنی کتاب ''صحیح ابن خزیمہ'' میں اپنے مؤقف کی تائید میں اس حدیث کی توثیق اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث میں غلط فہمی کا شکار گردانتے والوں پر رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''اس روایت کا بیان کہ جو شخص حالتِ جنابت میں صبح پائے وہ روزہ نہ رکھے۔''

بعض اہل علم اس حدیث کا معنی ومفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کا انکار کر بیٹھے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ انہیں یہ وہم بھی لاحق ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو باوجود ایک جلیل القدر اور صحابہ کرام میں بلند پایہ مقام رکھنے کے غلط فہمی درپیش آئی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، بلکہ یہ روایت صحیح اور ثابت شدہ ہے، البتہ (یہ بات الگ ہے کہ) یہ حدیث منسوخ کا درجہ رکھتی ہے۔

علاوہ ازیں بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مثل حدیث رقم کرنے کے بعد فرماتے ہیں: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبی صادق سے سماعت فرمائی ہے۔ اور یہ (اسی روایت) حدیث میں (بالکل) درست ہیں اور انہیں کسی قسم کے کوئی واہمے یا غلط فہمی سے دوچار نہیں ہونا پڑا، البتہ ان کی نقل کردہ حدیث منسوخ (کا درجہ رکھتی) ہے۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کے نسخ پر دلیل دیتے ہوئے رقم طراز ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب امتِ محمدیہ پر ابتداءً روزے فرض کیے، تو اس کا روزہ اس وقت شروع ہو جاتا تھا اور تمام جائز امور یعنی کھانا، پینا اور جماع کرنا وغیرہ اس پر ممنوع ہو جاتے۔ (اس چیز کو اگر زیر نظر رکھا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو حدیث فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ اسی زمانہ کی ہو۔

البتہ اب وہ تمام امور جو ابتداءً ناجائز تھے: طلوع فجر تک جائز اور حلال ہیں اور جنبی شخص روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص شب کے آخری حصہ میں مجامعت کرتا ہے اور اس کے متصل ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے، تو اب اس صورت میں اس شخص کو غسل کا وقت تو مل ہی نہیں پایا اور صبح ہو گئی۔ ایسی صورت میں اس کی صبح حالتِ

جنابت میں ہوگی (تو اب وہ بلا کراہت) روزہ رکھ سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حدیث عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہا یعنی نبی ﷺ جنبی حالت میں صبح پانے کے باوجود روزہ رکھا کرتے تھے، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث کی ناسخ ہے، کیونکہ اس میں آپ ﷺ کا فعل بتایا جا رہا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فعل اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ جماع کے طلوع فجر تک کی اباحت سے بعد کا ہے۔

اس حدیث کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس صورت پر محمول ہے کہ جو شخص حالتِ جنابت میں ہو اور جاننے کے باوجود سورہا ہو، حتی کہ صبح ہو جائے، تو اس کے لیے روزہ کی اجازت نہیں، ہاں اگر وہ غیر دانستہ نیند میں پڑا رہا، تو وہ شخص روزہ رکھ سکتا ہے۔(الاعتبار لحازمی، ص: ٢٥٩)

**استدلالات:**

ان تمام مذکورہ بالا مباحث وتطبیقات سے ایک تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنبی شخص اگر حالت جنابت میں صبح کر لے، تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔

# اللہ عزوجل کے اسمائے حسنیٰ

۳۴...... وَقَالَ اَبُوا الْقَاسِم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
((لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ اِسْمًا ، مِائَةٌ اِلَّا وَاحِداً، مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ، اِنَّهٗ وِتْرٌ، يُحِبُّ الْوِتْرَ.))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ایک کم سوننانوے نام ہیں جو شخص انہیں یاد کر لے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یقیناً وہ (ذات باری تعالیٰ) طاق ہے اور طاق (عدد) کو محبوب رکھتا ہے۔''

**شرح الحديث:** ......امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے مشہور ترین نام ''اللہ'' ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بقیہ تمام ناموں کی اضافت ونسبت اسی نام (اللہ) کی طرف مرکوز ہوتی ہے۔

ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ تمام اسمائے الٰہی میں اسم اعظم ''اللہ'' ہی ہے۔

امام ابوالقاسم الطبری رقم طراز ہیں: اللہ تعالیٰ کے سارے اسماء کی نسبت فقط اسم اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ "الکریم" اور "الرؤف" وغیرہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہیں، لیکن یوں نہیں کہا جا سکتا کہ "الکریم اور الرؤف" کے اسماء میں سے ایک اسم ''اللہ'' (بھی) ہے۔ بہر حال مقصود ومطلوب یہ ہے کہ اسماء میں ذاتی اسم ''اللہ'' ہے۔ (شرح مسلم، للنووی: ۵/۵۳۵، ۵۳۶)

### اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ:

اللہ تعالیٰ کے تمام نام ''حسنیٰ'' غایت درجہ اچھے اور پیارے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سارے کے سارے

---

(۳۴)...... صحیح بخاری، کتاب التوحید، رقم: ۷۳۹۲۱ و کتاب الدعوات، رقم: ٦٤١٠ وکتاب الشروط، باب ما یجوز من الاشتراط والثنیافی الاقرار، رقم: ٢٧٣٦۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعآء والتوبة و الاستغفار، باب فی أسماء الله تعالیٰ و فضل من احصاها، رقم: ٢٦٧٧/٦، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا معمر عن ایوب، عن ابن سیرین عن ابی هریرة وعن همام بن منبه، عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: ...... وزاد همام بن منبه عن النبی ﷺ "انه وتریحب الوتر"۔ مسند احمد: ٤/١٦۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، اسماء الله تعالیٰ: ٤٤٥/١٠،٤٤٦۔ شرح السنة، باب أسماء الله الحسنیٰ: ٣٠/٥، ثم قال: هذا حدیث متفق علی صحته.

نام اپنے اندر کوئی نہ کوئی صفت کاملہ لئے ہوئے ہیں، اور ان تمام صفات میں سے کسی بھی صفت میں کسی بھی قسم کا کوئی نقص اور عیب نہیں ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى﴾

(بنی اسرائیل: ۱۱۰)

''آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ اللہ کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے پکارو، جس نام سے چاہو اسے پکارو، تمام بہترین اور اچھے نام اسی کے لئے ہیں۔''

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ عزوجل کے پیارے اسماء میں سے ''الرحمٰن'' وارد ہوا ہے، جو ایک انتہائی پیاری صفت ''وسیع رحمت'' پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء کسی معین عدد میں محصور نہیں ہیں، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان ہے، جس میں آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

(( أَسْأَلُكَ اللّٰهُمَّ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ . )) (مسند أحمد: ۱/۳۹۴، ۴۵۲ـ صحيح ابن حبان، رقم: ۲۳۷۲ـ مستدرك حاكم: ۱/۵۱۹ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ۱۹۹)

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، جو بھی نام تو نے اپنی ذات کے رکھے، یا جو نام تو نے اپنی کتاب میں اتارے، یا جو نام تو نے اپنی کسی مخلوق کو تعلیم فرمادیئے، یا جو نام تو نے اپنے خزانۂ غیب میں محفوظ فرمادیئے ہیں۔''

اور یاد رہے کہ جو اسماء اللہ اس کے خزانہ غیب میں ہیں، ان کا ہمارے لئے حصر واحاطہ ناممکن ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ایک اور فرمان ملاحظہ فرمائیے گا، چنانچہ سیّدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا ، مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا ، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ . ))

(صحيح بخاری، كتاب الشروط، رقم: ۲۷۳۶ و كتاب الدعوات، رقم: ۶۴۱۰ـ صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، رقم: ۶/۲۶۷۶)

''یقیناً اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، یعنی ایک کم سو (۱۰۰) جس نے ان کا احصاء کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

**فائدہ** :......حدیث میں وارد کلمہ " إحصاء "کا معنی پڑھنا سمجھنا، یاد کرنا اور ان کے مطابق عقیدہ بنانا ہے۔ یہ روایت مذکورہ روایت کے متعارض نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر سے معلوم ہے، کیونکہ اس حدیث کا معنی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے جملہ ناموں میں سے صرف ننانوے (۹۹) نام یاد کرنے والا اور ان کا احصاء کرنے والا جنتی ہے۔"

یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کل نام ننانوے (۹۹) ہی ہیں، اور ان کے علاوہ اس کا کوئی نام نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ننانوے (۹۹) نام ذکر کر دیتے ہیں، جو ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ملے ہیں۔ تا کہ قارئین ان کو یاد کر کے، ان کے ذریعے اپنے رب تعالیٰ سے تعلق مضبوط کر لیں۔

## کتاب اللہ سے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| **اَللّٰهُ** البقرہ:۱۲۸ | معبودِ برحق | **اَلْاَحَدُ** الاخلاص:۱ | ایک یعنی تنہا |
| **اَلْاَعْلٰی** الاعلیٰ:۱ | بلند و برتر | **اَلْاَوَّلُ** الحدید:۳ | پہلا (سب سے پہلے) |
| **وَالْآخِرُ** الحدید:۳ | آخر (وہ تب بھی ہوگا جب سب ختم ہو جائیں گے۔) | **وَالظَّاهِرُ** الحدید:۳ | ظاہر وعیاں اور غالب |
| **اَلْبَرُّ** الطّور:۲۸ | بڑا محسن | **اَلْبَصِيْرُ** الشوریٰ:۱۱ | دیکھنے والا |
| **اَلتَّوَّابُ** الحجرات:۱۲ | توبہ قبول فرمانے والا | **اَلْحَسِيْبُ** النساء:۶ | حساب لینے والا |
| **اَلْحَفِيْظُ** هود:۵۷ | حفاظت ونگہبانی کرنے والا | **اَلْحَفِيُّ** مریم:۴۷ | بڑا مہربان |
| **اَلْحَكِيْمُ** الحشر:۱ | حکمت والا | **اَلْحَلِيْمُ** البقرۃ:۲۲۵ | بردبار (دور اندیش) |
| **اَلْحَمِيْدُ** الشوریٰ:۲۸ | حمد وتعریف والا | **اَلْخَبِيْرُ** التحریم:۳ | خبر رکھنے والا |
| **اَلْخَالِقُ** الحشر:۲۴ | پیدا کرنے والا | **اَلْخَلَّاقُ** الحجر:۸۶ | بہترین پیدا کرنے والا |
| **اَلرَّحِيْمُ** الفاتحہ:۲ | نہایت مہربان اور نرمی کرنے والا | **اَلرَّزَّاقُ** الذاریات:۵۸ | رزق دینے والا |
| **اَلرَّقِيْبُ** الاحزاب:۵۲ | تاک میں رہنے والا | **اَلشَّاكِرُ** النساء:۱۴۷ | قدردان |
| **اَلشَّكُوْرُ** فاطر:۳۴ | بہت قدردان | **اَلشَّهِيْدُ** حم السجدہ:۵۳ | گواہ |
| **اَلْعَزِيْزُ** الحشر:۲۴ | زبردست وغالب | **اَلْعَظِيْمُ** البقرہ:۲۵۵ | بڑی عظمت والا |
| **اَلْعَفُوُّ** المجادلۃ:۲ | معاف کرنے والا | **اَلْغَفَّارُ** نوح:۱۰ | بڑا بخشنے والا |
| **اَلْغَفُوْرُ** الزمر:۵۳ | گناہ بخشنے والا | **اَلْغَنِيُّ** محمد:۳۸ | خود مختار و بے پروا |
| **اَلْقَاهِرُ** الانعام:۱۸ | غالب وزبردست وطاقتور | **اَلْقُدُّوْسُ** الجمعۃ:۱ | عیوب ونقائص سے پاک |

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَلْقَدِيْرُ الملک:۱ | بڑا باصلاحیت، طاقتور | اَلْقَهَّارُ ابراھیم:۴۸ | بڑا عذاب دینے والا |
| اَلْكَبِيْرُ الحج:۶۲ | سب سے بڑا | اَلْكَرِيْمُ الانفطار:۶ | مہربان وسخی |
| اَلْمُتَعَالُ الرعد:۹ | بہت بلند | اَلْمُتَكَبِّرُ الحشر:۲۳ | غرور وتکبر کرنے والا |
| اَلْمَتِيْنُ الذاریات:۵۸ | مضبوط وطاقتور | اَلْمُحِيْطُ حم السجدہ:۵۴ | گھیراؤ کرنے والا |
| اَلْمُصَوِّرُ الحشر:۲۴ | تصویر بنانے والا | اَلْمُقْتَدِرُ الکھف:۴۵ | قدرت والا |
| اَلْمَلِيْكُ القمر:۵۵ | قدرت والا بادشاہ | اَلْمَوْلٰى الأنفال:۴۰ | کارساز و مالک وآقا |
| اَلْمُهَيْمِنُ الحشر:۲۳ | نگہبان ومحافظ | اَلْوَارِثُ الحجر:۲۳ | وارث (حامی و مددگار) |
| اَلْوَاسِعُ البقرہ:۱۱۵ | وسعتوں وفراخیوں والا | اَلْوَدُوْدُ البروج:۱۴ | بہت محبت کرنے والا |
| اَلْوَهَّابُ آل عمران:۸ | سب سے زیادہ عطاء کرنیوالا | اَلْاَكْرَمُ العلق:۳ | بے پایاں کرم والا |
| اَلْاِلٰهَ النحل:۵۱ | معبودِ برحق | وَالْبَاطِنُ الحدید:۳ | پوشیدہ |
| اَلْجَبَّارُ الحشر:۲۳ | زبردست قابو کرنے والا | اَلْبَارِئُ الحشر:۲۴ | پیدا کرنے والا |
| اَلْحَقُّ الحج:۶۲ | سچا مالک | اَلسَّلَامُ الحشر:۲۳ | سلامتی والا |
| اَلْحَافِظُ یوسف:۶۴ | حفاظت کرنے والا، نگہبان | اَلرَّءُوْفُ النحل:۷ | نرمی کرنے والا |
| اَلْعَلِيْمُ التحریم:۲ | سب سے زیادہ علم والا | اَلْمُبِيْنُ النور:۲۵ | واضح کرنے والا |
| اَلصَّمَدُ الاخلاص:۲ | بے نیاز | اَلْقَرِيْبُ البقرۃ:۱۸۶ | (بندوں کے) نزدیک |
| اَلْقَيُّوْمُ البقرہ:۲۵۵ | بذاتِ خود قائم و دائم اور ہر چیز پر محافظ ونگران | اَلْفَتَّاحُ سبا:۲۶ | رحمت و رزق کے دروازے کھولنے والا |
| اَلْمُجِيْبُ ھود:۶۱ | قبول کرنے والا | اَلرَّحْمٰنُ الفاتحہ:۲ | نہایت مہربان |
| اَللَّطِيْفُ الملک:۱۴ | باریک بیں | اَلْمُقِيْتُ النساء:۸۵ | ہر جاندار کو خوراک دینے والا |
| اَلسَّمِيْعُ المجادلۃ:۱ | سب سننے والا | اَلنَّصِيْرُ النساء:۴۵ | مددگار (مدد کرنے والا) |
| اَلْوَكِيْلُ آل عمران:۱۷۳ | کارساز (کام بنانے والا) | اَلْعَالِمُ الشوریٰ:۵۱ | علم والا |
| اَلْعَلِيُّ الانعام:۶۵ | سب سے بلند وبالا | اَلْقَوِيُّ الشوریٰ:۱۹ | سب سے زیادہ قوت والا |
| اَلْقَادِرُ الشوریٰ:۱۹ | قدرت، اختیار والا | اَلْمُؤْمِنُ الحشر:۲۳ | امن دینے والا |
| اَلْمَلِكُ ھود:۴۳ | حقیقی بادشاہ | اَلْمَجِيْدُ الحشر:۲۳ | بزرگی والا بڑی شان والا |
| اَلْوَاحِدُ الرعد:۱۶ | اکیلا | اَلْوَلِيُّ الشوریٰ:۹ | مددگار، دوست |

## وہ اسماء جو سنت رسول ﷺ میں وارد ہوئے ہیں:

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَلْجَمِيْلُ مسلم: ۱۴۷ | سب سے زیادہ خوبصورت | اَلْجَوَّادُ ترمذی: ۲۴۹۵ | سب سے زیادہ نوازنے والا |
| اَلْحَكَمُ ابوداؤد: ۴۹۵۵ | فیصلہ کرنے والا | اَلرَّفِيْقُ بخاری: ۶۹۲۷ | مہربان دوست |
| اَلسُّبُّوحُ مسلم: ۴۸۷ | ہر برائی اور عیب سے پاک | اَلسَّيِّدُ ابوداؤد: ۴۸۰۶ | سردار |
| اَلْقَابِضُ ترمذی: ۳۰۰۷ | تنگ کرنے والا | اَلْبَاسِطُ ترمذی: ۳۵۰۷ | کشادہ کرنے والا |
| اَلْمُقَدِّمُ بخاری: ۱۱۲۰ | آگے لانے والا | اَلْمُعْطِي بخاری: ۳۱۱۶ | دینے والا |
| اَلْمَنَّانُ ابوداؤد: ۱۴۹۵ | احسان کرنے واالا | اَلْوِتْرُ بخاری: ۶۴۱۰ | تنہا و یکتا |
| اَلْحَيُّ ابوداؤد: ۴۰۱۲ | ہمیشہ زندہ | اَلشَّافِي بخاری: ۵۷۴۲ | شفاءعطا کرنے والا |
| اَلْمُؤَخِّرُ بخاری: ۱۱۲۰ | پیچھے ہٹانے والا | اَلرَّبُّ النسائی: ۵۷۴ | پالنے والا |
| اَلطَّيِّبُ مسلم: ۱۰۱۵ | پاک | اَلْمُحْسِنُ صحیح الجامع: ۱۸۱۹ | احسان کرنے والا |

یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اختیار کیا ہے، تفصیل کچھ یوں ہے کہ ان اسماء میں سے اکیاسی (۸۱) نام کتاب اللہ میں اور اٹھارہ (۱۸) نام حدیث رسول ﷺ میں آئے ہیں، اگرچہ صفت ''حفی'' کو ان ناموں میں شمار کرنے میں تردد واقع ہوا ہے، کیونکہ کلام اللہ میں یہ صفت مقید وارد ہوئی ہے، ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کو سلام کہتے ہیں، اور فرماتے ہیں میں اپنے رب سے آپ کے لئے مغفرت طلب کروں گا: ﴿إِنَّهُۥ كَانَ بِي حَفِيًّا﴾ ''وہ بے شک مجھ پر بڑا مہربان ہے۔''

### جملہ معترضہ:

ابراہیم علیہ السلام اپنے کافر باپ کا انتہائی شدید جواب سن کر بھی حد ادب سے نہیں نکلے اور اس کے لئے سلامتی کی دعا کی، گویا یہ کہنا چاہا کہ اگرچہ آپ مجھے سنگسار کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں، لیکن مجھ سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، میں اپنے رب سے آپ کی مغفرت کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بہت ہی کرم فرما ہے، مجھے مایوس نہیں کرے گا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے برائی کا جواب بھلائی سے دیا، جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے مومنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایک وصف یہ بھی بیان کیا کہ جب جاہل لوگ ان سے گفتگو کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہو۔ یعنی میں تم سے جھگڑنا نہیں چاہتا ہوں۔

﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾﴾ (الفرقان: ٦٣)

''اور جب نادان لوگ ان کے منہ لگتے ہیں تو (رحمٰن کے نیک بندے) سلام کر کے گزر جاتے ہیں۔''

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ وعدہ کہ وہ اللہ سے اس کے لئے مغفرت طلب کریں گے، اس توقع کی بنیاد پر تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا اور کفر پر نہیں مرے گا، چنانچہ ایک طویل مدت تک وہ اس کے لئے استغفار کرتے رہے، شام کی طرف ہجرت کر جانے، مسجد حرام بنانے اور اسحاق و اسماعیل کی ولادت کے بعد بھی اس کے لئے دعا کرتے رہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾﴾ (ابراهيم: ٤١)

''اے ہمارے رب! قیامت کے دن مجھے معاف کر دینا، اور میرے ماں باپ کو اور تمام مومنوں کو بھی۔''

لیکن جب انہیں یقین ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے اپنی براءت کا اعلان کر دیا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾﴾ (التوبه: ١١٤)

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا صرف اُس وعدے کے سبب تھا جو انہوں نے اس سے کر رکھا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے اظہارِ براءت کر دیا، واقعی ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔''

## یقیناً وہ اللہ باری تعالیٰ طاق ہے اور طاق عدد کو محبوب رکھتا ہے:

وِتْرٌ: وتر کے معنی ہیں مفرد یعنی ایک ہونا، اور عمومی طور پر اس کا استعمال جفت کے مقابل ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک اور نظیر و مماثل نہیں ہے۔

يُحِبُّ الْوِتْرَ: طاق کو پسند فرماتا ہے تو اس سے اعمال اور اکثر اطاعت کے کاموں میں عددِ طاق کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ جیسے وتر نماز کی تعداد ایک، تین، پانچ، سات، نو وغیرہ اور آپ ﷺ کا عید کے روز طاق کھجوریں کھانا وغیرہ۔

مذکورہ حدیث کی رو سے بھی نماز جنازہ میں تین (طاق) صفیں بنانا مستحب عمل ہے۔

(احكام الجنائز، للالبانی، ص: ٩٩)

# مالدار کی بجائے غریب کو دیکھو

۳۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِى الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو اس سے مال اور شکل وصورت میں عمدہ ہے تو وہ اس شخص کی طرف (بھی) نظر کرے، جو اس سے (ان خوبیوں سے) کم درجہ کا حامل ہے جس پر مفردات اسے اس شخص پر فضیلت دی گئی ہے۔''

**مفردات الحديث:** ......فِى الْمَالِ وَالْخَلْقِ : مذکورہ حدیث میں لفظ ''خَلْق'' استعمال ہوا ہے، جسے خاء کے فتح (زبر) اور لام کے ساکن (جزم) سے ادا کرنا ہے، نہ کہ ''خُلُق'' یعنی خاء کے ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھنا ہے کیونکہ اس سے معنٰی میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح السنۃ'' میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔ جس میں لفظ خَلق کی بجائے لفظ ''جسم'' مستعمل ہے۔ تو اس سے واضح ہے کہ یہاں خُلق کے بجائے خَلق ہی استعمال کیا جائے گا۔ اور (غالبًا) اسی وجہ سے بعض علماء نے ''فِى الْمَالَ وَ الْخلق'' کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے (چہرہ) حسن یا باوقار ہونے کی فضیلت مراد ہے۔

**شرح الحديث:** ...... یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک میں جس کام سے روکا گیا ہے وہ اپنے سے بلند درجہ حامل شخص کی طرف دیکھنا ہے۔ اس روکنے اور منع کرنے کا سبب اور حکمتِ حسد کو ختم کرنا ہے یا پھر تواضع اور انکساری پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
((انْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلاَ تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ ، فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لاَ تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ )) (صحيح مسلم، كتاب الزهد، رقم: ٧٤٣٠)
''تم اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے کم حیثیت ہے، اور اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو تم سے برتر ہے۔

---

(۳۵)...... صحيح البخاری، کتاب الرقاق، باب ينظر إلى من هو أسفل منه، ولا ينظر إلى من هو فوقه، رقم: ٦٤٩٠۔ صحيح مسلم، كتاب الزهد و الرّقائق ٧٤٢٩، وحدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن ابی هريرة عن النبی ﷺ، وذلك احالة على حديث ما قبله......۔ مسند احمد: ٤٩/١٦۔ شرح السنة، باب النظر إلى من هو أسفل: ٢٩٢/١٤٠ وقال: هذا حديث متفق على صحته.

بلا شبہ یہ زیادہ مناسب ہے کہ اس سے تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناقدری نہیں کرو گے۔''

اس مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہو گیا کہ جو شخص اپنے سے بلند پایہ شخص کی طرف توجہ مرکوز کرتا ہے، اس کی آسائش و آلائش اس کے دماغ پر ڈیرے ڈال دیتی ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ذات باری پر شاکی بن جاتا ہے، لوگوں سے حسد کرنا شروع کر دیتا ہے اور ذاتِ باری کے ان گنت انعامات کو حقیر جانتے ہوئے ان کی ناشکری کرتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس جو لوگ جاگیر دار، سرمایہ دار اور دولت مند لوگوں سے ہٹ کر اپنے جیسے یا اپنے سے کم درجہ لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں، تو اس سے مودت، محبت، اخوت اور بھائی چارہ پیدا ہونے کے ساتھ شکران نعمت نصیب ہوتا ہے، چنانچہ عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ''میں نے اہل دولت کی محفل کو اپنائے رکھا، (مگر مجھے سوائے ذہنی کوفت کے اور کچھ بھی دستیاب نہ ہو سکا) کیونکہ میں نے دیکھا کہ ان کی سواریاں میری سواری سے عمدہ اور ان کے لباس میرے لباس سے شاہانہ ہیں۔ اس کے بعد میں نے فقیروں کی مجلس میں قدم رکھا، تو وہاں جا کر مجھے (قلبی) استراحت میسر ہوئی۔''(شرح السنة: ١٤/ ٢٩٥)

حاصلِ معنٰی یہ ہے کہ جو کوئی اپنے سے بلند درجہ شخص کو دیکھ لیتا ہے، تو اس کے دل میں مال وحشمت اور لباس و جمال کے ساتھ ساتھ حرص بڑھ جاتی ہے۔ اور اس کا نفس ان تمام چیزوں کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حالانکہ اسے یہ نہیں پتہ ہوتا کہ یہ سارا سامانِ عیش میرے لیے آخرت میں باعث وبال بن جائے گا۔ اس کے برعکس جو کوئی اپنے سے کم درجہ کی طرف التفات کرتا ہے تو اس کے دل میں شکرانِ نعمت کے ساتھ ساتھ تواضع و انکساری اور فعل خیر کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کو شکر ادا کرنے والا، صبر کرنے والا قرار دیتا ہے۔ جو شخص دین کے امور میں اپنے سے برتر کی جانب دیکھتا ہے اور اس کی اقتداء کرتا ہے اور دنیوی امور میں اپنے سے کم تر کی جانب دیکھتا ہے اور اللہ کی حمد وثناء بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس پر فضیلت عطا کی ہے اللہ تعالیٰ اس کو شکر ادا کرنے والا، صبر کرنے والا قرار دیتا ہے اور جو شخص دینی امور میں اپنے سے کم تر کی جانب دیکھتا ہے اور دنیوی امور میں اپنے سے برتر کی جانب دیکھتا ہے اور جو کچھ اسے نہیں مل سکا اس پر حزن، ملال کا اظہار کرتا ہے تو اللہ اس کو شکر گزار اور صابر قرار نہیں دیتا۔ (سنن ترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، رقم: ٢٥١٢- مشكوٰة المصابيح، رقم: ٥٢٥٦- فتح الباری: ١١/ ٣٢٣- ارشاد الساری: ٩/ ٢٨٠)

اس حدیث پاک میں دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک تو زہد اور دوسرا مسابقت فی الدین کی ترغیب دلائی گئی ہے لہٰذا دنیاوی امور میں کسی کی اقتداء کرنا قطعی طور پر نامناسب اور غیر معقول ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ کسی کے مال

و دولت اور لباس و جمال کو دیکھ کر اس کے مشابہ بننے کی کوشش مت کرے، ہاں! اگر وہ کسی سے **فوقیت حاصل کرنا** چاہتا ہے، تو اسے مناسب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے **معاملاتِ دین میں فوقیت** حاصل کرے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (البقرة : ١٤٨)

''نیکی وخیرات کے معاملہ میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( لاَ حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ ، فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ فَقَالَ: لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلاَنٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ ، فَقَالَ رَجُلٌ لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلاَنٌ ، فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ . ))

(صحيح بخارى، كتاب فضائل القرآن، رقم: ٥٠٢٦۔ مسند احمد: ٢/٤٧٩)

''رشک صرف دو باتوں میں جائز ہے، وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن کا علم دیا اور وہ دن رات اس قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا ہمسایہ سن کر کہتا ہے کہ کاش! مجھے بھی فلاں شخص کی طرح دیا جاتا تو میں بھی اسی کی طرح عمل کرتا اور دوسرا شخص جسے اللہ نے مال دیا اور حق پر اسے خرچ کرتا ہے، تو اس کا ہمسایہ کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی مال دیا جاتا اس کی مانند تو میں بھی اسی کی طرح عمل کرتا۔''

# جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس جھوٹے برتن کی پاکی

۳۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
(( طُهُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ ، فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال لے تو اس برتن کو (پاکی کیلئے) کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔''

**شرح الحديث:** ...... مذکورہ بالا حدیث میں یہ مسئلہ واضح طور پر بتا دیا گیا کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے، تو اسے پاک کرنے کے لیے سات دفعہ دھونا پڑے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتا پلید ہے اور جس حدیث میں کتے کی نجاستِ کو سات دفعہ دھونے کا حکم ہے، وہ حکم تعبدی ہے۔ شوافع اپنے مؤقف کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ ))

(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، رقم: ٦٤٨)

''جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے، اسے انڈیل دو۔ پھر اسے سات مرتبہ دھو دو۔''

ان کا کہنا ہے کہ جس طرح گھی میں چوہا گرنے سے اس گھی کے پھینکنے کا حکم دیا گیا ہے بعینہ اسی طرح جس برتن میں کتا منہ ڈالے اس برتن کے پانی کو بھی انڈیلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اس مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں: کتا ناپاک ہے، لیکن جس برتن کو کتا منہ لگائے، اسے پاک کرنے کے لیے بغیر کسی حد کے دو یا تین دفعہ دھولیا جائے، جس طرح معمول کے مطابق دیگر نجاسات کو دھویا جاتا ہے۔

---

(**٣٦**)...... صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، رقم: ٦٥٢، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن محمد رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد: ٤٩/١٦۔ مصنف عبدالرزاق، باب الكلب يلغ فى الإناء، و لفظه "طهور إناء أحدكم إذا وَلَغَ فيه الكلب أن يغسله سبع مرات: ٩٦/١، رقم: ٣٢٩۔ السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطهارة، باب غسل الإناء من ولوغ الكلب سبع مرات: ٣٤٠/١.

احناف نے اس مسئلہ کے متعلق جتنی بھی احادیث ہیں، انہیں رد کر دیا ہے۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اس کے معنی و مفہوم کو خوب جاننے والے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ کتے کے منہ لگائے برتن کو پاک کرنے کے لیے دو یا تین مرتبہ دھونے کا فتویٰ صادر فرمایا کرتے ہیں۔

اس کے بعد امام طحاوی رقم طراز ہیں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ اس بات کا غماز ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث یا تو درست نہیں ہے یا پھر انہیں اس کے منسوخ ہونے کا علم ہو گیا تھا۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ احناف کے اس جواب کو قابل اعتناء نہیں سمجھتے، اس لیے کہ دلیل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے نہ کہ خلافِ سنت۔ (دیکھئے تفصیل کے لیے: الاستذکار: ۲۵۸/۱، ۲۶۰)

علاوہ ازیں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ کے متعلق اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ جس برتن سے کتے نے پانی پیا ہے وہ معمولی مقدار میں پانی ہو یا کوئی اور مائع چیز ہو، وہ پلید ہے اور وہ برتن اس وقت تک پاک نہیں ہوسکتا، جب تک اسے سات مرتبہ پانی اور ان سات مرتبہ میں سے ایک مرتبہ مٹی رگڑ کر دھو نہ لیا جائے۔

اور اصحاب الرائے کا اس بارے موقف ہے کہ جس برتن کو کتا منہ لگا لے اسے پاک کرنے کے لیے اور کوئی عدد معین نہیں، بلکہ وہ برتن بقیہ نجاسات پر محمول ہوگا، یعنی دو یا تین دفعہ دھویا جائے گا۔ کتے کے منہ لگائے برتن کو سات مرتبہ پانی اور ان میں ایک مرتبہ مٹی سے دھونے کی جو علت ہے، وہ یہ ہے کہ برتن کو ان مہلک جراثیم سے مبرا کرنا ہے، جو کتے کے منہ لگانے سے لاحق ہوئے ہیں۔

(الاسلام والطب، ص: ۲۸۶۔ السنة والعلم والحديث، ص: ۷۶، ۷۷)

# نماز باجماعت کی تاکید اور سستی کرنے والوں کے لیے وعید شدید

۳۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ فِتْيَانِىْ اَنْ يَّسْتَعِدُّوْا لِىْ بِحُزَمِ حَطَبٍ ، ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا يُصَلِّىْ بِالنَّاسِ ، ثُمَّ نُحَرِّقُ بُيُوْتًا عَلٰى مَنْ فِيْهَا . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نے پختہ عزم کیا تھا، اپنے جوانوں کو حکم دوں کہ وہ میرے لیے لکڑیوں کی گٹھڑیاں تیار کریں، پھر میں کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ بعد ازاں گھروں کو ان مکینوں سمیت جلا دیں (جو باجماعت نماز میں شامل نہیں ہوئے)

**شرح الحديث:** ......اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا فرض عین ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں: ''نماز باجماعت ادا کرنا فرضِ عین ہے نہ کہ سنت اور فرض کفایہ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر باجماعت نماز ادا کرنا سنت ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کے تارک کے لیے جھلسا دینے والی اتنی غضبناک وعید (قطعاً) بیان نہ فرماتے۔

اور اگر یہ فعل فرض کفایہ ہوتا، تو پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ جو لوگ شریک تھے، ان ہی کے لیے کافی تھا کہ وہ ایک ساتھ ہو کر یہ فرض نبھا دیں۔ اتنے تکلفات کی کیا ضرورت تھی کہ لوگوں کو نماز کے لیے بلایا جائے اور ان میں سے کسی ایک کو مصلّیٔ امامت پر کھڑا کر کے لوگوں سمیت ان کے گھروں کو نظر آتش کیا جائے، یعنی ایسی باتیں کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

---

(**۳۷**)...... صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب وجوب صلوة الجماعة، رقم: ٦٤٤۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، باب فضل الجماعة، رقم: ٦٥١/٢٥٣، وحدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فذكر احاديث منها وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ......۔ مسند احمد: ١٠/١٦۔ السنن الكبرىٰ، للبيهقى : ٥٥/٣، كتاب الصلوٰة، باب ماجآء من التشديد فى ترك الجماعة من غير عذر۔ مصنف عبدالرزاق، باب شهود الجماعة، رقم: ١٩٨٥.

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسی لیے بعض فقہاء نے اس فرمانِ نبوی ﷺ سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا فرضِ عین ہے۔ جن فقہاء کرام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے، وہ عطاء، اوزاعی، احمد، ابوثور، ابن خزیمہ، ابن المنذر، ابن حبان اور امام بخاری رحمہم اللہ ہیں۔

(فتح الباری: ۲/۱۲۵۔ ۱۲۹)

## فوائد حدیث:

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے ماخوذ کئی فوائد بیان کیے ہیں، جو ذیل کی سطور میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ ہمیشہ سزا دینے سے قبل وعید کو مقدم رکھنا چاہیے، اس لیے کہ اگر اصلاح غلطی فقط ڈانٹ ڈپٹ اور مختصر سزا سے ہو جائے، تو بجائے بڑی سزا دینے کے اسی مختصر پر اکتفا کیا جائے۔

۲۔ حق کی وجہ سے کسی بھی شخص کو اس کے گھر سے نکالا جا سکتا ہے۔ جب کہ وہ گھر میں روپوش ہوئے بیٹھا ہو اور اسے نکالنے کے لیے ہر ممکنہ طریقہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا، یعنی آگ سے جلانے کا۔

۳۔ غفلت پر مجرم کی گرفت کرنا۔

۴۔ بلا استحلاف قسم کھانا جائز ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے قسم کھائی تھی۔

۵۔ کسی عذر کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہونا جائز ہے۔ جیسا کہ مرض، خوف، کسی ظالم یا درندے کے آنے کی وجہ سے نماز کا فوت ہو جانا بھی اسی سے متعلق ہے۔

۶۔ کسی مصلحت کے سبب افضل کی موجودگی میں مفضول (مراد یہ ہے کہ مرتبت اور علم میں کم ہو) شخص نماز پڑھا سکتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا۔ (عمدۃ القاری: ٤/ ٣٣٣۔ ٣٣٥)

آخر میں ہم یہ بات عرض کرتے ہیں کہ نماز باجماعت ادا کرنا ہی نماز کے شایان شان ہے اور ساتھ ساتھ اسلام سے مودت، محبت اور موانست کا اظہار بھی اور بلا عذر جماعت سے انفرادیت اختیار کرنا غیر مناسب اور غیر معقول ہے۔

# ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت

۳۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِ اَحَدِكُمْ اَوْ شِرَاكَهٗ، فَلَا يَمْشِ فِيْ اِحْدَاهُمَا بِنَعْلٍ وَاحِدٍ، وَالْاُخْرٰى حَافِيَةً، لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيْعًا))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ یا پٹی ٹوٹ جائے تو وہ اس حالت میں نہ چلے کہ ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا پاؤں ننگا ہو، بلکہ وہ دونوں پاؤں سے جوتے اتار دے یا دونوں پاؤں ننگے رکھ کر چلے۔''

**شرح الحديث:** ...... نبی ﷺ کا ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع فرمانے میں کئی حکمتیں مضمر ہیں اور اس نہی کے مختلف اسباب ہیں۔ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک جوتا پہن کر چلنے سے اس لیے منع فرمایا کہ اس طرح چلنے سے بندے کو مشقت سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور ساتھ ساتھ گرنے اور چوٹ کھانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ دیکھنے والی آنکھوں میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید اس کا ایک پاؤں بڑا اور دوسرا چھوٹا ہے۔

ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک جوتے میں چلنا شیطانی چال ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسی حالت میں چلنا کہ ایک پاؤں جوتے سے مستور اور دوسرا برہنہ، یہ طریقہ باعث بدنامی شرعاً ممنوع ہے، چاہے وہ لباس کے حوالے سے ہو یا کسی اور شہرت کے کام سے متعلق۔ اس کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ ایک زرّیں اصول بیان فرماتے ہیں:

---

(۳۸)...... صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب لا یمشی فی نعل واحدة، رقم: ۵۸۵۵۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب استحباب لبس النعل فی الیُمنیٰ أولاً، والخلع من الیُسریٰ أولا، وکراهة المشی فی نعل واحدة، رقم: ۲۰۹۷/۶۸ و ۲۰۹۸/۶۹۔ مسند احمد: ۵۱/۱۶، رقم: ۲۸/۸۱۳۶، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... ۔ شرح السنة، باب لا يمش فی نعل واحد: ۷۷/۱۲.

((فَكُلّ شيئٍ خُيِّرَ صَاحِبُهُ شُهْرَة فَحقُّهُ أَنْ يَّجْتَنِبَ))

''ہر وہ چیز جو انسان کی شہرت کا باعث ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔''

(عمدة القاری: ۵۲/۱۸۔ فتح الباری: ۳۰۹/۱۰، ۳۱۰.)

امام بغوی فرماتے ہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''سنت طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی صاحب بیٹھنے لگے تو جوتے اتار کر اپنی ایک جانب رکھ دے۔ (شرح السنہ: ۷۸/۱۲)

ایک جوتا پہن کر چلنے سے قطعی گریز کرنا چاہیے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اتباع ہو سکے۔

# نذر تقدیر کو نہیں ٹالتی، البتہ نذر ماننے سے بخیل کا مال نکالا جاتا ہے

۳۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((لَا يَأْتِي ابْنَ اٰدَمَ النَّذْرُ بِشَيْءٍ مَا لَمْ يَكُنْ قَدَّرْتُهُ ، وَلٰكِنَّهُ يُلْفِيْهِ النَّذْرُ وَقَدْ قَدَّرْتُهُ لَهُ ، أُسْتَخْرِجَ بِهِ مِنَ الْبَخِيْلِ ، وَيُؤْتِيْنِيْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ اٰتَانِيْ مِنْ قَبْلُ .))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) نذر ابن آدم کو ایسی چیز نہیں دیتی جو میں نے اس کے مقدر میں نہ لکھی ہو، بلکہ نذر اسے اس چیز سے ہمکنار کرتی ہے جو میں نے اس کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ میں اس کے ذریعے بخیل سے مال نکلواتا ہوں اور نذر کے باعث وہ مجھے اس قدر دیتا ہے، جتنا وہ مجھے نذر سے قبل نہیں دے سکتا تھا۔''

**شرح الحديث:** ...... یہ حدیث قدسی ہے، اگرچہ بظاہر "قال الله تعالیٰ" کے الفاظ اس میں مذکور نہیں ہیں، کیونکہ ''مُقَدِّرٌ''، اَلْمُسْتَخْرِجُ اور اَلْمُؤْتِی وغیرہ' ان الفاظ کی مستحق ذات صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

اس حدیث قدسی کا مطلب بڑا صاف اور واضح ہے کہ نذر کو کسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے یا نہ پہنچانے، اسی طرح تقدیر کو بدلنے میں کوئی دخل نہیں، لہٰذا ابن آدم کو چاہیے کہ وہ بجائے ''نذر'' پر ایمان رکھنے کے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھے، اس کے علاوہ کسی کام کا ہونا یا نہ ہونا اللہ کی مشیت پر چھوڑ دے۔

البتہ اس حدیث سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ بخیل آدمی اپنے مال سے تب ہی خرچ کرتا ہے جب اس کی مَنَّت پوری ہو جائے، مَنَّت پوری ہوئے بغیر (ایک روپیہ بھی) خرچ کرنا گوارہ نہیں کرتا۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب محمد ﷺ کی زبان مبارک سے لوگوں کو مطلع کرا دیا کہ ''منت ماننا'' نہ

---

(۳۹) ...... صحیح بخاری، کتاب القدر، باب ایفاء النذر العبد إلى القدر، رقم: ٦٦٠٩، حدثنا بشر بن محمد، اخبرنا عبدالله، أخبرنا معمر، عن همام بن منبه عن ابى هريره رضی اللہ عنہ عن النبى ﷺ قال: ......۔ صحيح مسلم: كتاب النذر، باب النهى عن النذر و أنه لايرد شيئا، رقم: ٢، ٣، ٤/١٦٢٩۔ مسند احمد: ٥١/١٦، رقم: ٣٩/٨١٣٧، بسنده للصحيفة و فيه۔ "ولكن يلقيه النذر بما قد قدرته له".

تو ابن آدم کے لیے سود مند بن سکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی مشکل و تکلیف سے چھٹکارہ دلا سکتا ہے۔ اور (اسی طرح یہ بات بھی واضح رہے کہ) ''منت ماننا'' اللہ تعالیٰ کی لکھی تقدیر کو تبدیل بھی نہیں کر سکتا، بہر حال اگر کسی نے جائز کام کی منت مان بھی لی ہے تو اسے چاہیے کہ (پوری صداقت سے) اس منت کو پورا کرے، پھر وہ لیت ولعل سے کام نہ لے۔ اس پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے اور یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایجاب منت کے بعد تکاسل و تغافل سے قطعی گریز کرنا چاہیے۔

## نذر کے باعث کنجوس آدمی اللہ کی رضا کی خاطر تھوڑا سا صدقہ کرتا ہے، جو عام حالات میں نہیں کرتا:

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ تنگ دل آدمی منت ماننے کی وجہ سے اپنا مال ضرور خرچ کرتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ مانی ہوئی منت کا پورا کرنا بہت ضروری ہے، البتہ غیر شرعی کام کی تکمیل پر منت پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

## ابن آدم بذریعہ نذر کوئی ایسی چیز حاصل نہیں کر سکتا، جو اللہ نے اس کے مقدر میں نہیں لکھی:

اہل علم کا کہنا ہے کہ منت کو بہر حال پورا کرنا ہے، چاہے وہ معلق ہو یا غیر معلق۔

**نذر معلق:** کوئی شخص نذر مانے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفایاب کر دیا تو میں ایک روزہ رکھوں گا یا مال صدقہ کروں گا۔

**نذر مطلق:** کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں رضا الٰہی کی خاطر یہ کام کروں گا۔ اور نذر کو کسی کام کے ساتھ مقید نہ کرے۔

ان ہر دو نذروں کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ نذر عبادت ہے، اور اس کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ (الحج : ٢٩)

''اور وہ (حج کرنے والے) اپنی نذریں پوری کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیکوکار بندوں کی علامات بیان کرتے ہوئے ان کے اس وصف کو نمایاں طور پر بیان کیا کہ وہ جو نذر و نیاز مانتے ہیں، اس کو پورا کرتے ہیں: ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ (الدھر : ٧)

''وہ (مومنین) نذر پوری کرتے ہیں۔''

سیّدنا عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے، عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، رقم: ٦٦٩٧)

حتیٰ کہ جو مر گیا ہو اور اس پر کوئی نذر باقی رہ گئی ہو تو اس کا ولی وہ نذر پوری کرے، سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک عورت سے، جس کی ماں نے قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی کہا کہ اس کی طرف سے تم پڑھ لو۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب من مات وعلیه نذر، معلقا)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ حج کرے گی لیکن اب اس کا انتقال ہو چکا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس پر کوئی فرض ہوتا تو کیا اسے ادا کرتا؟ اس نے عرض کیا؟ ضرور ادا کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر اللہ کا قرض بھی ادا کرو کیونکہ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا قرض پورا ادا کیا جائے۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، رقم: ٦٦٩٩)

## وہ نذریں جن کا پورا نہ کرنا ضروری ہے:

کچھ ایسی نذریں ہوتی ہیں کہ ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھا شخص دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے سہارے لڑکھڑاتا چل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس کا کیا مسئلہ ہے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ اس نے بیت اللہ تک پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( إِنَّ اللّٰهَ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ ، وَاَمَرَهُ اَنْ يَرْكَبَ ))

(صحیح بخاری، کتاب العمرة، رقم: ١٨٦٥)

’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے اپنی جان کو عذاب میں مبتلا کرنے سے غنی (بے پرواہ) ہے، اور اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔‘‘

ایسے ہی نذر معصیت کا نہ پورا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَهُ فَـلَا يَعْصِهِ . ))

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، والنذور، رقم: ٦٦٩٦، ٦٧٠٠)

’’جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہو اسے چاہیے کہ اطاعت کرے اور جس نے گناہ کی نذر مانی ہو پس وہ گناہ نہ کرے۔‘‘

## نذر ماننے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟

منت ماننے سے متعلق جو نہی وارد ہوئی ہے، اس کی علت یہ ہے کہ وہ تقدیر کو بدلنے کی غرض سے نہ ہو، کیونکہ ممنوع منت میں یہ قصد وارادہ داخل ہوتا ہے کہ اس سے حصولِ غرض یا دفعِ ضرر تو ضرور ملے گا۔ اس بنیاد پر مکروہ ہے

نہ کہ اس سے مطلق نذر ماننا منع ہے۔ کیونکہ اگر مطلق نذر منع ہوتی، تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں آیا ہے کہ اسے پورا کرو، یہ قطعاً نہ ہوتا۔ حالانکہ ایفائے منت پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے، بشرطیکہ وہ ارتکابِ معصیت کی طرف لے جانے والی نہ ہو، اس پر مستزاد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "اِنَّمَا اُسْتَخْرِجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيْلِ."

اس فرمان میں بھی ایفائے منت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ جو صاحب بخیل نہیں ہوتا، وہ بغیر منت مانے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے، اس کے برعکس کنجوس آدمی صرف اسی صورت میں راہِ الٰہی میں خرچ کرتا ہے۔ جب اس پر منت واجب ہو۔ دیکھئے! صحیح مسلم ط، دارالتحریر: ۵/ ۷۷۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر حدیث کے آخری الفاظ جو بعض دوسری روایات میں مذکور ہیں، دلیل ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ((وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنْفِقْ أُنْفِقُ عَلَيْكَ)) "تو (میرے لیے) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔" (سنن ابن ماجه، كتاب الكفارات، باب النهى عن النذر، رقم: ۲۱۲۳۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔)

بہر حال یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس حدیث سے مراد لوگوں کو (راہِ الٰہی میں) بغیر کسی علت وتعلیل کے خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ (مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ فتح الباری: ۱۱/ ۵۷۷)

## نذر لغیر اللہ کی ممانعت:

مولانا رضا الحسن قادری لکھتے ہیں: نذر عرفی: وہ نذر جس کا پورا کرنا مستحب (پسندیدہ) ہو۔ اس کے پورا کرنے پر ثواب ہو اور نہ کرنے پر گناہ نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں ختم گیارہویں شریف دلواؤں گا، کسی نبی، ولی کے دربار شریف پر لنگر تقسیم کروں گا۔

یاد رہے! مزارات پر اگر کوئی چیز بانٹی جائے یا لنگر تقسیم کیا جائے تو اس سے صرف اور صرف تقرب الٰہی مقصود ہو نہ کہ صاحب مزار کی قربت، نیز لنگر وہیں تقسیم کیا جائے جہاں غرباء، وفقراء کو فائدہ ہو۔ نذر اور منت کے مسائل کی تفصیل بہار شریعت (۹/ ۱۷ تا ۲۱) ملاحظہ فرمائیں۔

قارئین کرام! مولانا کی یہ بات جہالت اور شرک سے لبریز ہے۔ مثل مشہور ہے:

اَلْإِنَاءُ يَتَرَشَّحُ مَافِيْهِ

کسی دربار پر نذر تقرب الٰہی کی خاطر اور وہاں لنگر تقسیم کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ ہے۔ ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مقام بوانہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی، اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا دور جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا ہوتی تھی لوگوں نے کہا، نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، کیا وہاں جاہلیت کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ صحابہ نے کہا، نہیں۔ تو آپ ﷺ نے اس آدمی سے کہا کہ اپنی نذر پوری کرو۔ اللہ کی نافرمانی کر کے نذر نہیں پوری کی جائے گی۔ (سنن

ابوداود، كتاب الايمان، والنذور، رقم: ٢٣١٣١ـ سنن ابن ماجة، رقم: ٢١٣١ـ المشكاة، رقم: ٣٤٣٧ـ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے)

شاہ عبدالعزیز محدث رحمہ اللہ فتاویٰ عزیزی (ص:۵۱۶) پر رقمطراز ہیں: ''اور غرائب ابی عبید اور بستان الفقیہ اور کنز العباد میں ہے کہ جائز نہیں ہے ذبح کرنا گائے اور بکری کو قبروں کے نزدیک، اس واسطے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''عقر'' یعنی قبروں کے نزدیک ذبح کرنا اسلام میں نہیں، ایسا ہی سنن ابوداؤد میں ہے۔''

## منع پر اجماع امت:

علامہ حصفکی حنفی رقم طراز ہیں:

((واعلم أن النذر الذى يقع للاموات من اكثر العوام وما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالاجماع باطل وحرام)) (الدر المختار: ١/١٥٥)

''جان لو! کہ اکثر لوگ وہ بزرگوں کے نام پر جو نذریں، نیازیں دیتے ہیں، اور جو روپے پیسے، تیل اور چراغ وغیرہ بطور نذر کے مزارات اولیاء پر تقرب کی غرض سے لائے جاتے ہیں، یہ سب کچھ بالاجماع باطل اور حرام ہے۔''

علامہ احمد الرومی الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا يجوز ان ينذر للقبور الشمع ولا الزيت ولا غير ذلك فانه نذر معصية لا يجوز الوفاء به بل يلزم الكفارة مثل كفارة اليمين.))

(مجالس الابرار، ص: ٢٠، مطبوعه الرياض)

''قبروں کے لیے شمع، تیل وغیرہ نذر ماننا جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ معصیت و نافرمان کی نذر ہے جو پوری کرنا جائز نہیں بلکہ اس پر قسم کے کفارے جیسا کفارہ لازم آئے گا۔''

علامہ صنع اللہ الحنفی فرماتے ہیں:

''ذبح اور نذر لغیر اللہ باطل ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

((قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانعام: ١٦٢)

''آپ کہہ دیجئے یقیناً میری نذر، میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا (اس) اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔''

لہٰذا نذر لغیر اللہ اس طرح شرک ہے، جیسا کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک ہے۔ (مغنی المرید: ١١٣٧/٣)

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

''غیر اللہ کی نذر ومنت حرام ہے اور منذور وغیرہ خواہ شرینی ہو یا رخونی، ہر امیر وفقیر پر اس کا کھانا حرام ہے۔'' (فتاوی عبدالحی لکھنوی)

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور اگر منذور غیر خدا جانور ہو تو عندالذبح اس پر خدا کا نام لینا کچھ مفید نہیں پڑتا، اور وہ مردار اور خنزیر کی طرح حرام ہی رہتا ہے۔'' (تفسیر عزیزی: ١/ ٦٩١)

غور فرمائیں کہ حنفی علماء بھی اس نذر کی حرمت کے قائل ہیں۔ مشرکین مکہ اپنے مویشی اور کھیتی باڑی میں غیر اللہ کی نیاز اور حصہ مقرر کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ۝﴾

(النحل: ٥٦)

''اور ہم نے انہیں جو روزی دی ہے، اس میں سے ان معبودوں کے لیے حصہ نکالتے ہیں جن کے معبود ہونے کی انہیں کوئی خبر نہیں، اللہ کی قسم! تم جو افترا پردازی کرتے ہو اس کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔''

مشرکین اپنے بتوں کے نام پر نذر و نیاز دیتے تھے کہ یہ بت انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے، اور اللہ کے حضور ان کی سفارش کر دیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین کہتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر: ٣)

''ہم ان کی عبادت محض اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔''

پس معلوم ہوا کہ ایسی نذر، نذر معصیت ہی ہے، اسے پورا کر کے اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک و بدعات سے بچنے کی توفیق دے۔''

# انفاق فی سبیل اللہ کی برکت

۴۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِيْ : اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَيْكَ ، وَسَمَّى الْحَرْبَ " خُدْعَةً " . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ (تعالیٰ) نے مجھے ارشاد فرمایا (اے میرے بندے!) تو خیر کے راستہ میں اپنا مال خرچ کر، تو میں تجھ پر خرچ کروں گا اور رسول اللہ ﷺ نے جنگ کا نام دھوکہ و چال بازی رکھا ہے۔''

**شرح الحديث:**...... یہ بات یاد رہے کہ یہ حدیث دو اجزاء پر مشتمل ہے۔

**اول:** حدیث قدسی اور وہ یہ ہے، ''أَنْفِقْ أُنْفِقْ عِلَيْكَ''

**ثاني:** حدیث نبوی ﷺ، اور وہ یہ ہے ''وَ سَمَّى الْحَرْبَ خُدْعَةً''.

یہ بات بھی یاد رہے کہ مذکورہ حدیث اصل میں دو الگ الگ حدیثیں ہیں۔ جو ایک ہی سند سے روایت کی گئیں ہیں۔ اور جہاں تک جزء ثانی کا تعلق ہے، تو وہ مکرر ہے، یعنی وہ حدیث نمبر ۳۰ میں گذر چکی ہے اور اس جگہ اس کی تخریج بھی موجود ہے۔

حدیث قدسی میں وارد لفظ ''أَنْـفِـقْ'' کی عمومیت سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ انفاقِ مال کی ترغیب بغیر کسی تقیید و تعیین کے ہے۔ یعنی مال خرچ کرنے میں کسی قسم کی مقدار، پیمانہ اور حد بندی بیان نہیں کی گئی، کیونکہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے، وہ خیر و بھلائی کی تمام اقسام کو شامل ہوتا ہے۔ (فتح الباری: ۹/ ۴۹۹)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ''حدیث قدسی ''أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ'' عین مشابہ و مترادف ہے، اللہ عزوجل کے اس فرمان کے جو سورۃ سباء میں ہے: ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ﴾ (سبا: ۳۹)

''اور (اس کی راہ میں) تم لوگ جتنا مال خرچ کرتے ہو، وہ تمہیں اس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا۔''

---

(۴۰) ...... صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله "وكان عرشه على المآء"، رقم: ٤٦٨٤ و كتاب النفقات، باب فضل النفقه على الأهل، رقم: ٥٣٥٢ـ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الحث على النفقة و تبشير المنفق بالخلف، رقم: ٩٩٣/٣٦، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن راشد عن همام بن منبه اخى وهب بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......ـ مسند احمد: ١٦/ ٣٥،٥٢، رقم: ٨١٣٨ـ ٤٠، ٤١ـ شرح السنه: ١٥٤/٦، رقم: ١٦٥٦، وقال: هذا حديث متفق عليه على صحته.

پس اس آیت مبارکہ اور حدیث قدسیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں خیر و بھلائی کے راستے پر مال خرچ کرنے کی ترغیب دلا رہی ہیں۔ علاوہ ازیں اس فضل کی بشارت بھی دے رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمہارے خرچ کیے ہوئے مال کو واپس لوٹائے گا۔'' دیکھئے! شرح مسلم، للنووی: ۳۲/۳.

أَنْـفِـقْ أُنْـفِقَ عَلَيْكَ: یعنی ابن آدم جب اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے، تو بادیٔ النظر (عموماً دیکھنے) میں محسوس ہوتا ہے کہ مال میں قلت وکمی واقع ہو رہی ہے۔ جب کہ ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مال اللہ کے یہاں محفوظ ہو جاتا ہے، اور اجر وثواب میں بڑھتا رہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝﴾ (الروم: ۳۹)

''اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو (اور اس سے اللہ کا چہرہ طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو کئی گنا) بڑھانے والے ہیں۔''

انہیں اللہ تعالیٰ دوگنا چوگنا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے:

((مَا تَصَدَّقَ اَحَدٌ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ، اِلَّا اَخَذَهَا رَّحْمٰنُ بِيَمِيْنِهٖ فَيُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ اَوْ فَصِيْلَهٗ ، حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ اَوْ اَعْظَمَ .))

(صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، رقم: ۱۴۱۰۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، رقم: ۶۳، ۶۴/ ۱۰۱۴)

''جو شخص پاک کمائی سے کھجور کے برابر بھی خرچ کرے تو رحمان اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر اس خرچ کرنے والے کے لیے اسے (اس طرح) پروان چڑھاتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کو پالتا پوستا ہے حتیٰ کہ وہ (کھجور) پہاڑ کی طرح یا اس سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔''

اس کے برعکس جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوقات پر خرچ فرماتا ہے، تو اس کے خزانوں میں کسی قسم کی کوئی قلت، نقص اور کمی نہ حقیقت میں واقع ہوتی ہے اور نہ ہی بادیٔ النظر میں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''يَـدُ اللّٰهِ مَلأَى لَا يَغِيْضُهَا نَفْقَةٌ'' (صحیح بخاری، کتاب التوحید، رقم: ۷۴۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، وہ کبھی (بھی) خالی نہیں ہوتا۔

مزید فرمانِ الٰہی بھی ہے: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (النحل: ۹۶)

''جو کچھ تمہارے پاس وہ (ایک نہ ایک دن) ختم ہو جائے گا۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ (ہمیشہ باقی رہے گا) محفوظ رہے گا۔''

# سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ایک چور کا واقعہ

۴۱...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( رَاٰى عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَّسْرِقُ قَالَ لَهٗ عِيْسٰى: سَرَقْتَ؟ قَالَ : كَلَّا ، وَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ . فَقَالَ عِيْسٰى: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَذَّبْتُ بَصَرِيْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام نے کسی شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا (تو اسے کہنے لگے) کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس پر اس شخص نے کہا کہ ''ہرگز نہیں'' مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں (میں نے چوری نہیں کی) چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور (تیرے قسم کھانے کے سبب) میں اپنی آنکھوں کو جھوٹا قرار دیتا ہوں۔''

**شرح الحديث:**......سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے کسی صاحب کو کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا ہو اور اس کے متعلق گمان کیا ہو کہ اس نے کوئی چیز اٹھائی ہے۔ جب اس صاحب نے حلف دیا ہو کہ میں نے کوئی چیز نہیں اٹھائی۔ تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے متعلق ظن کو ترک کر دیا ہو۔

اس حدیث کی رو سے وہ شخص واقعی چور تھا، جیسا کہ الفاظِ حدیث اس پر دلیل ہیں۔ لیکن اس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و عاجزی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے سبب اپنے مشاہدے اور رؤیتِ عینی کا انکار کر دیا۔

اس حدیث کے پیشِ نظر فقہائے مالکیہ اور حنابلہ یہ رائے دیتے ہیں کہ قاضی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ محض اپنے علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کر لے، البتہ فقہائے شافعیہ کے نزدیک سوائے حدود کے بقیہ مقدمات و معاملات میں قاضی کو فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ (ارشاد الساری: ۵/ ۴۱۷)

(۴۱) ...... صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیآء، باب قول الله (وَ اذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ)، رقم: ۳۴۴۴، حدثنا عبدالله بن محمد، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام، عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ......۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام، رقم: ۲۳۶۸/۱۴۶، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد: ۵۳/۱۶، رقم: ۸۱۳۹۔ شرح السنه، باب الستر: ۹۹/۱۳۔ وقال: هذا حديث متفق عليه.

# رسول کریم ﷺ کو دشمن پر رعب عطا ہوا تھا

۴۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :
(( نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ، وَأُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بذریعہ رعب میری نصرت کی گئی ہے اور مجھے جامع کلمات عطا کیے گیے ہیں۔''

**شرح الحديث:** ......

**رعب سے میری نصرت کی گئی:**

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مخالفین و دشمنوں کے دلوں پر ان کی دہشت و ہیبت طاری کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ ''مَسِیْرَةِ شَهْرٍ'' مطلب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اور ان کے مخالفین کے مابین ایک مہینہ کی مسافت ہوتی، تو بھی ان کے دلوں پر رسول اللہ ﷺ کا رعب و دبدبہ طاری رہتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مَسِیْرَةِ شَهْرٍ'' کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت میں نہ اس سے کم مقدار، نہ ہی زیادہ مدت میں کسی اور کی نصرت بذریعہ رعب کی گئی ہے۔ رہی یہ بات کہ سیدنا عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

((وَ نُصِرْتُ عَلَى الْعَدُوِّ بِالرُّعْبِ وَ لَوْکَانَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ مَسِیْرَةُ شَهْرٍ))

''رعب کے ذریعہ سے مجھے اپنے دشمنوں پر نصرت دی گئی ہے، اگرچہ میرے اور ان کے مابین ایک ماہ کا فاصلہ ہو۔''

اس فرمان نبوی ﷺ سے آشکارا ہوتا ہے کہ رعب سے متصف نصرت کا اختصاص جو ہے وہ مطلقاً رسول اللہ ﷺ کی ہستی مبارک کے ساتھ مخصوص ہے، اس اختصاص پر خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی شہادت موجود ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ بیان فرماتے ہیں:

---

(۴۲) ...... صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب قول النبی ﷺ نصرت بالرعب مسیرة شهر، رقم: ۲۹۷۷۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة رقم: ۵۲۳/۸، وحدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ ...... ۔ مسند احمد: ۵۰/۱٦.

((أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطِهُنَّ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِى))

’’مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی، جو مجھ سے قبل کسی نبی کو عطا نہ کی گئیں۔ انہی پانچ میں سے ایک چیز دشمن پر رعب ہے۔‘‘

مزید لکھتے ہیں: ایک ماہ کی مسافت کو غایت اس لیے قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کی مسافت ایک ماہ کی مدت پر محمول تھی۔ اور اس خاصیت کا اطلاق مطلق رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ پر ہوتا ہے حتی کہ آپ ﷺ لشکر کے بغیر بھی ہوں، تو اس خاصیت کا اطلاق ان پر ہوگا۔

(فتح الباری ۱/ ۴۳۷)

آپ ﷺ کی ہیبت وعظمت کا اندازہ فرمائیں کہ جب کفار مکہ نے معاہدہ حدیبیہ کی مخالفت کرتے ہوئے بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کی اور نبی اکرم ﷺ نے اپنے حلیف بنوخزاعہ کی مدد کا اعلان کیا تو ابوسفیان نے اس کے نتائج سے خوفزدہ ہوکر مدینہ کا سفر کیا تاکہ معاہدے کی تجدید ہو سکے۔ اس موقع پر ابوسفیان آپ ﷺ کے پاس آئے مگر آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابوسفیان آپ ﷺ کے بعد ابوبکر وعمر اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس بھی گئے کہ میری بات سنو، اور میری گفتگو نبی اکرم ﷺ سے کرواؤ، مگر سب نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہم کوئی بات کرنے کی جرأت نہیں رکھتے، بالآخر ابوسفیان کو مایوس اور ناکام واپس آنا پڑا، پھر یہی شروعات فتح مکہ کا باعث بنیں۔ (البداية والنهاية: ٤/ ٣٣٠ـ تاريخ ابن جرير: ٢/ ٤٨ـ سيرة ابن هشام، ص: ٥٤١)

## اور مجھے جامعیت بھرے کلمات سے نوازا گیا ہے:

اسی طرح ایک روایت میں ’’بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ‘‘ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ مجھے جامع کلمات سے نوازا گیا ہے۔ علامہ الہروی رحمہ اللہ جامع کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مقدس ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قلیل الفاظ اور معانی کثیر کے مرقع سے مرکب کیا ہے۔ بعینہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات میں بھی الفاظ کی قلت اور معانی کی کثرت پائی جاتی ہے۔ (شرح مسلم، للنووی: ٢/ ١٥٦)

قاضی عیاض رحمہ اللہ ’’الشفاء‘‘ میں فرماتے ہیں: زبان کی فصاحت اور قول کی بلاغت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ سب سے فائق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کلام انتہائی شستہ ورواں، موقع ومحل پر کامل منطبق، نہایت مختصر وبامقصد بہت نکھرا ہوا اور اُجلا، معانی کی صحت پر محیط اور تکلّف سے یکسر خالی تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہیں جامعیت بھرے کلمات سے نوازا گیا تھا، انتہائے لطف یہ کہ ان کلمات کی خصوصیت یہ تھی کہ ان سے حکمتیں پھوٹ پھوٹ کر باہر آتی تھیں۔ ویسے تو رسول اللہ ﷺ کے کلام کا ایک ایک لفظ جامعیت اور وضاحت سے پُر ہے مگر ان کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے بعض لؤلؤ ومرجان بھی ہیں جنہیں خاص جوامع الکلم سے تعبیر کیا جا

سکتا ہے۔

## جوامع الکلم:

''ان میں سے چند ایک ذیل کی سطور میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ ((اَنَا أَفْصَحُ الْعَرَب)) ''میں فصیحانِ عرب میں سب سے فصیح ہوں۔''

۲۔ ((وَلَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ)) ''صاحبِ ایمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔''

(دیکھئے: الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۱/ ۵۰، ۵۷)

۳۔ اور اس طرح یہ فرمان کہ ''اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ'' ''سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔'' (نسیم الریاض: ۱/۴۷۷۔ ۵۳۳)

۴۔ ((أَصْدَقُ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ)) ''اللہ کے کلام سے سچا کوئی کلام نہیں۔''

(الشريعة للآجری: ٤٦۔ الدر المنثور: ۱٤٧/٣)

۵۔ ((أَفْضَلُ الْمَوْتِ الْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ''سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے۔''

(جمع الجوامع، رقم: ۳۸۳۱)

۶۔ ((أَفْضَلُ الْعَمَلِ أَدْوَمُهٗ)) ''سب سے اچھے کام اولوالعزمی کے کام ہیں۔''

(الكاف الشاف في تخريج أحاديث الكشاف، رقم: ۱۷۷)

۷۔ ((اَلْخَمْرُ أُمُّ الْخَبَائِثِ)) ''شراب گناہوں کی ماں ہے۔''

(سلسلة الصحيحة، رقم: ۱۸٥٤)

۸۔ ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ)) ''مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم: ٤٨)

۹۔ ((اَلنِّيَاحَةُ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ)) ''نوحہ کرنا جاہلیت کی یادگار ہے۔''

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، رقم: ۱٥٨١، ۱٥٨٢)

۱۰۔ ((مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ، أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ)) ''جو لوگوں کے عیوب کی تشہیر کرتا ہے اللہ اس کے عیوب فاش کر دیتا ہے۔'' (الدر المنثور: ٦/٩٣)

ان چند فرامین سے رسول اللہ ﷺ کی فصاحت، بلاغت اور سلاستِ کلام کا پہلو نمایاں اور واضح ہے۔ اس قسم کی احادیث پڑھنے اور سننے سے ایمان کی تازگی اور شادابی میں اضافہ ہوتا ہے۔

# رسول کریم ﷺ اللہ کے خزانچی ہیں

۴۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((مَا أُوْتِيْكُمْ مِنْ شَيْءٍ وَّلَا اَمْنَعُكُمُوْهُ ، اِنْ اَنَا اِلَّا خَازِنٌ ، اَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ذاتی طور پر نہ تو تمہیں کوئی چیز عطاء کرتا ہوں اور نہ ہی کسی چیز سے تمہیں روکتا ہوں۔ میں محض خازن ہوں، میں مال وہاں تصرف میں لاتا ہوں جہاں مجھے حکم دیا گیا ہے۔''

**شرح الحديث:** اس حدیث کا تعلق بالخصوص مسئلہ خُمس سے اور بالعموم اسلام کے تمام اوامر ونواہی سے ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کو کسی معاملہ میں تصرف اور منع کا کوئی اختیار نہیں تھا، بلکہ رسول اللہ ﷺ صرف وہی چیز عطاء کرتے اور صرف اس چیز سے منع فرماتے، جس کا حکم اللہ عزوجل کی طرف سے نازل ہوتا۔ کیونکہ وہی ہستی تمام اموال و اختیارات کی مالک اور متصرف فی الامور ہے، وہی دینے والا اور روکنے والا مختارِ کل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ تو نگرانِ خزانہ کی سی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے ہوئے احکامات کو نافذ کرنے والی ہے۔ اب چاہے کسی کو کم ملے یا وافر مقدار میں، یہ دنوں حکم الٰہی پر محمول ہوں گے۔

علاوہ ازیں اس بات پر تمام اہل علم متفق ہیں کہ جب تک مال غنیمت کی تقسیم اور خمس (۱/۵) (جو مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے وقف ہو اس کو خمس کہتے ہیں) اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حصہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کی تقسیم اپنے اجتہاد سے کیا کرتے تھے۔

اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال غنیمت اور خمس کے متعلق بڑے جامع انداز کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى

---

(۴۳) ...... صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب قول الله تعالىٰ (فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ )، رقم: ۳۱۱۷۔ سنن ابی داود، کتاب الخراج و الإمارة، باب فيما يلزم الامارة من امر الرعيه والحجة عنهم، رقم: ۲۹۴۹، حدثنا سلمة بن شبیب، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا به ابو هريرة: قال قال رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد: ۵۳/۱۶، رقم: ۸۱۴۰/۴۲۔ شرح السنه، باب حل الغنيمة لهذه الأمة: ۹۵/۱۱، ۹۶.

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ (الانفال : ٤١)

''اور جان لو کہ تمہیں جو بھی مال غنیمت ہاتھ آئے، اس کا خمس اللہ اور اس کے رسول کے لیے اور (رسول اللہ ﷺ کے) رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوگا۔''

## مال غنیمت اور مال فے کے مابین فرق:

یہاں یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ غنمیت اور مال فئی کے مابین کیا فرق ہے۔

**غنیمت**: اس مال کو کہتے ہیں، جو کفار سے جنگ کے بعد (مسلمانوں کے) ہاتھ میں آئے۔

**فئي**: اس مال کو کہتے ہیں، جو کفار سے جنگ کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ میں آ جائے۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ مالِ غنیمت کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کے لیے وقف کیا جائے گا۔ اور بقیہ چار حصوں کو پورے پورے عدل وانصاف کے ساتھ ان مجاہدین پر تقسیم کیا جائے گا۔ جو اس معرکہ میں شریک ہوئے۔

اس مال کو تقسیم کرنے کی صورت (عین) اس طرح ہوگی، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمائی تھی۔ وہ اس طرح کی جو مجاہد پیدل ہے، اسے صرف ایک حصہ اور جو گھوڑ سوار ہے اسے تین حصوں سے نوازا جائے گا، یعنی ایک حصہ اس کی ذات کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ ''زاد المعاد'' میں لکھتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد ہر قسم کے مال غنیمت کو جمع کرنے کا حکم دیتے تھے اور جس مجاہد نے کسی کافر سے کوئی چیز چھینی ہوتی تھی، وہ اس کے سپرد کر دیتے اور پھر اس مال سے پانچواں حصہ الگ کر کے اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور حاجت مند مسافروں پر خرچ کر دیتے تھے، اس کے بعد جو مال بچ جاتا اسے اسلام اور مسلمانوں کے مصالح عامہ پر خرچ کر دیا کرتے تھے، اور اس کے بعد بقیہ مال کا کچھ حصہ ان عورتوں، بچوں اور غلاموں کو دے دیا کرتے جن کا مال غنیمت میں کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، پھر آخر میں باقی مال اس معرکہ میں شریک ہونے والے تمام مسلمان مجاہدین کے مابین پورے عدل و انصاف کے ساتھ برابر برابر تقسیم کر دیتے تھے۔'' انتہی!

رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان کا اور ان کے ذو القربیٰ کا مالی حصہ جہاد کی ضروریات و تیاریوں میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ اس سے متعلق سیدنا ابوبکر، علی اور قتادہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کی

یہی رائے تھی۔ جب کہ امام مالک اور اکثر اسلاف صالحین کی یہ رائے تھی کہ مال غنیمت میں سے آپ ﷺ کا حصہ خمس حاکم وقت کے سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ دیانت داری کے ساتھ اسے اسلام اور مسلمانوں کی مصالح عامہ پر خرچ کرے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، جو اس رائے کی کسی حد تک تائید کرتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) میری ذات کے لیے ہے لیکن (وہ بھی) تم پر ہی خرچ ہوگا۔''

(تیسیرالرحمن: ۱/۵۳۲)

# امام کی اقتدا ضروری ہے

۴۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((اِنَّمَا الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ، فَاِذَا كَبَّرَ، فَكَبِّرُوْا، وَاِذَا رَكَعَ، فَارْكَعُوْا، وَاِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَاِذَا سَجَدَ، فَاسْجُدُوْا، وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا، فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعِيْنَ.))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امام اسی لیے ہوتا ہے کہ (نماز میں) اس کی اقتداء کی جائے، اس کی خلاف ورزی نہ کرو، چنانچہ جب وہ "اللہ اکبر" کہے، تو تم "اللہ اکبر" کہو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو۔ جب وہ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہے، تو تم (اس کے جواب میں) "اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو، جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

**شرح الحديث:**...... اس فرمانِ نبوی ﷺ سے امام کی عظمت و مرتبت کا ثبوت ملتا ہے کہ احوالِ نماز میں اپنے امام کی پوری صداقت سے اتباع اور اقتداء کی جائے، تاکہ اسے اپنا مقتدی اور متبوع بنانے کا مقصد پورا پورا حاصل ہو جائے۔

بنابریں یہ بات بھی مستحضر رہے کہ دورانِ نماز مقتدی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے امام سے کسی معاملہ میں سبقت یا برابری کرے، بلکہ ہر معاملہ میں اپنے امام کی اتباع کرے۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ امام کی اتباع نماز میں صرف ظاہری افعال پر موقوف ہے، جیسا کہ اس بات کی نشاندہی فرمانِ نبوی ﷺ سے ملتی ہے، "اِذَا رَكَعَ" جب وہ رکوع کرے وغیرہ۔ دیکھئے! فتح الباری: ۱۷۸/۲.

اس وضاحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے رکوع، سجدہ، قیام اور قعدہ وغیرہ مراد ہے نہ کہ باطنی

---

(٤٤) ...... صحيح بخاری: كتاب الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلوٰة، رقم: ۷۲۲، حدثنا عبدالله بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن همام عن ابی هريرة عن النبی ﷺ انه قال: ......۔ صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة، باب ائتمام الماموم بالإمام، رقم: ۹۳۱، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن ابی هريرة عن النبی ﷺ بمثله......۔ مسند احمد: ۵۵/۱۶، رقم: ۸۱٤۱/ ٤٤۔ مصنف عبدالرزاق، باب هل يؤم الرجل جالساً: ٤٦١/۲۔ شرح السنه، باب إذا صلى الإمام قاعداً: ۳۲۱/۳، ۳۲۲، وقال: هذا حديث متفق على صحته.

افعال، جیسا کہ تسبیحات وغیرہ۔

## امام اور مقتدیوں کا "سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد" کہنا:

رکوع سے اٹھتے وقت امام اور مقتدی "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک والحمد" کہیں، یہی درست بات ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث کا عموم اس پر دلالت کرتا ہے۔ آپ کی حالت امامت کو بھی شامل ہے اور حالت اقتداء کو بھی، اگرچہ آپ امام ہوا کرتے تھے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بھی آپ نے نماز ادا کی، جیسا کہ مسلم اور ابوداؤد میں حدیث موجود ہے۔ (صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة، رقم: ١٠٥ / ٣٢١۔ سنن ابوداود، باب المسح على الخفين، رقم: ١٤٩)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

((اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ))

"جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم "ربنا لك الحمد" کہو۔ لہٰذا امام تو "سمع الله لمن حمده" کہے اور مقتدی صرف "ربنا لك الحمد" کہے۔"

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَلَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيْهِ لِاَنَّهٗ اَمَرَ بِاَنْ يَّقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَنَحْنُ نَقُوْلُهٗ فَاَمَّا اِذَا قَالَ مَعَهٗ غَيْرَهٗ فَلَيْسَ بِمَذْكُوْرٍ فِيْ هٰذَا ......))

(مختصر خلافيات، للبيهقى: ١/ ٣٩٣)

"ان لوگوں کے لیے اس حدیث میں دلیل نہیں ہے، لہٰذا آپ نے "ربنا الحمد" کہنے کا حکم دیا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں لیکن جب امام کے ساتھ "سمع الله لمن حمده" کوئی اور کہے یہ اس حدیث میں ذکر نہیں ہوا۔"

اور یہ بات اصول میں طے ہے کہ عدم ذکر نفی کی دلیل نہیں ہوتا۔ اور دوسری حدیث کے عموم سے مقتدی کا "سمع الله لمن حمده" کہنا ثابت ہوتا ہے اگر اس حدیث کو یوں ہی سمجھا جائے تو اس کا مطلب ہوا کہ امام صرف "سمع الله لمن حمده" کہے "ربنا لك الحمد" نہ کہے حالانکہ بہت ساری صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام کو جیسے "سمع الله لمن حمده" کہنا چاہیے ربنا لک الحمد بھی اسی طرح کہنا چاہیے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح البارى: ٢/ ١٨٠۔ مختصر خلافيات: ١/٣٩١۔ ٣٩٣)

احناف کے ہاں امام محمد، قاضی ابو یوسف اور امام طحاوی کا یہ موقف ہے کہ امام تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کرے۔

(عقود الجواهر المنيفة فى ادلة الامام ابى حنيفة ، ص: ٦٣)

جب ان کے ہاں امام تسمیع وتحمید دونوں کہے تو اس حدیث کی مخالفت نہیں تو مقتدی بھی تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کرے تو حدیث کے بالکل مطابق اور صحیح ہے، لہٰذا مقتدی کو بھی " سمع الله لمن حمده" کہنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام اور مقتدیوں کو بہرحال دونوں دعائیں پڑھنی چاہیں۔

## جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے، تو تم سبھی بیٹھ کر نماز پڑھو:

''صحیحین'' میں اس حدیث کا سبب بیان ہے۔ وہ اس طرح کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیمار ہونے کے سبب) ایک روز اپنے گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور کچھ لوگ حالتِ قیام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کررہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ تم بھی بیٹھ جاؤ۔ جب نماز سے فارغ ہوگئے، تو ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: امام ہوتا ہی اس لیے ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ الی آخرہ

صحیح بخاری: ۱/ ۱۶۹، کتاب الأذان، باب انما جعل الإمام لیؤتم به۔ صحیح مسلم: ۱/ ۳۰۹، کتاب الصلوٰة، باب ائتمام المامو م بالإمام.

جو لوگ امام کے بیٹھ کر نماز پڑھانے کے قائل ہیں، وہ اسی مذکورہ حدیث سے تمسک پکڑتے ہیں۔

اس مسئلہ کی منسوخیت کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ علامہ حمیدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے: یہ طریقہ نماز کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے، تو مقتدی بھی اس کی اقتداء بیٹھ کر کریں گے، منسوخ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ''إِذَا صَلَّى جَالِساً فَصَلُّوا جُلُوساً اَجْمَعِينَ '' یہ بیماری کے زمانہ اور وہ بھی ابتداء میں تھا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کے زمانہ میں لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ لیکن انہوں نے کھڑے ہوکر نماز ادا کی اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھ کر نماز ادا کرنے کے متعلق کسی قسم کا کوئی حکم نہیں فرمایا۔

ایسی صورت میں مقتدیوں کو کھڑے ہوکر نماز ادا کرنا ہوگی۔ اور جہاں تک سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے، تو وہ منسوخ ہے، جیسا مذکورہ حمیدی رحمہ اللہ کا قول گزر چکا ہے۔ (دیکھئے! شرح السنه: ۳/ ۴۲۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے۔ ((وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي قَاعِدًا، يَقْتَدِي اَبُو بَكْرٍ بِصَلاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسُ يَقْتَدُونَ بِصَلاةِ اَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہ .))(شرح السنه: ۳/ ۴۶۴۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰة، باب استخلاف الإمام، رقم: ۹۰/ ۴۱۸.)

معلوم ہوا کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑا ہوکر نماز پڑھے اور یہ حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کے آخری حصہ کی ناسخ بھی ہے۔ جو اصحابِ علم اس حدیث کے آخری حصہ کو منسوخ قرار نہیں دیتے، وہ کہتے ہیں: سیدہ عائشہ والی روایت میں الفاظ کا تعارض ہے، وہ اس طرح کہ جس حدیث کو اسود رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: ''اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِمَامًا'' اور جس حدیث کو مسروق رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کیا

ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

((صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَلْفَ اَبِى بَكْرٍ فِى مَرَضِهِ الَّذِى مَاتَ فِيهِ قَاعِدًا))

(سنن الترمذی، ابواب الصلوة، رقم: ۳۶۲)

اسی طرح 'سنن الترمذی' میں ایک روایت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کا تذکرہ ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

((صَلَّى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِىْ مَرَضِهِ خَلْفَ اَبِى بَكْرٍ قَاعِدًا فِى ثَوْبٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ)) (سنن ترمذی، رقم: ۳۶۳، وقال: هذا حديث حسن صحيح)

کبھی رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، کبھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی، اور کبھی رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر امامت کر رہے ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ اسی لیے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو ناسخ کہتے ہوئے فرماتے ہیں: وَلَهُ يَدٌ طُوْلٰى.

بعض اہل علم نے ان دو مذکورہ حدیثوں کے مابین تطبیق کی راہ اپنائی ہے، ان میں سے کسی صاحب نے کہا کہ جب امام کسی مرض کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی اس کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز ادا کریں۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے واضح ہے۔ اور اگر امام ابتداءً نماز میں کھڑا ہوا اور بعد میں بیٹھ جائے تو اس صورت میں مقتدیوں کو اپنی ابتدائی حالت پر قائم رہنا چاہیے، نہ کہ بیٹھ جائیں۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے مقتدیوں کے لیے بیٹھنے کا یہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت نے مقتدیوں کے لیے بیٹھنے کے وجوب کو منسوخ کر دیا ہے۔ معلوم ہوا مقتدیوں کے لیے بیٹھنا مستحب ہے نہ واجب۔ اس مسئلہ میں قابلِ اعتناء رائے یہی ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کا آخری حصہ رسول اللہ ﷺ کے مرضِ موت والے عمل سے منسوخ ہے۔

(فتح الباری: ۲/ ۱۷۶، ۱۷۷)

# نماز میں صف بندی کا حکم

۴۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اَقِيْمُوْا الصَّفَّ فِيْ الصَّلٰوةَ ، فَاِنَّ اِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلٰوةِ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز میں صف بندی کا خاص اہتمام کرو، کیونکہ نماز کا حسن صف بندی پر موقوف ہے۔''

**شرح الحديث:** ......

## نماز میں صف بندی کا خاص اہتمام کرو:

واضح رہے اس موضوع سے متعلق کتبِ احادیث میں بکثرت ایسی احادیثِ صحیحہ موجود ہیں، جن میں صفوں کو درست رکھنے کی ترغیب وتلقین اور اس میں غفلت برتنے پر تحذیر اور وعید ہے۔

یہ موضوع انسانی معاشرہ سے ایک خاص تعلق رکھتا ہے، وہ اس طرح کہ معاشرت کا امن وسکون اور چین وقرار کاروانِ انسانیت کے مابین محبت ومودت، اخلاق وشفقت اور اتفاقِ قلوب پر مبنی ہے اور جس معاشرہ میں یہ پہلو نمایاں نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ معاشرہ بجائے امن کا گہوارہ بننے کے سراسر ظلمت و بربریت، بغض و عداوت، حسد وکینہ پروری اور اختلافِ قلوب کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے، فصاحت و بلاغت بھرے انداز سے اس اصول کو مختصر الفاظ کا جامہ پہنا کر اپنی امت کے سامنے بیان فرمایا ہے، جیسا کہ امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ))

---

(۴۵)...... صحيح بخارى، كتاب الإذان، باب اقامة الصف من تمام الصلوٰة، رقم: ۷۲۲، حدثنا عبدالله بن محمد، حدثنا عبدالرزاق، اخبر معمر عن همام عن ابى هريرة عن النبى ﷺ انه قال: ......۔ صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة، باب تسوية الصفوف و إقامتها، رقم: ۱۲۴/ ۴۳۳، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد: ۵۵/۱۶، رقم: ۸۱۴۲/۴۵۔ مصنف عبدالرزاق: ۴۴/۲، باب الصفوف، اختلاف الفاظ، اقيموا الصفوف...... اقامة الصفوف......الخ، رقم: ۲۴۲۴۔ شرح السنه: ۴۲۲/۳ وقال: هذا حديث متفق على صحته.

''اپنی صفوں کو ضرور درست رکھو، وگرنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان بے رخی پیدا کردے گا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب لتسوية الصفوف عندالاقامه و بعدها، رقم: ٧١٧۔ صحیح مسلم: ١/ ٣٢٤.)

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہونے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ صف میں کیسے کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ (نماز شروع کرنے سے پہلے) صفوں کو تیر کی طرح برابر سیدھا کھڑا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، رقم: ٩٧٩)

اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز میں اس طرح متصل ہو جایا کرو جیسا کہ چونا گچ دیوار ہوتی ہے۔'' (صحیح ابوداود، کتاب الصلاة: ١/ ١٨٩، رقم: ٦٦٧)

## یقیناً نماز کا حسن صف بندی پر موقوف ہے:

یعنی نماز کو خوبصورت اور مزید مزین بنانے کے لیے ایک اضافی امر پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ اس ''حسن'' سے مراد فقط نماز میں صفوں سے مرتب شدہ حسن نہیں ہے کہ امیر، غریب، عالم، غیر عالم، سیاہ، سفید، خوشنما اور بدنما سب ایک ہی صف میں کھڑے اچھے نظر آ رہے ہیں۔ بلکہ اس حسن سے حقیقی حسن مراد ہے۔ (ارشاد الساری: ٢/ ٦٦)

جس کا اثر انسانی زندگی پر پڑتا ہے۔ اور اس اثر سے ان کی زندگی خوشنما بن جاتی ہے۔ یاد رہے کہ مذکورہ حدیث میں جو امر ''أَقِيْمُوْا'' سے آیا ہے، وہ امر وجوب کے لیے ہے۔

## صفیں درست کرنے کا طریقہ:

صفیں اس صورت میں ہی مضبوط ہو سکتی ہیں۔ جب نمازی اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور قدم کے ساتھ قدم اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہو، جیسا کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ))

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الزاق المنکب بالمنکب)

''میں نے دیکھا کہ ہر آدمی اپنے ساتھ کے کندھے کے ساتھ کندھا ملایا کرتا تھا۔''

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ ، فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِيْ وَكَانَ اَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ)) (صحیح بخاری، کتاب الاذان، رقم: ٧٢٥)

''صفیں برابر کرلو۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں، اور (نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سن کر) ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ (صف میں) اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے، اور اپنا قدم

اس کے قدم سے ملا دیتا تھا۔"

## صف بندی کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

امام محمد بن حسن شیبانی (تلمیذ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"ابراہیم نخعی کا کہنا ہے: صفیں اور شانہ برابر کرو، اور گچ کرو، ایسا نہ ہو کہ شیطان بکری کے بچہ کی طرح تمہارے درمیان داخل ہو جائے۔"

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ہم بھی اس کو لیتے ہیں کہ صف میں خلل چھوڑ دینا درست نہیں۔ جب تک ان کو درست نہ کرلیا جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔"

(کتاب الآثار، باب اقامة الصفوف، ص: ٢٦-٢٧، طبع مکتبه امداد، ملتان)

# سیّدنا آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان مباحثہ

۴۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((تَحَاجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰى، فَقَالَ لَهٗ مُوْسٰى: اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِیْ اَغْوَیْتَ النَّاسَ فَاَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَى الْاَرْضِ؟ فَقَالَ لَهٗ اٰدَمُ: اَنْتَ مُوْسَى الَّذِیْ اَعْطَاكَ اللّٰهُ عِلْمَ كُلِّ شَیْءٍ، وَّ اصْطَفَاهُ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِهٖ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: اَ تَلُوْمُنِیْ عَلٰى اَمْرٍ قَدْ كَانَ كُتِبَ عَلَیَّ اَنْ اَفْعَلَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ اُخْلَقَ؟ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى.))

**ترجمة الحديث:** ...... ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرتبہ آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان جھگڑا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ وہ آدم ہو، جنہوں نے لوگوں کو بہکایا اور انہیں جنت سے نکلوا کر زمین کی طرف بھیج دیا؟ آدم علیہ السلام نے کہا: آپ وہ موسیٰ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا علم عطا کیا اور رسالت کے سبب دوسرے لوگوں پر فضیلت بخشی؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں! (میں وہی ہوں) اس پر آدم علیہ السلام نے کہا: کیا آپ مجھے اس عمل پر ملامت کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے قبل لکھ دیا تھا کہ ایسا کام کروں گا؟ اس طرح آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا۔''

**شرح الحديث:** ......علامہ نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: آدم علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''کیا آپ مجھے اس عمل پر ملامت کرتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے قبل لکھ دیا تھا کہ میں ایسا کام کروں گا۔ اس جگہ تقدیر سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا ہے یا پھر تورات کے صحیفوں یا اس کی تختیوں پر لکھنا ہے۔''

نیز رقمطراز ہیں: ''فَحَجَّ آدَمَ مُوْسٰى'' سیدنا آدم علیہ السلام کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے قبل یہ امر لکھ دیا تھا، اس لیے اس کا واقع ہونا یقینی تھا اور اگر میں تمام مخلوقات کے ساتھ مل کر بھی اس مقدّر شدہ امر میں ایک ذرہ برابر بھی رد کرنا چاہتا تو نہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا آپ مجھے اس عمل پر کیوں ملامت کرتے ہو۔

---

(۴۶)...... صحیح بخاری، کتاب الاحادیث الانبیآء، باب وفاة موسیٰ و ذکرہ، رقم: ۳۴۰۹ و کتاب القدر، رقم: ۶۶۱۴، ۷۵۱۵، ۴۷۳۸، ۴۷۳۶۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام، رقم: ۲۶۵۲/۱۵، حدثنا ابن رافع: حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم......۔ مسند احمد، رقم: ۸۱۴۳۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب القدر، رقم: ۲۰۰۶۸۔ شرح السنه، باب الإیمان بالقدر: ۱۲۵/۱.

نیز''ذنب'' پر شرعی طور پر ملامت ہوتی ہے، نہ کہ عقلاً۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر کے ان کی بخشش کر دی، تو ان سے علتِ ملامت زائل اور ساقط ہوگئی، اب جو بھی ان کو ملامت کرے گا، اس کی حجت شرعاً مغلوب ہوگی۔

## ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

**شبہ**: اب اگر کوئی یہ شبہ ظاہر کرے کہ اگر ہم میں سے کوئی گناہ کرنے والا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ معصیت مقدر کر دی تھی، تو اس سے ملامت اور سزا ساقط نہیں ہوتی، جبکہ جناب آدم علیہ السلام سے ملامت ساقط ہوگئی۔ تو اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

**ازالہ**: اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ گناہ کا مرتکب ہونے والا شخص دارالتکلیف (دنیا) میں ابھی باقی ہے اور اس پر احکامِ مکلفین جاری ہیں نیز ان احکام میں سزا اور ملامت بھی ہے، جبکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے جب یہ مکالمہ ہوا تو وہ اس وقت''دار التکلیف'' سے رخصت ہو چکے تھے۔ اور (دوسری بات یہ کہ) جب وہ دارالتکلیف میں تھے تو اس وقت انہوں نے شجرِ ممنوعہ پر عذرِ تقدیر پیش نہیں کیا تھا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس فعل پر مسلسل توبہ اور دعائے مغفرت کرتے رہے۔

علمائے اسلام نے جن میں ابن جوزی اور ابن عبدالبر بھی شامل ہیں۔ اس حدیث پر اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے اور اسے متشابہات میں سے قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ۱۱/ ۵۰۷)

مذکورہ حدیث میں''کلی علم'' کے بارے میں جو بیان آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم عطاء کیا ہوا تھا۔ اس سے مراد تورات کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائی یعنی اس کتاب سے متعلق ہر چیز موسیٰ علیہ السلام کے علم میں تھی نہ کہ اس سے علمِ کلی مراد ہے۔ (شرح مسلم، للنووی، ص: ۱۸۷۷)

## مستنبط مسائل:

۱۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ سے اور چھوٹا کسی بڑے عالم سے اظہار حق یا علمی اضافہ کی غرض سے مناظرہ اور مباحثہ کر سکتا ہے۔ لیکن ایک شرط پر کہ وہ مناظرہ اور مباحثہ حقائق پر موقوف ہو نہ کہ آج کے مناظرے اور مباحثے جو سراسر تعصب وتشدد اور ایک دوسرے کو ہلکا اور نیچا کرنے کی غرض سے کیے جاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو ایسے مناظروں اور مباحثوں سے دور رکھے۔ آمین!

۲۔ اس حدیث میں اہل سنت کے حق میں یہ دلیل ہے کہ''تقدیر'' حق اور ثابت ہے، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ خود ہے نہ کہ بندے اپنے اعمال کے خود خالق ہیں۔

(فتح الباری: ۵۱۲/۱۱)

۳۔ تقدیر کے بارے میں اکثر یہ غلط فہمی ہے کہ گناہ گار کہتا ہے، اگر میری تقدیر میں یہ گناہ نہ ہوتا تو میں یہ گناہ نہ کرتا، حالانکہ انسان مجبور محض نہیں ہے، اس کو دونوں بری واچھی راہیں دکھا دیں، اور مطالبہ اچھی راہ پر چلنے کا کیا گیا ہے، لہٰذا تقدیر اللہ کا کلی و پیشگی علم ہے جو اور چیز ہے اللہ کی رضا وخوشنودی اور چیز ہے۔ اگر کوئی چور کہے کہ میری قسمت میں چوری کرنا تھا تو اس کا ہاتھ پھر بھی کاٹ دیا جائے گا کہ اس کی تقدیر میں اس کا ہاتھ کاٹنا بھی لکھا ہے۔ واللہ اعلم!

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''تقدیر کا سہارا لیتے ہوئے گناہ کے ارتکاب پر خود کو دلیر کرنا قباحت اور بے شرمی ہے۔ اس کا شرعی اور عقلی طور پر کچھ جواز نہیں ہے لیکن کسی نافرمان کے صادر ہونے پر پریشان اور غم کو دور کرنے کے لیے تقدیر کا سہارا لینا درست ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام نے خود کو تسلی دی اور اپنی بے چینی کو رفع کیا۔ بہرحال مصائب میں تقدیر کا سہارا لینا درست ہے، گناہ میں ناجائز ہے۔''

(تفصیل دیکھیں: مدارج السالکین، ص: ۱۸۹۔۱۹۱)

# سیّدنا ایوب علیہ السلام پر سونے کی ٹڈیوں کی برکھا

۴۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
(( بَيْنَـمَا أَيُّوْبَ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا ، خَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ ، فَجَعَلَ أَيُّوْبُ يَحْثِيْ فِيْ ثَوْبِهٖ ، قَالَ: فَنَادَاهُ رَبُّهٗ : يَا أَيُّوْبُ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَبِّ! وَلٰكِنْ لَا غِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک مرتبہ ایوب علیہ السلام (اپنے غسل خانہ میں) برہنہ غسل کر رہے تھے کہ (اچانک) ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں، تو ایوب علیہ السلام نے اسے اپنے کپڑوں میں سمیٹنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر ایوب علیہ السلام کو اس کے رب تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوب! کیا ہم نے تمہیں اس چیز سے بے نیاز نہیں کیا، جسے تیری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! کیوں نہیں؟ لیکن تیری برکت کے سوا مجھے کچھ کافی نہیں ہے۔''

**شرح الحديث:**...... يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مذکورہ حدیث اور آئندہ آنے والی ۶۱ نمبر حدیث جس میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے پیشِ نظر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی صاحب برہنہ حالت میں غسل کرنا چاہے، تو اس کے لیے شرعاً جواز ہے۔ اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ ہم ان دونوں موسیٰ علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام بزرگ ہستیوں کی اقتداء کے مامور ہیں۔ جیسا کہ ذات باری تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے۔ ﴿فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام : ۹۰) ''پس تمام ہدایت یافتہ انبیاء کی اقتداء کرو۔''

علاوہ ازیں قاعدہ اور اصول ہے ''شَرْعُ مَنْ قَبْلَنَا شَرْعٌ لَنَا'' کہ ہم سے پہلی شریعتیں ہمارے لیے حجت ہیں، البتہ گذشتہ شریعتوں کے جو امور قرآن مقدس نے منسوخ ٹھہرائے ہیں، وہ ہمارے لیے حجت نہیں بن سکتے۔

---

(۴۷)...... صحيح بخارى، كتاب الغسل، باب من اغتسل عريانا، رقم: ۲۷۹، حدثنا اسحق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق: عن معمر، عن همام بن منبه عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال...... و كتاب الانبياء، باب قول الله تعالىٰ: وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ، رقم: ۳۳۹۱، حدثنا عبدالله بن محمد الجعفى ...... وكتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: (يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ، رقم: ۷۴۹۳، عن عبدالله بن محمد......۔ مسند احمد: ۵۷/۱۶، رقم: ۸۱۴۴/۴۷۔ شرح السنه، باب الكسب و طلب الحلال: ۷۰۶/۸، وقال: هذا حديث صحيح.

اور دوسری بات یہ ہے کہ ان واقعات میں اگر کسی قسم کی کوئی تشنگی ہوتی، تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور بیان فرماتے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا ان دونوں واقعات سے اتفاق کرنا، ہماری شریعت کا حصہ بننے کی دلیل ہے۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ برہنہ حالت میں لوگوں سے مخفی ہو کر نہانا جائز ہے۔ برہنہ حالت میں اپنی شرمگاہ کو لوگوں پر ظاہر کرتے ہوئے نہانا، یہ دونوں متضاد صورتیں ہیں، نہ کہ ایک ہی صورت۔ اور حدیث پہلی صورت کو بیان کرتی ہے۔ جو عقل سلیم کے عین مطابق ہے یعنی غسل کرتے وقت اپنی شرمگاہ کو لوگوں سے مخفی رکھا جائے، اس کے علاوہ یہ حدیث اس عقیدے کا سبق بھی دیتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام برگزیدہ انبیاء اپنی شرمگاہوں کو لوگوں سے مخفی رکھتے ہیں۔

## ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

**شبہ:** لیکن بعض افسانہ پرور اور کم عقل لوگوں نے اپنی خواہشات کے پیشِ نظر امام بخاری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ حدیث پر شبہ وارد کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''اور ممکنات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیدنا ایوب علیہ السلام نے برہنہ حالت میں غسل فرمایا ہو، جیسے جاہل اور بے حیاء قسم کے لوگ غسل کرتے ہیں۔ جنہیں نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے حیاء آتی ہے اور نہ ہی لوگوں سے۔'' (دیکھئے! الأضواء القرآنیه: ۲/ ۳۲۰)

**ازالہ:** بھلا کون کہتا ہے کہ سیدنا ایوب علیہ السلام نے بے حیاء اور جاہل لوگوں کی طرح غسل کیا ہے؟ حالانکہ حدیث سے تو صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ سیدنا ایوب علیہ السلام نے برہنہ حالت میں غسل فرمایا، البتہ انہیں ایسے لوگوں سے تشبیہ دینا، جنہیں نہ تو اللہ تعالیٰ سے اور نہ ہی لوگوں سے حیاء آتی ہو، تو یہ ان لوگوں کی گھٹیا اور کمزور سوچ کی اضافی تشریح ہے، اور ایسی گھٹیا اور غیر معقول بات کا کوئی مؤمن و موحد خیال تک نہیں کر سکتا۔

سیّدنا ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم، مال اور اولاد کی آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ کے نبی ایوب علیہ السلام کی آزمائش اٹھارہ برس تک جاری رہی، نزدیک اور دُور کے ہر شخص نے آپ کو چھوڑ دیا، البتہ دو شخص جو آپ کے خاص دوست تھے، وہ صبح و شام آپ کے پاس آیا کرتے تھے، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی قسم! ایوب نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے جو تمام جہانوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اس نے پوچھا: وہ کیا؟ اس نے کہا کہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے ان پر نہ رحم کیا اور نہ ان کی تکلیف کو دُور کیا۔ جب دونوں ایوب علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ شخص صبر نہ کر سکا اور اس نے اپنے ساتھی کی بات آپ کے سامنے بیان کر دی۔ سن کر ایوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ تو کیا کہہ رہا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جب میں جھگڑتے ہوئے دو ایسے آدمیوں کے پاس سے گزرتا جو اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تو میں اپنے گھر جا کر ان کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا کیونکہ میں اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ

حق کے سوا کسی اور بات میں اللہ تعالیٰ کا (پاک) نام لیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپ جب حاجت کے لیے نکلتے اور حاجت سے فارغ ہو جاتے تو آپ کی زوجہ محترمہ ہاتھ تھام کر آپ کو اپنی جگہ پہنچا دیتی تھیں۔ ایک دن جب آپ کو واپسی میں دیر ہو گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل فرما دی:

﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٤٢﴾﴾ (ص: ٤٢)

''(زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں)۔''

تاخیر کی وجہ سے آپ کی اہلیہ نے دیکھنا شروع کیا تو کیا دیکھتی ہیں کہ آپ ان کی طرف اس حال میں آ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام تکلیف کو دُور فرما دیا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت شکل میں ہیں۔ انہوں نے دیکھا تو کہا: اے شخص اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے! کیا تم نے آزمائش میں مبتلا اللہ تعالیٰ کے نبی کو نہیں دیکھا ہے؟ اللہ کی قسم! جب وہ صحیح سلامت تھے تو میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی شخص تمہاری نسبت ان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو۔ آپ نے فرمایا: میں ایوب ہوں۔ آپ کے دو کھلیان تھے، ایک گندم کا کھلیان اور دوسرا جو کا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیج دیے، ان میں سے ایک جب گندم کے کھلیان پر آیا تو اس نے اس میں سونا برسایا حتی کہ وہ بھر گیا اور دوسرے نے جو کے کھلیان پر چاندی ڈال دی حتی کہ وہ بھی بھر گیا۔'' (صحیح ابن حبان: ٧/١٥٧۔١٥٩، رقم: ٢٨٩٨۔ مستدرك حاكم: ٢/٥٨١، ٥٨٢، رقم: ٤١١٥۔ مسند أبو يعلى: ٦/٢٩٩، ٣٠٠، رقم: ٣٦١٧۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٧)

## سیدنا ایوب علیہ السلام ٹڈیوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے لگے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، جسے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ سیدنا ایوب علیہ السلام اپنے بدن کے لباس کا ایک کنارہ پھیلا لیتے اور ان ٹڈیوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالتے، یہاں تک کہ جب ایک کنارہ بھر جاتا، تو دوسرا کنارہ پھیلا لیتے۔ (دیکھئے! فتح الباری: ٦/٣٢٠، ٣٢١)

## تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا ایوب علیہ السلام کو آواز دی:

ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مانند جناب ایوب علیہ السلام سے بھی کلام کیا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کی طرف اپنا فرشتہ مبعوث فرمایا ہو، جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا ہو۔

لیکن پہلا احتمال مذکورہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے موافق ہے۔ لہٰذا وہ بات زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

(عمدة القاری: ٣/١٢٦)

چنانچہ سیدنا ایوب علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ! میں تیری بے بہا نعمت اور خیر و بھلائی سے بے نیاز نہیں ہوں۔

## مستنبط مسائل:

مذکورہ بالا حدیث سے محدثین نے بہت سارے مسائل وفوائد استنباط کیے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اگر کوئی صاحب برہنہ ہو کر غسل کرنا چاہے، تو وہ (بلاکراہت) غسل کر سکتا ہے، برہنہ غسل کرنے میں کوئی قباحت نہیں، لیکن بھز بن حکیم کی روایت ((اَللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُّسْتَحْىَ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ))''اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ حیا کی جائے۔'' کی رو سے فضا میں ستر ڈھانپ کر غسل کرنا افضل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔(فتح الباری: ۱/ ٤٣٧)

۲۔ مذکورہ حدیث سے فقیری پر امیری کی افضلیت و برتری معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ سیدنا ایوب علیہ السلام نے سونے کے جراد کو پانے، مال بڑھانے اور اپنی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے لیے جمع فرمایا تھا۔

۳۔ اس میں رزق حلال حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

۴۔ دولت وثروت سے بے نیاز اور غنی ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لیے اس وصف کا نام برکت رکھا ہے۔

(دیکھئے! عمدة القاری: ۳/ ۱۲٦، ۱۲۷)

یہ وہ مسائل ہیں، جنہیں اہل علم نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے، اگر ہم ان مسائل سے اچھی طرح متعارف ہو گئے، تو مؤرخین اور اس حدیث کے سرے سے منکرین لوگوں کے اذہان کا جو پیمانہ ہے، اسے بھی بھانپ لیں گے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں فقط سیدنا ایوب علیہ السلام کے واقعۂ مرض کو بیان فرمایا ہے۔ اور جو واقعہ حدیث میں بیان ہوا ہے، اس کا ذکر قرآن میں (کہیں) نہیں ہے۔ اگر اس اعتبار سے حدیث کا انکار کر دیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر اتہام وارد ہوتا ہے، جو قطعاً غلط ہے، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ قرآن انبیاء اور دوسرے پہلے لوگوں کے واقعات وقصص سے باخبر فرمایا تو پھر سیدنا ایوب علیہ السلام کا سونے کے جراد والا قصہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات وقصص جو قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، تو وہ قصص وواقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں سے بیان فرمائے؟

## ایک اعتراض اور اس کا جواب:

**اعتراض**: اگر یہ کہا جائے کہ یہ واقعات وقصص بھی جبرائیل امین علیہ السلام کی وساطت سے بذریعہ وحی حدیث میں بیان ہوئے ہیں تو پھر یہ تسلیم کرنا ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے مستحکم اور بغیر مضبوط طریقۂ تدوین وحفاظت کے کیسے چھوڑ سکتے تھے، جب کہ قرآن کریم کی تدوین وحفاظت میں مکمل استحکام واستقلال سے کام لیا گیا''

(دیکھئے! أضواء القرآنیه: ۲/ ۳۲۲)

**جواب**: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ((أُوتِيْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَه' مَعَهٗ .))''مجھے قرآن کے ساتھ اسی

کی مثل ایک اور چیز بھی عطا کی گئی ہے۔'' (صحیح الجامع الصغیر: ۲/۳۷۵) کی روشنی میں حدیث کا صرف وہی شخص انکار کرسکتا ہے، جو یا تو بنفسہ جاہل یا پھر تجاہل عارفانہ برت رہا ہو۔

صرف قرآن مجید ہی اللہ کی وحی ہے، حالانکہ احادیث قدسیہ اس (قرآن کے علاوہ دوسری وحی) پر دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس طرزِ کلام سے اس شخص کی لاعلمی یا جہالت کی یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ وحی ہمیشہ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ سے ہی ہوتی ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے طریق سے نہیں ہوتی، حالانکہ اہل علم وحی کی معروف اقسام سے مطلع ہیں کہ وحی صرف اس پیغام الٰہی پر منحصر نہیں ہے جسے جبرائیل امین علیہ السلام لے کر اتریں۔ (بلکہ اسکے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے طریق سے بھی وحی کی گئی ہے) بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی پیغام رسانی کے لیے جسے اختیار کر لیتا ہے اس کے پاس اپنی وحی بھیجتا ہے یعنی اسے الہام کرتا ہے اور اپنی بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ موسیٰ کو تابوت میں بند کر کے سمندر میں ڈال دیں، اور ابراہیم علیہ السلام کو الہام کیا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رسول سے کسی پردے کے اوٹ سے بات کرتا ہے، یعنی رسول اس کی بات تو سنتا ہے لیکن اسے دیکھ نہیں پاتا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی جبرئیل علیہ السلام کو اپنے رسول کے پاس بھیجتا ہے اور وہ حکم الٰہی کے مطابق اپنے رب کا پیغام بذریعہ وحی رسول تک پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۵۱ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۵۲﴾

(الشوری: ۵۱۔۵۲)

''اور کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس سے اللہ بات کرے، سوائے اس کے کہ اس پر وحی نازل کرے یا کسی اوٹ کے پیچھے سے، یا کسی رسول کو بھیجے جو اس کی اجازت سے، وہ جو چاہے، اس کی وحی پہنچا دے، وہ بے شک سب سے اونچا، بڑی حکمتوں والا ہے اور ہم نے اسی طرح اپنے حکم سے آپ پر قرآن کی وحی کی ہے، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے، اور نہ ایمان کو جانتے تھے لیکن ہم نے قرآن کو نور بنایا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اور اے میرے نبی! آپ یقیناً لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔''

علامہ عینی رحمہ اللہ وحی کی اقسام اور اس کی مختلف صورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: انبیاء علیہم السلام پر جو

وحی نازل کی جاتی ہے۔اس کی تین اقسام ہیں:

**اول:** یہ کہ ذات باری تعالیٰ کا کلام سماعت کرنا، جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا بنص قرآن اور رسول اللہ ﷺ کا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

**دوم:** یہ کہ کسی فرشتہ کی وساطت سے پیغام الٰہی موصول ہو۔

**سوم:** یہ کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ثابت ہے۔((إِنَّ رُوحَ الْقُدْسِ نَفَثَ فِي رُوْعِي)) ''یقیناً جبرائیل علیہ السلام نے میرے قلب میں پھونک ماری۔''

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وحی کی سات اقسام ہیں:

**اول:** خواب میں کوئی چیز القاء کر دینا، جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا:(دیکھئے!صحیح بخاری حدیث نمبر: ۳ اوراس کے علاوہ مختلف مقامات پر جیسے ۳۳۹۶، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷ اور ۶۹۸۲)

اس کے علاوہ سورۃ صآفات آیت نمبر:۱۰۲ سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعض اوقات حالتِ خواب میں بھی کوئی چیز القاء(وحی) کی جاتی ہے۔

**الثاني:** وحی آتے وقت گھنٹی بجنے کی مثل آواز آنا۔جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔دیکھئے! مذکورہ بالا حوالہ

**الثالث:** فرشتے کا رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں کلامِ الٰہی پھونکنا۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں: سورۃ شوریٰ آیت نمبر۵۱ ﴿اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا﴾ سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے۔

**الرابع:** فرشتے کا کسی انسانی روپ میں آنا۔مثلاً معروف حدیث جبرائیل۔

**الخامس:** جبرائیل علیہ السلام کا اپنی اصلی صورت یعنی چھ سو پَروں میں ظاہر ہونا۔

**السادس:** اللہ تبارک وتعالیٰ کا پس پردہ کلام فرمانا اور رسول اللہ ﷺ کا حالتِ بیداری میں ہونا۔جیسا کہ واقعۂ معراج اس پر دلالت کرتا ہے۔

**السابع:** رسول اللہ ﷺ کا حالتِ نیند میں ہونا۔جیسا کہ 'سنن الترمذی' کی مرفوع حدیث میں آیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((اَتَانِي رَبِّي فِي اَحْسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ: فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الاَعْلَى)) ''میرے پاس میرا رب ایک خوبصورت ترین صورت میں آیا اور کہا کہ مقرب فرشتے کس معاملہ میں جھگڑ رہے ہیں''(دیکھئے!عمدة القاری: ۱/۴۴)

اس ساری تفصیل سے واضح ہوگیا کہ وحی کا اطلاق نہ تو صرف اس پر ہوتا ہے، جسے جبرائیل امین علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں اور نہ ہی صرف اس پر جو قرآن میں ہے۔ بلکہ ان دونوں کے علاوہ وحی کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے فرامین پر بھی ہوتا ہے۔لیکن حدیث سے اعراض کرنے والے تو اس کا علم رکھتے ہیں اور نہ ہی فہم۔

# سیّدنا داؤد عَلَیْہِ السَّلام کا زبور پڑھنا اور اپنے ہاتھوں کی کمائی کھانا

۴۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

(( خُفِّفَ عَلٰی دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ ، فَکَانَ یَأْمُرُ بِدَابَّتِہِ تُسْرَجَ ، فَکَانَ یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرِجَ دَابَّتُہٗ ، وَکَانَ لَا یَأْکُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''داؤد عَلَیْہِ السَّلام پر زبور کی تلاوت مخفف (آسان و سہل) کر دی گئی۔ وہ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیتے اور سواری پر زین کسے جانے سے پہلے ہی (زبور) کی تلاوت مکمل فرما لیا کرتے اور آپ صرف ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔''

**شرح الحديث**:......

**زبور کی تلاوت:**

اس حدیث میں لفظِ ''قرآن'' سے مراد قرأت کرنا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی بعض روایات میں آیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب قرأت کی نسبت کسی نبی عَلَیْہِ السَّلام کی طرف کی جائے تو قرأت سے اس کتاب کا پڑھنا مقصود ہوتا ہے۔ جو اس نبی عَلَیْہِ السَّلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہو، تو اس سے مقصود اس معجزہ کی طرف اشارہ کرنا ہے جو سیدنا داؤد عَلَیْہِ السَّلام کو عطاء کیا گیا۔ یعنی زبور سیدنا داؤد عَلَیْہِ السَّلام کو بطور معجزہ عطاء کی گئی۔

''زبور'' ساری کی ساری مواعظ و نصائح اور مناجات و دعاؤں پر مشتمل تھی، یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے لوگ احکام و مسائل کے لیے ''توراۃ'' کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

چنانچہ اسی بنیاد پر قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ ''زبور'' (قریباً) ایک سو پچاس ۱۵۰ سورتوں پر مشتمل ہے، جو ساری کی ساری مواعظ اور حمد و ثناء سے بھری ہوئی ہے، جس میں نہ تو کسی مسئلہ کی حلت و حرمت بیان ہوئی ہے اور نہ ہی فرائض و حدود (سزائیں) وغیرہ، البتہ احکامات، فرائض اور حدود وغیرہ یہ سب ''توراۃ'' میں موجود ہیں۔'' (دیکھئے! فتح الباری: ۶/۴۵۴، ۴۵۵۔ عمدۃ القاری: ۱۵/۲۷۵)

(۴۸) ...... صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیآء، باب قولہ تعالیٰ ﴿وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾، رقم: ۳۴۱۷، حدثنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن ھمام، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ......۔ مسند احمد: ۱۶/۵۷، رقم: ۸۱۴۵، ۴۹۔ شرح السنہ، باب الکسب وطلب الحلال: ۸/۶.

سیدنا داؤد علیہ السلام زین کسے جانے سے پہلے ہی تلاوتِ زبور مکمل کرلیا کرتے تھے۔(فتح الباری: ٦/٤٥٥)
یعنی اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے لیے وقت میں برکت دی تھی، وہ کم وقت میں زیادہ کام کر سکتے تھے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ علیہ رقم طراز ہیں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے، جس کے لیے چاہتا ہے، وقت کو مبارک بنا دیتا ہے۔جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔((ان البركة قد تقع فى الزمن اليسير حتٰى يقع فيه العمل الكثير))

''اللہ تبارک وتعالیٰ مختصر وقت میں برکت ڈال دیتا ہے اور (جس کا اثر یہ پڑتا ہے کہ) مختصر وقت میں وافر کام ہو جاتا ہے۔''(عمدة القاری: ١٣/٥٨)

اور یہ مقام ومرتبہ انسان کو محنت وادراک سے نہیں ملتا، بلکہ سراسر اللہ کی فیاضی اور کرم نوازی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی ہی کھایا کرتے تھے۔ کیونکہ ہاتھ کی کمائی تمام کمائیوں سے عمدہ وطیب ہونے کے ساتھ ساتھ اس شخص کے لیے جو اپنے مالک کی خیر و بھلائی کا پورا پورا خیال رکھتا ہو، ہر قسم کے مکاسب پر درجۂ فوقیت رکھتی ہے۔لیکن یہ بات بطورِ شرط ہے کہ کسب کرنے والے صاحب کا دل اس اعتقاد سے خالی ہو کہ جو روزی وہ کما رہا ہے اس کا حصول اس کے زورِ بازو اور مشقت کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اعتقاد یہ ہو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور اس محنت کی وساطت سے ہو رہا ہے، تاکہ اپنے ہاتھوں کو فضول ولغو کاموں میں مصروفِ عمل رکھنے کی بجائے نیک اور مباح کاموں میں مصروف رکھوں، جس سے میرے اندر کسرِ نفسی پیدا ہو اور میں کسی کی محتاجی اختیار کرنے سے بچ سکوں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ ، وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِيْهِ))

(صحيح بخاری، كتاب البيوع، رقم: ٢٠٧٢)

''کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کبھی نہیں کھایا۔اللہ کے نبی سیدنا داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔''

مذکورہ حدیث بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بتانا مقصود تھا کہ سیدنا داؤد علیہ السلام باوجود خلافت و بادشاہت فی الارض کے عظیم ترین عہدے پر فائز ہونے کے افضل کھانا یعنی اپنے ہاتھ کی کمائی سے، پسند فرمایا کرتے تھے، حالانکہ انہیں اس کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

## سیّدنا داوٗد علیہ السلام کا ذریعہ معاش:

سیدنا داوٗد علیہ السلام کا ذریعۂ معاش یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لوہے کو نرم یعنی موم کی مانند بنا دیا، اسے وہ جس طرف چاہتے موڑ لیتے، چنانچہ اسی سے وہ زرہیں اور ڈھالیں بنا کر انہی سے روزی کما کر ضروریات زندگی پوری کرتے تھے۔ (دیکھئے! فتح الباری: ٤/٣٠٦، ٦/٤٥٥)

سیدنا داوٗد علیہ السلام کے لیے لوہے کا نرم ہو جانا یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص معجزہ تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَ الطَّيْرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝۱۰ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱﴾

(السبأ: ١٠-١١)

''اور ہم نے داوٗد کو اپنے فضل خاص سے نوازا تھا، (ہم نے حکم دیا تھا) کہ اے پہاڑو! ان کے ساتھ تم بھی تسبیح پڑھو اور چڑیوں کو بھی یہی حکم دیا تھا، اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم بنا دیا تھا۔ (اور کہا تھا) کہ اس کی زرہیں بنایئے، اور ان کے حلقے ٹھیک اندازے کے مطابق بنایئے، اور آل داوٗد سے کہا تھا کہ تم لوگ نیک عمل کرو، میں بے شک تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہوں۔''

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسب حلال اور اسباب اختصار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ داوٗد علیہ السلام معاش کماتے تھے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر فیصلہ اس کی تیزی کا اللہ کے حوالے کر

# اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

۴۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( رُؤْيَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صالح (صفت) آدمی کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔''

**شرح الحديث:**...... **اولاً:** مذکورہ حدیث سے یہ قطعاً نہ سمجھ لیا جائے کہ "رجل صالح" سے صرف مرد ہی مراد ہے، بلکہ اس میں عورتیں بھی شامل ہیں، جس طرح ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم صرف مردوں کے لیے نہیں، بلکہ عورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اور متن میں صالح (نیک ہونا) کی قید تغلیباً ذکر کی گئی ہے، اس لیے کہ بعض اوقات رجل صالح بھی غیر معقول خواب دیکھ لیتا ہے۔ البتہ بادیٔ النظر میں ایسا نادر ہے، کیونکہ شیطانی تسلط برے آدمی کی نسبت صالح آدمی پر قلیل ہوتا ہے۔ یہ حدیث اس عبارت کی بہترین تشریح ہے کہ ((الرُّؤْيَا الْحَسَنَةَ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ))

(صحيح بخاری، رقم: ٦٩٨٣ـ صحيح الجامع الصغير، رقم : ٣٥٣٦)

اس حدیث کی رو سے صالح شخص کے اچھے خواب ہی نبوت کا چھیالیسواں حصہ مقصود ہیں۔ بہر حال مختلف صورتوں پر غور کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

**اول:** انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جن کے تمام خواب سچے ہوتے ہیں۔ یعنی جس طرح وہ دیکھتے ہیں اس طرح بادی النظر میں بھی ان کا نظارہ ہوتا ہے۔ البتہ ان کے بعض خواب تعبیر کے بھی محتاج ہوتے ہیں۔

**دوم:** نیک صفت ہیں، جن کے اکثر خواب تعبیراً سچے ہوتے ہیں اور بعض خواب بغیر تعبیر کے بھی قابل تسلیم ہوتے ہیں۔

**سوم:** وہ لوگ ہیں، جن کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی، پھر یہ لوگ بھی تین قسم کے ہوتے ہیں۔

---

(**۴۹**)...... صحيح بخاری، كتاب التعبير، باب الرؤيا الصالحه جزء من ستة و اربعين جزءاً من النبوة، رقم: ٦٩٨٧، ٦٩٨٨، ٦٩٨٩ـ صحيح مسلم، كتاب الرؤيا، رقم: ٢٢٦٣/٨، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن ابی هريرة عن النبی ﷺ......ـ مسند احمد: ٥٨/١٦، رقم: ٨١٨٦/٥٠.

**اول**: پہلی قسم ان لوگوں کی ہے، جن کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لوگ ہی نیک صفت ہیں یا بدصفت، اسی طرح ان کے خوابوں کو بھی ان کی حالت پر ہی محمول کیا جائے گا۔

**دوم**: دوسری قسم فاسق وفاجر لوگوں کی ہے، جن کے خواب سچے ہونے کی نسبت زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

**سوم**: تیسری قسم کفار کی ہے، جن کے خوابوں میں سچائی کا پہلو (انتہائی) نادر ہے۔

(دیکھئے! ارشاد الساری: ۱۰/۱۲۴)

اس حدیث کے جمیع طرق میں لفظ "رسالة" کی بجائے تمام جگہوں پر لفظ "نبوة" استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ رسالت کا درجہ نبوت سے زیادہ ہے، اس لیے کہ رسالت میں مکلّف حضرات کو شرعی احکامات کی تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ جب کہ نبوت میں فقط بعض امورِ غیب کی اطلاع پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر بعض انبیاء علیہم السلام نے اپنے سے گذشتہ نبی ورسول کی شریعت کی ہیئت ومقام پر قائم رکھا اور اگر کوئی حکم جدید آیا بھی، تو وہ گذشتہ رسول کے حکم کے خلاف نہ ہوتا، اسی لیے اس بات کو راجح قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی صاحب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہے اور وہ اسے کوئی (ایسا) حکم دیتے ہیں جو بظاہر شریعتِ مستقر کے خلاف ہے، تو وہ حکم اس صاحب کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی قطعاً مشروعیت کا درجہ نہیں رکھے گا۔ ہاں البتہ جو (شریعت کے موافق) حکم اسے خواب میں موصول ہوا ہے، اس کی تبلیغ اس پر واجب ہوگی۔ (دیکھئے! فتح الباری: ۱۲/۳۷۴، ۳۷۵)

بعض علماء نے کہا ہے: رجل صالح کے خواب کو نبوت کے جزء سے تعبیر کرنا مجازاً ہے نہ کہ حقیقتاً، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی سلسلۂ نبوت بند ہو گیا اور ویسے بھی نبوت کا جزء عین نبوت نہیں ہوتا، جیسے نماز کا جزء عین (مکمل) نماز نہیں ہوتا، وغیرہ۔

البتہ انہوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ اگر یہی واقعہ خود نبی ﷺ کو (نبوت سے پہلے) پیش آیا ہو تو وہ نبوت کا حقیقی جزء شمار کیا جائے گا۔ جس طرح نبوت کے ابتدائی چھ ماہ میں رسول اللہ ﷺ کو سچے خواب آتے تھے۔ زمانہ نبوت کی تقسیم کی جائے تو تیئس سالہ دورِ نبوت کی ۴۶ ششماہیاں بنتی ہیں جن میں سے پہلے چھ ماہ کا زمانہ نبوت رویا صادقہ وصالحہ پر مشتمل تھا۔ واللہ اعلم!

اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر غیر نبی پر اس خواب کا صدور ہو جائے، تو وہ علم نبوت کا جزء شمار کیا جائے گا۔ اس لیے کہ نبوت منقطع ہو گئی ہے، البتہ علم نبوت باقی ہے۔

چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، کیا ہر کوئی خواب کی تعبیر بتانے کا اہل ہے؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا: کیا نبوت سے کھیلا جا سکتا ہے؟ ہاں! سچا خواب نبوت کا حصہ ہے، لیکن اس سے کھیلا نہیں جائے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ سچا خواب نبوت کی باقیات میں سے ہے، بلکہ "جُزْءٌ مِنْ

النَّبُوَّۃِ '' سے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا مطلب یہ تھا کہ جیسے نبوت بعض امورِ غیب کی خبر دینے پر منحصر ہوتی ہے، اسی طرح سچا خواب بھی بعض امورِ غیب کی خبر دینے میں نبوت سے مشابہت رکھتا ہے، لہٰذا کوئی صاحب بغیر کسی علم کے اس بارے میں تعبیریں بتانا شروع نہ کرے، بلکہ وہ خاموشی اختیار کرے۔(دیکھئے! ارشاد الساری: ۱۰/۱۲۳، ۱۲٤)

ان چھیالیس حصوں کا علم اللہ ہی کو ہے۔ ممکن ہے اللہ نے اپنے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان سے آگاہ فرما دیا ہو۔ ان حصوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں جن سے زیادہ سے زیادہ نیک خواب کی فضیلت مراد ہے۔

# کون کسے سلام کرے؟

۵۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
((لِيُسَلِّمِ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ ، وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوٹا بڑے کو، راہ گیر بیٹھنے والے کو اور چھوٹی (جماعت) بڑی جماعت کو سلام کرے۔''

**شرح الحديث:** ......سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ ''سلام'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ إِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا﴾ (النساء: ٨٦)

''اور جب تمہیں سلام کیا جائے، تو تم (اس سے بڑھ کر) عمدہ سلام کرو، یا (کم از کم) اتنا ہی جواب دیا کرو۔''

معلوم ہوا کہ ''السلام علیکم'' کے معنی ہوئے اللہ تعالیٰ تمہیں ہر مصیبت وتکلیف سے محفوظ رکھے، یعنی تو اللہ کی حفاظت میں رہے، جیسے کہا جاتا ہے: اللہ تیرے ساتھ ہو، اس طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سلام تیرے ساتھ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے لفظِ اللہ ذاتِ باری کا اسم ہے اسی طرح لفظ سلام بھی اللہ کا اسم ہے۔

(دیکھئے! شرح مسلم، للنووی: ٤٠٣/٥)

بہر حال یہ ایک بہترین دعا ہے، جسے ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو ملاقات ومصافحہ کے موقع پر محبت والفت بھرے کلمات کے ساتھ بطورِ تحفہ پیش کرتا ہے۔

سلام کرنے کے مختلف فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سلام کرنے سے آپس میں سلام کرنے والوں کے مابین محبت پیدا ہوتی ہے اور کلماتِ سلام سے جو مصلحت ہے کہ ایک دوسرے کی معاونت ونصرت

---

(۵۰)...... صحيح بخاری، كتاب الاستئذان، باب تسليم القليل على الكثير، رقم: ٦٢٣١، حدثنا محمد بن مقاتل ابو الحسن: اخبرنا عبدالله: اخبرنا معمر عن همام بن منبه، عن ابی هريرة عن النبی ﷺ...... صحيح مسلم، كتاب السلام، باب تسليم الراكب على الماشی و القليل على الكثير، رقم: ٥٦٤٧ـ سنن الترمذی، كتاب الاستئذان، باب ماء جاء فی تسليم الراكب على الماشی، رقم: ٢٧٠٣ـ مسند احمد: ٥٨/١٦، رقم: ٥١/٨١٤٧ـ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب سلام القليل على الكثير: ٣٨٨/٥ـ شرح السنه، باب من الذی يبدأ بالسلام: ٢٦٢/١٢ـ سلسلة الصحيحة، رقم: ١١٤٥.

کر کے شرائع دین کو قائم کرنا اور کفار کو رسوا کرنا، وہ بھی پوری ہو جاتی ہے۔

سلام ایسا الفت بھرا کلمہ ہے کہ اس کے سننے والے کا دل (خود بخود) نفرت سے دور ہو کر اخلاص سے بھر جاتا ہے (اخلاص پیدا ہو جاتا ہے) اور اس کے قائل (کہنے والے) کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری: ۱۱/۱۸،۱۹)

سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے اور مصافحہ کے معنی ہیں: مصافحہ دو آدمیوں کا اپنے دائیں ہاتھوں کو ملانا۔

## سلام کے آداب:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں (حدیث میں مذکورہ طریقہ) سلام کے آداب میں سے ایک ادب ہے اور یہ بات بھی واضح ہو کہ سلام میں پہل کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اگر لوگ زیادہ تعداد میں ہوں، تو ان کے لیے سلام کرنا سنت کفایہ ہے یعنی ان میں سے کسی ایک شخص نے سلام کر لیا تو تمام جماعت کی طرف سے سلام ہو جائے گا۔ (سنت ادا ہو جائے گی) اس طرح جس شخص پر سلام کیا گیا ہو، وہ اگر منفرد ہے، تو سلام کا جواب اسے ہی دینا پڑے گا اور اگر وہ پوری جماعت ہے، تو ان پر جواب فرض کفایہ ہے یعنی ایک کے جواب سے پوری جماعت کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن سلام (بھی) سب کریں اور جواب بھی سب لوٹائیں۔ اس سے متعلق ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ (جب جماعت کی صورت ہو تو) سب لوگوں پر سلام کا جواب لوٹانا ضروری ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل کیا ہے، مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ سلام میں پہل کرنا سنت اور اس کا جواب دینا فرض ہے۔

## الفاظ کے اعتبار سے سلام کا طریقہ:

سلام میں کم سے کم الفاظ ''السلام علیکم'' ہیں۔ اس کے علاوہ جس صاحب پر سلام کیا گیا ہو۔ وہ اگر منفرد ہے تو اس کو کم سے کم الفاظ ''السلام علیک'' سے سلام کیا جائے۔ لیکن اس میں افضل اور محبوب عمل یہی ہے کہ ''السلام علیکم'' سے ہی سلام کیا جائے تا کہ اس میں وہ منفرد خود بھی اور کراما کاتبین بھی شامل ہو جائیں۔ یعنی اس کے داہنے فرشتے اور سلام کے مکمل الفاظ یہ ہیں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' اور اگر کوئی صرف السلام علیکم کہے، تو بھی جائز ہے۔

## سلام کا جواب:

سلام کا مکمل جواب یہ ہے ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' یعنی جس میں ''واؤ'' کا پورا پورا اہتمام کیا جائے، اگر فقط ''و علیکم السلام''، یا ''علیکم السلام'' پر اقتصار کیا جائے تو بھی جائز ہے۔

سلام اور جواب سلام پر ''وَبَرَكَاتُهٗ وَمَغْفِرَتُهٗ'' کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ سنن ابوداود میں روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ''السلام علیکم ورحمة الله و بركاته ومغفرته'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چالیس اور پھر فرمایا، اس طرح انسان ایک دوسرے پر فضیلت لے جاتے ہیں۔

(سنن ابوداود، کتاب الادب، رقم: ٥١٦٦)

چھوٹا بڑے کو سلام کرے:

اس حدیث میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے، راہ گیر بیٹھنے والے کو سلام کرے اور چھوٹی (جماعت) بڑی (جماعت) کو سلام (میں پہل) کیا کرے۔لیکن اگر کوئی بڑا چھوٹے کو سلام کرے یا بیٹھنے والا راہ گیر کو سلام کرے وغیرہ۔تو اس عمل سے حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی؟ کیونکہ یہ عمل آداب سے متعلق ہے۔ اور دوسرے یہ کہ مذکورہ حدیث امر کا معنیٰ ضرور دے رہی ہے، لیکن یہ امر وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے اور استحباب کے متعلق قاعدہ ہے۔

**قاعدہ**: ترکِ مستحب کراہت کو لازم نہیں آتا، بلکہ وہ خالفِ اولیٰ ہوتا ہے۔

(دیکھئے! شرح مسلم للنووی: ٤/٥۔ فتح الباری: ١٧/١١)

مذکورہ بالا حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے۔اس کی حکمت یہ ہے کہ:

**اول**: چھوٹے کو بڑے پر (عزت و توقیر کی وجہ سے) سلام میں پہل کرنے کی تعلیم (دی گئی ہے) تا کہ وہ بڑے کا پورا احترام کرے۔

**دوم**: راہ گیر کو بیٹھے ہوئے شخص پر سلام کا حکم خطرہ کی وجہ سے دیا گیا ہے، تا کہ اگر کوئی ڈر و خطرہ ہو، تو وہ سلام کرنے سے محبت و انس میں بدل جائے یا راہ گیر کو سلام میں پہل کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا، تا کہ بیٹھے ہوئے شخص کو مشقت نہ کرنی پڑے۔

**سوم**: چھوٹی جماعت کو بڑی جماعت پر سلام میں پہل کرنے کی حکمت واضح ہے کہ بڑی جماعت کو جماعت صغریٰ (چھوٹی) پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔

اس کے علاوہ سوار آدمی کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ غیر سوار (پیدل چلنے والے) پر سلام میں پہل کرے تا کہ اس میں بجائے فخر وغرور کے عاجزی وانکساری پیدا ہو۔

یاد رہے، اس حدیث میں مذکورہ حکم عمومیت پر دلالت نہیں کرتا کہ ہر جگہ سلام کرنا واجب ہے، بلکہ حالات و مقامات کے مطابق ہوگا، جیسے مثال میں جن مقامات کا تذکرہ ہوا ہے، وہاں سلام کا جواب دینا واجب ہے یا اسے یوں سمجھ لیجئے کہ ہر جگہ سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہوتا۔

بہر حال امام نووی رحمہ اللہ عورتوں کو سلام کرنے کے متعلق فرماتے ہیں: عورتوں کو ان کا خاوند یا محرم افراد میں سے کوئی بھی انہیں سلام کرسکتا ہے۔جبکہ غیر محرم شخص صرف اس بڑھیا کو سلام کرسکتا ہے، جو غیر مشتھی (جسے شہوت نہ آتی) ہو۔

ہاتھ کے اشارے سے یا سر ہلا کر سلام کرنا:

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں آپس میں سلام کو عام کرنے کا حکم ہے اور یہ ہماری باہمی محبت والفت کا ذریعہ

ہے لیکن منہ سے کچھ نہ کہنا اور صرف ہاتھ کے اشارے سے یا سر ہلا کر یا ہتھیلی کے ساتھ سلام کرنا درست نہیں۔ یہ یہود ونصاریٰ کا طرز ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَإِنَّ تَسْلِيْمَهُمْ بِالْاَكُفِّ وَالرُّؤُسِ وَالْإِشَارَةِ))

(السنن الکبریٰ للنسائی: ۲/۹۲، رقم: ۱۰۱۷۲۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۱۷۸۳)

''یہود ونصاریٰ کے سلام کی طرح سلام نہ کرو، بے شک ان کا سلام ہتھیلیوں، سروں اور اشارہ سے ہوتا ہے۔''

امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ التَّسْلِيْمَ بِالْيَدِ)) (الادب المفرد، باب من سلم اشارة، رقم: ۱۰۳۵)

''سلف صالحین ہاتھ کے ساتھ سلام کو ناپسند کرتے تھے۔''

## غیر مسلم کے سلام کا جواب:

ہر مسلم غیر مسلم سے دشمنی رکھنے کا روادار ہے، لہٰذا کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسا کام سرانجام دے، جس سے غیر مسلم کے لیے اظہار محبت ہو۔ اس لیے غیر مسلم کو سلام میں پہل کرنے سے روکا گیا ہے، البتہ اگر غیر مسلم سلام کی جگہ صاف لفظوں میں بددعا کے الفاظ استعمال کرتا ہے، تو اسے صرف وعليك یا وعليكم سے جواب دینے پر اختصار کیا جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ چند یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ''السام علیکم'' کہتے ہوئے حاضر ہوئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں صرف وعليكم سے جواب دیا۔ آج کے دور میں غیر مسلم اگر احسن انداز کے ساتھ اچھے لفظوں میں سلام دعا کرتے ہیں تو انہیں احسن انداز سے جواب دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے عام حکم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا﴾

سیدنا انس بن مالک رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ)) (صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، رقم: ۶۲۵۸)

''جس وقت اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو تم صرف (وعلیکم) کہو۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ فَإِنَّمَا يَقُوْلُ أَحَدُهُمْ: اَلسَّامَ عَلَيْكَ، فَقُلْ وَعَلَيْكَ)) (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، رقم: ۶۲۵۷)

''جب تمہیں یہود سلام کہتے ہیں تو ان میں سے کوئی ایک (السام علیك) کہتا ہے تو تم اسے صرف

(وعلیك) کہو۔''

ان روایات کے پیش نظر اہل کتاب کوسلام کے جواب میں فقط ''وعــلیك''ہی کہا جائے گا۔اس سے زیادہ کلمات کہنا صحیح نہیں ہے۔جیسا کہ مولانا داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ غیر مسلم کوسلام کا جواب دینے سے متعلق فرماتے ہیں: آج کے دور میں غیر مسلم اگر کوئی اچھے لفظوں میں دعا وسلام کرتا ہے،تو اس کا جواب بھی اچھا ہی دینا چاہیے۔ ﴿وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا﴾ کا حکم عام ہے۔

(شرح صحیح بخاری: ۷/ ۵۷۷۔ ناشر مکتبہ قدوسیہ)

ڈاکٹر محمد لقمان السّلفی حفظہ اللہ نے مذکورہ آیت کے تحت اپنی تفسیر میں غیر مسلم کو جواب دینے (سلام کا جواب) پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:''جہاد سے متعلق آیتوں کے درمیان''سلام وتحیہ'' کا ذکر، شاید اس مناسبت سے ہے کہ ابھی چند ہی آیتوں کے بعد آیت (۹۴) میں یہ حکم بیان کیا جائے گا کہ اگر کوئی کافر میدانِ کارزار میں تمہیں سلام کرے، اوراس بات کا اشارہ دے کہ وہ مسلمان ہے،تو یہ کہہ کر رد نہ کر دو کہ تم مسلمان ہو، اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے اسے قتل نہ کردو۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کوئی''السلام علیکم'' کہے،تو اس کے جواب میں''وعـلیـکـم السلام ورحـمة الله وبركاته'' یا کم از کم اس جیسے کلمات استعمال کریں۔اس آیت سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ سلام کا جواب مسلمان اور کافر سب کو دینا واجب ہے،حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ کافر کے سلام کا جواب ''وعلیكم السلام'' کے ذریعے دیتے تھے اور''رحمة الله'' کا اضافہ نہیں کرتے تھے۔اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نصرانی کے سلام کا جواب دیتے ہوئے''وعـلیـكم السلام و رحمة الله'' کہا،ان سے اس بارے میں پوچھا گیا،تو جواب دیا کہ وہ اللہ کی رحمت کے زیرِ سایہ زندہ نہیں ہے۔لیکن 'صحیحین' میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ''اگر اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو''وعـلیـکم'' کہو۔البتہ ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس سے گذرے جس میں مسلمان، یہود اور بت پرست سبھی تھے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کیا۔''

(دیکھئے!تیسیر الرحمن، ۱/ ۲۸۱۔ مطبوعہ دارالکتاب والسنہ)

## فاسق پر سلام کرنا:

فاسق شخص پر سلام کرنے کی مشروعیت میں اختلاف ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدعتی اور جو شخص جرم عظیم کا ارتکاب کے باوجود تائب نہ ہوا ہو۔اس شخص کو نہ تو سلام کرنا چاہیے اور نہ ہی اس کے سلام کا جواب دینا چاہیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے بھی یہی بات کہی ہے۔(دیکھئے!الأذکار، للنووی، ص، ۲۱۸)

سلام کے اس عام حکم سے کھانے والا، پینے والا، قضائے حاجت کرنے والا، غسل کرنے والا، نماز پڑھنے والا،

اذان دینے والا، خطبہ میں بیٹھنے والا، دل جمعی سے دعا کرنے والا اور حالتِ احرام میں تلبیہ کہنے والا، یہ تمام کے تمام لوگ مستثنیٰ ہیں۔ حالانکہ اس استثنیٰ کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ اس استثناء کی شرعاً ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے برعکس قرآن کے حکمِ عام سے یہ بات آشکار ہے کہ سلام کا جواب ہر آدمی کو دینا چاہیے۔ البتہ جواب دینے کی صورتیں مختلف ہوں گی۔ مثلاً قضائے حاجت کرنے والا فراغت کے بعد جواب دے سکتا ہے اور نماز پڑھنے والا ہاتھ یا انگلی کے اشارہ سے جواب دے سکتا ہے۔

(فتح الباری: ۱۱/۱۹، ۲۰۔ عمدۃ القاری: ۱۸/۲۱۹، ۲۲۰)

# کفار کے ساتھ جہاد وقتال کا حکم

۵۱...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( لَا اَزَالُ أُقَاتِلُ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔" فَاِذَا قَالُوْا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، فَقَدْ عَصَمُوْا مِنِّىْ اَمْوَالَهُمْ وَاَنْفُسَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں لوگوں سے تب تک قتال کرتا رہوں گا جب تک وہ "لاالہ الااللہ" (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں) کا اقرار نہیں کر لیتے، چنانچہ جب انہوں نے اقرار کرلیا، تو بالتحقیق انہوں نے اپنے اموال اور جانیں مجھ سے بچالیں۔ سوائے ان کے حق کے (یعنی قصاص، ارتداد یا کسی اور حدِ شرعی کی وجہ سے قتل مستثنیٰ ہے) اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔''

**شرح الحديث:** ......قارئین کرام! اس فرمانِ مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ ومطہرہ کا عظیم الشان مقصد امت کے سامنے بیان فرمایا کہ تمام روئے زمین پر مجھے اپنی زندگی ہی میں اسلام کے اصل الاصول یعنی لاالـٰہ الاالـلّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا نفاذ کر دینا ہے۔ جولوگ مسرت وخوشی سے اس دعوتِ حسنہ کو قبول کرلیں گے، وہ ہمارے اس اسلامی قافلہ کے ایک رکن بن کر ان تمام حقوق کے مستحق ٹھہریں گے جو اسلام نے مسلمانوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ اور جولوگ ہماری اس دعوت کے مقابلہ میں آڑ بن کر ہم سے لڑائی کریں گے، تو میں ان سے برابر قتال کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حق و باطل کے مابین فیصلہ کر دے۔ اور جن لوگوں نے نہ اسلام قبول کیا ہو اور نہ لڑائی جھگڑے میں شریک ہوتے ہوں تو ایسے لوگوں کے لیے اسلام کا ''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ '' والا سیدھا سادا اصول ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں کسی پر زبردستی جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کی ذاتی خوشی پر موقوف ہے، آزادی وحریت سے جو چاہے اسے قبول کرے اور جو نہ چاہے وہ قبول

(۵۱)...... صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب دعاء النبی ﷺ الی الإسلام و النبوة، رقم: ۲۹۴٦۔ صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب الامر بقتال الناس حتیٰ يقولوا لااله الا الله محمد رسول الله، رقم: ۲۱/۳۳۔ مسند احمد: ۵۹/۱۳۵، رقم: ۵۲/۸۱٤۸، حدثنا عبدالرزاق بن همام : حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم...... شرح السنة، باب البيعة على الإسلام و شرائعه و القتال مع من ابى : ٦٥/١، رقم: ۳۱.

نہ کرے۔

## اسلام نے مذہب کے بارے میں کسی بھی جبر وزبردستی کو روا نہیں رکھا:

امام بغوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''حَتّٰی یَقُوْلُوْا ، لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ '' سے رسول اللہ ﷺ کی مراد غیر مسلم وہ لوگ ہیں جو صرف بتوں کی پوجا کرتے ہیں نہ کہ اہل کتاب (یہود) کیونکہ وہ ''لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ '' کا اقرار کرتے ہیں، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تلوار اہل کتاب سے بھی دور نہ ہوگی، جب تک وہ میری نبوت کا اقرار نہ کرلیں گے۔

(دیکھئے! شرح السنہ: ٦٦/١)

اور امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''جان اور مال کے محفوظ ہونے کی ذمہ داری صرف اس شخص کے لیے ہے جو ''لَااِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ '' پر حقیقی معنوں میں ایمان رکھتا ہو، نہ کہ ایسے لوگوں کے لیے جو فقط (زبان سے) توحید کا اقرار کرتے ہوں، حالانکہ ایسا اقرار تو وہ کفر کی حالت میں اعتقاداً کیا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے ایک دوسری حدیث موجود ہے، جس کا مقصد یہ ہے ''اقرارِ توحید کے بعد میری رسالت کا بھی اقرار کرنا ہوگا اور ساتھ ساتھ فریضہ نماز اور زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگا'' اور مذکورہ حدیث ان تمام چیزوں پر ایمان لانے سے مانع نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آیا ہے۔ ''مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب تک وہ اللہ کے معبود ہونے پر، مجھ پر اور میں جس دین کو اپنے ساتھ لایا ہوں اس پر شہادت نہیں دیتے۔'' (دیکھئے! شرح مسلم: ١٧٤/١)

مذکورہ احادیث سے جو باتیں سمجھ آتی ہیں، وہ یہ ہیں کہ:

١۔ ایسے لوگوں کے ساتھ قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو سرے سے توحید کو مانتے ہی نہیں۔

٢۔ ایسے لوگوں کے ساتھ قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو توحید کو مانتے ہوں، مگر رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے عموماً یا خصوصاً کسی طرح سے منکر ہوں۔

٣۔ اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ جو لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد توحید و نبوت کو مانتے ہوں، مگر طاعات پر عمل نہ کرتے ہوں، تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک قتال کرنا ہے جب تک وہ فرمانبردار نہیں بن جاتے۔ (دیکھئے! فتح الباری: ١١٢/٦)

## ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

لیکن یہاں ایک سوال ہے کہ جو کافر ٹیکس ادا کرتے ہیں یا (مسلم ممالک میں اپنے کے لیے کوئی) معاہدہ کرتے ہیں۔ تو ان سے قتال کیوں نہیں کیا جاتا، جب کہ حدیث کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر اس آدمی سے قتال کرنا ہے جو توحید کا منکر ہے۔

ازالہ:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، اس سوال کے مختلف جوابات ہیں:

**اول**: پہلا جواب یہ ہے کہ ٹیکس اور معاہدہ کرنے والے غیر مسلموں سے قتال کرنا منسوخ ہے، اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ ٹیکس اور معاہدہ کرنے کی اجازت قتال والی احادیث کے بعد مل گئی ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ اجازت اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کے بعد ملی تھی۔

**دوم**: دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں کفار سے قتال کرنے کا حکم عام دیا گیا ہے، لیکن ممکن ہے وہ حکم عام بعض صورتوں کے لیے استثناء کا درجہ رکھتا ہو (جیسا کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے "عام خص منه البعض") کیونکہ اس حدیث کا اصل مقصود یہ ہے کہ مطلوب کا حصول پورا پورا ہو یعنی مطالبۂ توحید اگر کسی دلیل کی وجہ سے بعض صورتیں رہ بھی جائیں، تو اس حکمِ عام میں کسی قسم کا نقص وعیب پیدا نہیں ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

**سوم**: تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار کے متعلق قتال کا حکم تو عام ہے، لیکن ممکن ہے اس حکم سے اہل کتاب کے ما سوا خاص قسم کے ''مشرک کفار'' مراد لیے گئے ہوں۔

علاوہ ازیں اس بات کی تائید 'سنن نسائی' کی ایک روایت بھی کرتی ہے۔ جو ان الفاظ سے مروی ہے۔ "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ الْمُشْرِكِيْنَ......الخ" مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مشرکین سے قتال کروں، اگر کوئی (اس صورت پر) سوال اٹھائے کہ یہ بات اہل جزیہ پر تو صادق آتی ہے۔ مگر جو کفار (کسی) معاہدہ کے تحت رہے ہوں یا ٹیکس سے انکاری ہو کر اس ملک میں بس رہے ہوں، ان پر صادق نہیں آتی۔

مزید لکھتے ہیں: ترکِ قتال سے قطعاً یہ مقصود نہیں ہے کہ ایسے کفار کے ساتھ ہمیشہ کے لیے قتال نہ کیا جائے، بلکہ اس سے یہ مقصود ہے کہ جب تک وہ ٹیکس ادا کرنے اور مسلمانوں سے طے شدہ معاہدے پر قائم و دائم رہیں، تو انہیں معاف کیے رکھو، وگرنہ ان سے بھی قتال کیا جائے گا۔ تو سمجھ لیجیے کہ ایسے لوگوں سے عارضی طور پر قتال نہیں کیا جائے گا، جیسے صلح کرنے والوں کے ساتھ عارضی طور پر جنگ روک دی جاتی ہے، ہاں جو غیر مسلم پہلے ٹیکس ادا کرتے ہوں مگر بعد میں اس کی ادائیگی سے انکار کر دیں، تو ان سے قتال کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے۔

﴿ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۲۹)

''یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔''

**چہارم**: چوتھا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے مذکورہ حدیث میں شہادت سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور اس کے دشمن مغلوب ہوں (ظاہر ہے) اس کا حصول بعض کفار سے قتال کر کے، بعض سے ٹیکس وصول کر کے اور

بعض کفار سے عہد و پیمان کر کے حاصل ہو گا۔

**خامس**: پانچواں جواب یہ ہے کہ ممکن ہے قتال سے مراد وہی قتال ہو یا اس کے قائم مقام کوئی دوسری چیز مثلاً جزیہ وغیرہ۔

**سادس**: یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ غیر مسلموں پر ٹیکس لگانے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اسلام کے آگے سر جھکا دیں (مجبور ہو جائیں) اور یہ سبب السبب سبب کے حکم میں ہے یعنی ان سے قتال اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ غیر مسلم ہیں اور قتال کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مجبور ہوں جائیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ گویا رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں: غیر مسلموں سے قتال کرو، یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا وہ اس چیز کا التزام کریں جو انہیں اسلام کی طرف راغب کرے اور یہ سب سے عمدہ طریقہ ہے۔ واللہ اعلم (دیکھئے! فتح الباری: ۷۷/۱)

حدیث کے آخری حصے میں بتلایا ہے کہ جو باتیں غیر مسلم اپنے دلوں میں مخفی رکھتے ہیں ان کا حساب تو اللہ ہی پر ہو گا، لیکن جو احکاماتِ اسلامی ان پر ظاہراً عائد ہیں اگر ان میں کسی قسم کی کوتاہی کریں، تو اس کے متعلق ان سے پوری طرح پوچھ گچھ کی جائے گی اور اسلامی احکامات کی بجا آوری کا پورا پورا مطالبہ کیا جائے گا۔ انہوں نے اسے اختیار کر لیا، تو فبہا وگرنہ ان سے جنگ کی جائے گی۔ جیسا کہ منکرین زکوٰۃ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔

(دیکھئے! شرح السنہ: ۶۷/۱)

امام نووی رضی اللہ عنہ رقم طراز ہیں: اسی حدیث میں محققین اور جمہور سلف وخلف کے مذہب کے موافق (بڑی) واضح دلیل ہے کہ جو شخص دین اسلام کی حقانیت کے متعلق ایسا جازم (پختہ) اعتقاد رکھتا ہو جس میں اسے کسی قسم کا کوئی تردد وشک نہ ہو تو (سمجھ لو کہ) اس کے لیے وہ کافی ہے اور وہ شخص (ایک) مؤمن وموحد ہے اور اس کو معرفتِ الٰہی کے لیے علم کلام کے ادلہ اربعہ کا فہم وادراک ضروری نہیں۔ ویسے بھی یہ بات اس شخص کے مخالف جاتی ہے، جو اسلام قبول کرنے کے لیے بطور شرط علم کلام کے دلائلِ اربعہ کو سیکھنا ضروری سمجھتا ہو۔

### معتزلہ کا نظریہ:

اکثر معتزلہ کا نظریہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ متکلمین کے دلائل اربعہ کا فہم وادراک نہ رکھتا ہو، (افسوس کہ) بعض ہمارے اپنے اصحاب بھی اس نظریہ کے قائل ہیں، حالانکہ یہ ایک واضح لغزش ہے۔

بہر حال اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ دینِ اسلام قبول کرنے کے لیے پختہ تصدیق و یقین کی ضرورت ہے۔ (اور یہ تصدیق دلائل کا تقاضا نہیں کرتی) اور اس کی معرفت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ اسی

لیے رسول اللہ ﷺ نے معرفت کو کسی دلیل سے مشروط نہیں فرمایا اور اپنی لائی ہوئی شریعت پر تصدیقِ جازم کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ صحیحین، کی احادیث سے آشکار ہے اور وہ احادیث اپنی سند کے اعتبار سے تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، جو علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔

اس حدیث سے جو امور ثابت ہوتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جہاد کرنا واجب ہے۔

۲۔ جو شخص کلمۂ توحید قبول کر لے چہ جائیکہ وہ تلوار کے وار تلے ہی کیوں نہ ہو، اس کے مال اور جان کو محفوظ رکھا جائے گا (یا سمجھا جائے گا)۔

۳۔ احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے ظاہر کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ اور مخفی باتوں کا ذمہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (دیکھئے! شرح مسلم: ۱/۱۷۸، ۱۷۹)

## مرتد کی توبہ:

اکثر اہل علم کے نزدیک یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ مرتد شخص کی توبہ مقبول ہے اور اس کے حالات اللہ کے سپرد کیے جائیں گے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرتد کی توبہ قبول نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ اپنے دل میں کفر کو مخفی رکھتا ہے۔ (دیکھئے! شرح السنہ: ۱/۶۹)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کا اقرار تو کیا ہو لیکن اس سے زائد کچھ نہ کہا ہو، تو ایسے شخص کے ساتھ قتال کرنا اس حدیث کی رو سے منع ہے (اور یہ بات ہے بھی معقول) یہاں تک کہ وہ اس سے آگے کچھ کہہ دے، ہاں! یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ محض لا الہ الا اللہ کے اقرار سے وہ شخص مسلمان کہلائے گا یا نہیں؟ اس سے متعلق راجح بات یہی ہے کہ وہ مسلمان کہلوانے کا مستحق نہیں ہوگا۔

اگر وہ شخص رسالت محمدی ﷺ کی شہادت دے دیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی احکامات پر عمل پیرا بھی ہوتا ہے، پھر یہ مسلمان کہلوانے کا پورا پورا مستحق ہوگا۔ اسی بات کی طرف رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا تھا ''اِلَّا بِحَقِّ الِاسْلَامِ''، یعنی کلمہ توحید قبول کرنے والا کوئی شخص اگر اسلام کا حق غصب کرتا ہے، تو وہ مسلمان نہیں ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ کی توحید وحدانیت کا منکر شخص چاہے بت پرست ہو یا دو معبودوں کا ماننے والا ہو۔ جب اس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو اسے مسلمان سمجھا جائے گا اور پھر اسے جبراً اسلام کے (بنیادی) احکام سکھانا پڑیں گے، اس کے علاوہ اسے ہر اس دین سے جو دین اسلام کے (سراسر) مخالف ہو، جدا کر دیا جائے گا۔

اور جو شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار تو کرتا ہو، مگر نبوتِ محمدی ﷺ کا منکر ہو تو ایسے شخص کو اس وقت تک

مسلمان نہ کہا جائے گا، جب تک وہ ''محمد رسول اللہ'' کا اقرار نہیں کر لیتا۔ اگر اس کا اعتقاد رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ ہے کہ رسالت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام فقط اہل عرب کے لیے تھی، تو اسے (مسلمان کہلوانے کے لیے) ماسوا اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو جمیع مخلوقات کے لیے تسلیم کرے اور اگر وہ (اسلام کے) کسی واجب (رکن) سے انکار کر کے یا کسی حلال چیز کو حرام ٹھہرا کر کفر کرتا ہے، تو اس شخص کو اپنے اس عقیدہ بد سے رجوع کرنا چاہیے۔ (دیکھئے! فتح الباری: ۲۷۹/۱)

# جنت اور دوزخ کے مابین مباحثہ

**۵۲**...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ ، فَقَالَتِ النَّارُ: أُوْثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِيْنَ وَالْمُتَجَبِّرِيْنَ ، وَقَالَتِ الْجَنَّةُ: فَمَا لِيْ ، لَا يَدْخُلُنِيْ اِلَّا ضُعَفَآءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ وَغَرَّتُهُمْ .

فَقَالَ اللّٰهُ لِلْجَنَّةِ: اِنَّمَا اَنْتِ رَحْمَتِيْ ، اَرْحَمُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ ، وَقَالَ لِلنَّارِ: اِنَّمَا اَنْتِ عَذَابِيْ ، اُعَذِّبُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ ، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْكُمَا مِلْؤُهَا .

فَاَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتّٰى يَضَعَ اللّٰهُ فِيْهَا رِجْلَهٗ ، فَتَقُوْلُ: قَطْ ، قَطْ فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوٰى بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ ، وَلَا يَظْلِمُ اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهٖ اَحَدًا ، وَاَمَّا الْجَنَّةُ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت اور دوزخ میں مباحثہ ہوا، دوزخ نے کہا: متکبر و مغرور لوگوں کے سبب مجھے تجھ پر برتری حاصل ہے۔ جنت نے کہا: کیا ہے کہ میرے ہاں متکبرین کی بجائے صرف ضعیف، گھٹیا اور سادہ لوح لوگ ہی داخل ہوتے ہیں، اس پر اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں، اپنی رحمت سے نوازتا ہوں۔ اور دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں عذاب میں مبتلا کرتا ہوں اور تم دونوں ( کا اپنے پیمانے کے مطابق ) بھرنا حقیقت ہے۔ البتہ دوزخ تب بھرے گی جب اللہ اپنا پاؤں اس میں رکھے گا۔ (جب اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں رکھے گا ) تو

---

(**۵۲**)...... صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب (وتقول هل من مزید)، رقم: ۴۸۵۰، حدثنا عبدالله بن محمد، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال النبی ﷺ...... ـ صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها، باب النار یدخلها الجبارون و الجنة یدخلها الضعفاء، رقم: ۳۶/ ۲۸۴۶، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر، عن همام بن منبه قال وهذا، حدثنا به ابوهریرة عن رسول الله ﷺ فذكر احادیث منها وقال رسول الله ﷺ...... ـ مسند احمد: ۱۶/۶۰، رقم: ۸۱۴۹/ ۵۳ـ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب صفة اهل النار: ۱۱/۴۲۲، ۴۲۳ـ شرح السنة: ۱۵/۲۵۶ـ ۲۵۷.

دوزخ کہے گی: بس! بس! (لہٰذا) اس وقت وہ بھر جائے گی اور وہ سکڑ جائے گی، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی (ایک) پر (بھی) ظلم نہیں کرے گا۔ اور رہا جنت کا بھرنا، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک اور مخلوق پیدا کر دیں گے۔''

**شرح الحدیث......**

**جنت اور جہنم کا جھگڑا و مباحثہ:** ...... تَحَاجَّتْ: یہ اصل میں تحاججت باب مفاعلہ محاججۃ سے ہے یعنی ایک دوسرے سے جھگڑنا، اور کسی دلیل کی بنیاد پر غلبہ حاصل کرنا، لیکن اس حدیث میں جس مباحثے اور جھگڑے کا ذکر ہے اس میں تحصیل غلبہ مراد نہیں۔

سَقَطُهُمْ: یعنی کمزور اور پست درجہ لوگ اہل دنیا کی نگاہوں سے گرے ہوئے ہوں۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی اہمیت اور اعلیٰ درجے کے حامل ہوتے ہیں۔ اور مذکورہ حدیث میں ایسے لوگوں کو ''کمزور اور پست درجہ'' اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی ذات ونفس کو اللہ کے سامنے انتہائی انکساری و عاجزی کے ساتھ جھکا دیا اور اپنے دلوں میں اللہ کی عظمت و بلندی کو جگہ دی۔ اور اس کے سامنے اپنے آپ کو بالکل کمزور اور پست پایا۔ اس اعتبار سے یہ مناسبت بالکل درست ہے۔

غَرَّتُهُمْ: یہ لفظ تین طرح سے مروی ہے، جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ لفظ صحیح مسلم کے نسخوں کے مطابق تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔

**اول:** غَرَّتُهُمْ: اس لفظ کے معنی حاجت مند، غریب ومفلس اور بھوکے لوگ ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہمارے اکثر مشائخ کے ہاں پائی جاتی ہے۔

**ثانی:** عَجَزَتُهُمْ: یہ لفظ عاجز (بمعنی کمزور) کی جمع ہے۔

**ثالث:** غِرَّتُهُمْ: اس کے معنی ہیں ایسے لوگ جو امور دنیا سے بالکل لاعلم ہوں اور انہیں کسی معاملہ میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔ جیسا کہ ایک (دوسری) حدیث میں آتا ہے۔ ((أَكْثَرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ البله)) ''اہل جنت کی اکثریت علم والے لوگوں کی ہوگی۔'' (یاد رہے کہ یہ علم دین سے نہیں، بلکہ امور دنیا سے متعلق ہے) اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اکثر عامی لوگ ہی اہل ایمان ہوتے ہیں۔ جو شبہات کے شکنجے میں نہیں آتے اور نہ ہی شیاطین انہیں وساوس میں جکڑ سکتے ہیں۔ بہر حال یہی لوگ عقائدِ صحیحہ اور ثابت ایمان والے ہیں۔ اور جو اہل ایمان عالمین، اہل علم، عادلین، صالحین اور عبادت گزار ہوں۔ وہ تعداد میں تو کم ہوتے ہیں، لیکن اصل میں یہی لوگ صاحبِ درجات ہوتے ہیں۔ (دیکھئے! شرح مسلم للنووی: ۷۰۲/۵۔ فتح الباری: ۴۳۶/۱۳)

**جنت کا ایک نام ''رحمۃ'' ہے:**

جنت کو رحمت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور اس کی مخلوق پر ہوگا۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ ((اَرْحَمُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ)) علاوہ ازیں صفتِ رحمت اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے ہے جن کے ساتھ وہ ہمیشہ سے موصوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم یا وصف حادث نہیں، بلکہ وہ اپنے تمام اسماء (جو جلالت و بزرگی والے ہیں) وصفات (جو مطہر و پاکیزہ ہیں) سمیت قدیم ہے۔

(دیکھئے! شرح السنہ: ۱۵/۲۵۷)

**اللہ تعالیٰ کی پنڈلی:**

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث ان مشہور احادیث میں سے ہے جو ذات باری تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہیں۔ ذات باری کی صفات سے متعلق اہل علم کے دو مذہب ہیں۔ جن کا ماحصل سطور ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

**اول**: پہلا مذہب جمہور سلف اور بعض متکلمین کا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم صفاتِ باری تعالیٰ پر اس معنی میں ایمان رکھتے ہیں کہ ان صفات کی کوئی تاویل نہ کی جائے، بلکہ ان کو اس مراد پر چھوڑ دیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو۔ اس کے علاوہ صفات باری تعالیٰ کا ایک (معقول) معنیٰ بھی ہے جو ان صفات کے لائق و مناسب ہے اور جو معنیٰ ان صفات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہے۔

**ثانی**: دوسرا مذہب جمہور متکلمین کا ہے۔ ان کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات کے مناسب اور ان کے شایان شان تاویل کی جائے گی، چنانچہ انہوں نے اسی بنیاد پر اس حدیث کی مختلف تاویلیں بیان کیں ہیں۔ مثلاً

**الاول**: حقیقتاً اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''القدم'' بمعنی المتقدم (آگے بھیجنے والا، آگے کرنے والا) بیان ہوئی ہے، جیسا کہ ایک دوسری روایت کے الفاظ ''قدمہ'' سے ظاہر ہے۔ اور ''القدم'' بمعنی ''المتقدم'' عربی لغہ میں مشہور و معروف ہیں۔ اس اعتبار سے حدیث کا معنی یہ ہوا کہ ''اللہ تعالیٰ مستحقین عذاب کو دوزخ میں پہلے رکھے گا۔''

**الثانی**: قدم سے مراد اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا قدم ہے۔ اس اعتبار سے ضمیر کا اعادہ اس مخلوق کے قدم کی طرف ہوگا جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرما چکا ہے۔

**الثالث**: اور یہ بھی جائز ہے کہ ''رِجل'' سے مراد لوگوں کی جماعت ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے رِجل جرادٍ یعنی ٹڈیوں کی جماعت۔ (دیکھئے! شرح مسلم/ للنوی: ۵/۷۰۲)

یاد رہے کہ جمہور علماء کا مذہب صحیح ہے، لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کو بغیر تاویل اور معانی صفات کو بغیر کسی تأویل و تعطیل کے ان پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور اس بات پر یقین

(کامل) رکھتے ہیں کہ ان صفات کے جو معانی بھی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہیں اور یہ صفات اللہ تعالیٰ کی بلند تر ذات کے ساتھ خاص ہیں۔یعنی اسی کے لیے ہیں۔اس پر مزید یہ کہ جس طرح ہم اس بلند تر ذات کی حقیقت وجوہر سے ناواقف ہیں (عین) اسی طرح اس کی صفات کی حقیقت وجوہر سے بھی ناواقف ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات سے (قطعاً) مشابہہ نہیں ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ اس مختار مذہب کی (مزید) وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:'' حدیث میں مذکورہ دونوں صفتیں یعنی قدم، رجل بمعنی پاؤں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں جو کہ (ہر قسم کی) تکییف وتشبیہ سے منزہ ہیں۔اور اس قبیل کی ہر وہ صفات جو کتاب وسنت میں بیان ہوئی ہیں، ان پر ایمان لانا فرض ہے۔مثلاً: ہاتھ، انگلی، اتیان، وغیرہ۔

پس ہدایت یافتہ وہی شخص ہے جو اس (معتدل) طریقہ کو قبول کرے۔اور صفاتِ الٰہی کے معانی بیان کرنے والا منحرف، ان کا انکار کرنے والا معطل اور ان کی کیفیت بیان کرنے والا مشبہہ ہے۔اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی تاویلاتِ فاسدہ سے بہت بلند ہے۔ارشاد ہوتا ہے:﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ⑪﴾ ''اس (اللہ) کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ (خوب) سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

اور ویسے بھی ہمارا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے، ان تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں۔

(دیکھئے!شرح السنه ۱۵/۲۵۷، ۲۵۸)

## اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا:

((وَلَا يَظْلِمُ اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهِ اَحَدًا)) اس فرمان میں یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوزخ کو پیدا تو فرمایا، لیکن بھرا نہیں۔اس لیے کہ اگر وہ (نقل کفر کفر نباشد) ظالم ہوتا (حالانکہ وہ ظلم سے بہت بلند ہے) تو اسے (ضرور) بھر دیتا ہے، کیونکہ وہ قادر (مطلق) ہے۔پیدا کرنے والا ہے اور اس بزرگ ہستی کو اپنے اقتدار پر پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔لیکن کیا کہنے اس کے عدل وفضل کے کہ طاقت واختیار کے باوجود (اپنا قدم رکھ کر) دوزخ کو بھر دے گا۔اور وہ اس پر رضا مندی کے ساتھ اکتفا کر لے گی۔اور جنت اور اس کی نعمتوں کے لیے ایک (اور) مخلوق پیدا کرے گا، تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کا کامل عدل وفضل کی روشن دلیل نہیں ہے؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ نے اتنی وسیع وعریض جنت ودوزخ کو بیکار پیدا نہیں فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس اقتدار وقدرت اور عدل وفضل پر مطلع کیا، تاکہ وہ سیدھے راستے پر گامزن ہوں اور یہ عدل وفضل انہیں اپنے رب کی معرفت میں اور آگے کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور (تمام) مخلوقات پر بڑا ہی کریم اور فضل کرنے والا ہے۔جب آپ نے یہ حدیث

جان لی اور اسے اس طریقہ سے سمجھ بھی لیا تو اب آپ کے لیے مناسب ہے کہ آپ کو ایسے لوگوں کی لاعلمی کا اندازہ بھی ہو جائے جو اپنے گمان کی بنیاد پر اس حدیث کو مشکوک نظر سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس روایت پر مندرجہ ذیل شبہات وارد کرتے ہیں۔

## شبہات:

۱۔ اس بات کا ذکر قرآن میں (کہیں) نہیں ہے۔

۲۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت دونوں کے منافی ہے، اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کی مقدار سے (بخوبی) واقف ہے، جنہیں اس نے جنت یا جہنم میں داخل کرنا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق اس پیمانے کے مطابق کرے گا۔

۳۔ قدم والی صفت اللہ بزرگ و برتر کے شایانِ شان نہیں ہے۔ کیونکہ قدم کا ہونا یہ مخلوق کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اسی قسم کا جاہلانہ اور جھوٹا تصور کوئی لاعلم شخص ہی کر سکتا ہے اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے۔، تو پر پھر یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی مخلوق کی طرح دوزخ میں اترے گا، اور دوزخ اس کے نازل ہوئے بغیر سکوت اختیار نہیں کرے گی۔ (دیکھئے! الأضواء القرآنيه : ۲/۱۶۳، ۱۶٤، ۲٦۹، ۲۷۱)

ایسے ہی جناب محمد رضاء الحسن قادری صاحب ''صحیفہ ہمام بن منبہ، مطبوعہ کرمانوالہ بک شاپ، دوکان نمبر۲، دربار مارکیٹ لاہور، ص: ۱۹۱۔۱۹۲'' پر رقمطراز ہیں: ''قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کے اعضاء کا ذکر ہے۔ مثلاً اللہ کا ہاتھ، اللہ کی انگلیاں، اللہ کا پاؤں، اللہ کی پنڈلی وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے کنایۃ واستعارۃ ہے نہ کہ حقیقتاً۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان اعضاء سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ کیونکہ جسم حادث ہے اور حدوث اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو قدیم اور ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ضروری ہے بلکہ وہ واجب الوجود (واجب الذات) ہے لیکن اس کا جسم نہیں۔ یہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لامجسم ہے اور آج کل ایک نام نہاد مسلمان جماعت انگریز کی پیداوار بھی خدا کی جسمیت کی قائل ہے۔ چنانچہ اس جماعت کے مجدد اور امام علامہ وحید الزمان حیدرآبادی لکھتے ہیں:

((وَلَهٗ تَعَالٰى وَجْهٌ وَّعَيْنٌ وَّيَدٌ وَّكَفٌّ وَّقَبْضَةٌ وَّاَصَابِعُ وَسَاعِدٌ وَّذِرَاعٌ وَّصَدْرٌ وَّ جَنْبٌ وَّحَقْوٌ وَّ قَدَمٌ وَّرِجْلٌ وَّ سَاقٌ وَّكَنْفٌ لَا تَلِيْقُ بِذَاتِهِ الْمُقَدَّسَةِ))

(هدية المهدى: ۱/۹)

''اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی ذات مقدسہ کے لائق یہ اعضاء ثابت ہیں: چہرہ، آنکھ، ہاتھ، ہتھیلی، مٹھی،

انگلیاں، کلائی، ذراع (کہنی کے سر سے درمیانی انگلی کے سرے تک کا حصہ) سینہ، پہلو، کمر، پاؤں، ٹانگ، پنڈلی بازو۔''

حالانکہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جسم کا قائل کافر ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((اِنْ اَنْکَرَ بَعْضَ مَا عُلِمَ مِنَ الدِّیْنِ ضُرُوْرَۃً کَفَرَبِھَا کَقَوْلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جِسْمٌ کَالْاَجْسَامِ)) (رد المحتار علی الدر المختار المعروف فتاوی شامی: ۱/ ۸۳)

''اگر ضروریات دین سے کسی چیز کا منکر ہو تو کافر ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے مانند جسم ہے۔''

**ازالہ**: یہ ان جاہل لوگوں کے شبہات تھے جوانہوں نے اس حدیث پر وارد کر کے حدیث کا انکار کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس نزولی حکایت کو بنیاد ٹھہرا کر مذکورہ حدیث کا انکار کیا گیا ہے، اس کا ذکر اس حدیث میں کہیں نہیں آیا۔ بہر حال اس کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ان کے ذہنی خیالات واختراعات کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ ہم حدیث نمبر ۴۷ کے تحت ثابت کر چکے ہیں کہ وحی صرف قرآن ہی نہیں، بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ بھی آتی رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں فقط وہ امور بیان نہیں ہوئے جو عقیدہ سے متعلق ہوں۔

ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جو حدیث کو مشکوک نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ کیا نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی تمام تفصیلات قرآن میں بیان ہوئی ہیں؟ اور جہاں تک ''قدم'' اور ''رجل'' کا تعلق ہے تو اس کے متعلق نہ تو اہل علم میں سے کسی نے کہا ہے اور نہ ہی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ (وہ دونوں) اعضائے الٰہی مخلوق کی طرح ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ اس (تشبیہ) سے بہت بلند ہے۔ اور اس عقیدے کے بارے میں (ہر) صاحب ایمان برابر کا شریک ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو تسلیم اور اسے ہر قسم کے عیب ونقص سے منزّہ سمجھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ مؤول (جسے صفاتِ الٰہی کی تاویل کرنے میں لغت پوری پوری امداد دیتی ہے) بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کو (تمام) نقائص سے منزہ سمجھتا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تکییف یا تمثیل جائز نہیں:

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تکییف اور تمثیل یعنی کیفیت اور مثال بیان کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل: ۷٤)

''پس تم لوگ اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو، یقیناً اللہ جانتا ہے اور تم لوگ (کچھ بھی) نہیں جانتے۔''

انسان کی عقل کے لیے اللہ عزوجل کی صفات کی کیفیت کا ادراک ناممکن ہے۔ اللہ کی صفات، مخلوقات کی صفات کے مشابہ اور مماثل نہیں ہیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوری: ۱۱)

''کوئی چیز اس کی مانند نہیں ہے۔''

اللہ تعالیٰ اس کمال کا مستحق ہے جو ہر کمال سے بڑھ کر ہے، لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی مخلوق کے مشابہ اور مماثل ہو، کیونکہ مخلوق تو ہر اعتبار سے ناقص ہے۔

## تعطیل بھی ناجائز ہے:

جو لوگ جیسا کہ قادری صاحب کے کلام سے بھی ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کرتے ہیں تو انکا نظریہ ظاہر نصوص کے خلاف ہے، طریقہ سلف کے بھی خلاف ہے اور اس مذہب کی کسی صحیح حدیث سے بھی تائید نہیں ہوتی۔ (تفصیل ملاحظہ ہو: القواعد المثلیٰ اور شرح لمعة الاعتقاد از شیخ محمد صالح العثیمین۔ یاد رہے کہ یہ دونوں کتابیں شیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کے ترجمہ کے ساتھ مطبوع ہیں۔)

کاش! اس حدیث کو شک کی نگاہ سے دیکھنے والے اس کی شرح میں مختلف اقوال (سلف) کو دیکھ لیتے، تو (یقیناً) اس قسم کے شکوک وشبہات اور اباطیل سے محفوظ رہ جاتے۔ بہر حال بہت سے لوگ گذر چکے ہیں، جنہوں نے سنتِ رسول ﷺ سے بغض وعداوت رکھا اور جس کے نتیجے میں ان کی کم علمی اور کم عقلی سے اس قسم کی باتیں صادر ہوئیں۔ اسے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اہل کفر وشرک نورِ الٰہی کو اپنے منہ سے پھونک کر بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا ہے اگرچہ اہل کفر پر بات کتنی (ہی) ناگوار گذرے۔ ارشاد فرمایا:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝﴾

(الصف: ۸)

''وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند کریں۔''

# استنجا کرتے وقت طاق ڈھیلے استعمال کرو

۵۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( إِذَا اسْتَجْمَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُؤْتِرْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص ڈھیلوں سے استنجا کرے تو وہ طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرے۔''

**شرح الحديث:**......

ڈھیلوں سے طہارت حاصل کرنا:

حدیث میں لفظ "استجمار" وارد ہوا ہے جس کے معنیٰ بول و براز کے محل کو چھوٹے مٹی کے ڈھیلوں کے ساتھ صاف کرنے کے ہیں۔ اور اہل علم نے ان مقامات کو صاف کرنے کے لیے تین لفظوں کا استعمال کیا ہے۔

۱۔ "الاستجمار" استجمار جو ڈھیلوں کے ساتھ مختص ہے۔

۲،۳۔ "الإستطابه" اور "الإستنجاء" یہ پانی اور ڈھیلوں دونوں سے درست ہے یا پھر کوئی ایسی چیز جو طہارت میں ڈھیلوں کے قائم مقام ہو تو اس سے بھی استطابہ اور استنجاء درست ہے۔ مثلاً لکڑی، راکھ، پھٹے ہوئے کپڑے کا ٹکڑا اور درخت کے پتے وغیرہ۔ البتہ ان تمام چیزوں سے منع ہے جو قابل احترام ہوں یا جن سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہو، جیسے ہڈی اور گوبر وغیرہ۔

(دیکھئے! شرح مسلم/ للنووی: ۵۲۲/۱، ۵۲۳۔ شرح السنة: ۳۶۳/۱)

اور یہی مشہور قول جمہور محدثین، فقہاء اور اہل لغت کا ہے۔ یونس کہتے ہیں کہ ابن عیینہ سے رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک ''وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ'' کے متعلق سوال کیا گیا، اس کا معنی کیا، تو ابن عیینہ خاموش ہو گئے۔ پھر ان سے کہا گیا کہ جو بات امام مالک رحمہ اللہ نے کہی ہے، کیا آپ اس پر رضا مند ہیں؟ ابن عیینہ نے کہا: مالک رحمہ اللہ نے کون سی بات کہی ہے؟ کہا گیا: مالکؒ نے کہا ہے کہ استجمار اور استطابہ ڈھیلوں سے درست

(۵۳)...... صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الإيتار فى الاستنثار و الاستجمار، رقم: ۲۳۷/۲۰، ۲۳۷/۲۲، ۲۳۷/۲۲، ۲۳۹/۲۴۔ مسند احمد: ۶۱/۱۶، رقم: ۸۱۵۰/ ۵۴، حدثنا عبدالرزاق بن همام : حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال : هذا ما حدثنا به أبوهريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ......۔ صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب الإستنثار، و باب الإستجمار وترا، رقم: ۱۶۱، ۱۶۲.

ہے۔(دیکھئے! صحیح ابن خزیمہ: ۴۲/۱)

علاوہ ازیں امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے معمر رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسی روایت نقل کی ہے جو جمہور علماء کی رائے کے موافق ہے۔(دیکھئے! مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۴۲)

## طاق ڈھیلوں سے استجمار:

استنجاء کرتے وقت طاق تعداد میں ڈھیلے استعمال کرے۔ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ''وتر'' سے مراد تین ڈھیلے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا اسْتَجْمَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ ثَلاثاً))

(صحیح ابن خزیمہ: ۱/ ۴۲)

جب تم میں سے کوئی ڈھیلوں سے استجاء کرے، تو وہ استنجاء کے لیے تین ڈھیلے استعمال کرے۔''

(مذکورہ) حدیث سے پر استدلال کیا گیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکی حاصل کرنے کے لیے طاق، تین ڈھیلوں (یا پتھروں) کے استعمال کرنے کا حکم فرمایا ہے، اگرچہ طاق کا اطلاق ایک سے زائد پر ہوتا ہے جیسے تین، پانچ اور سات (وغیرہ) اگرچہ طاق کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ایک ڈھیلا یا پتھر پاکی حاصل کرنے کے لیے کفایت نہیں کرتا، اس لیے اس کا استعمال مناسب نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکی حاصل کرنے کے لیے تین پتھروں سے کم استعمال نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ تین سے کم پتھر طہارت کے لیے کافی نہیں ہوتے۔

امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''پاکی حاصل کرنے کے لیے طاق (ڈھیلوں یا پتھروں) کا حکم فرمانا یہ امر استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔ بایں طور اگر کوئی شخص پاکی حاصل کرنے کے لیے تین سے زیادہ تعداد میں پتھر استعمال کر رہا ہو، تو اسے مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ وہ تارکِ فضیلت تو ضرور ہے مگر تارک وجوب نہیں ہے۔''

(دیکھئے! صحیح ابن خزیمہ: ۴۲/۱)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''پاکی حاصل کرنے کی شرط کا جو تقاضا ہے وہ یہی ہے کہ اس شخص کو استنجاء کرنے کے لیے پتھر یا پانی کا اختیار دے دیا جائے۔'' (دیکھئے! فتح الباری ۲۶۳/۱)

## پانی سے استنجاء کرنا زیادہ مستحسن عمل ہے:

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد والے اکثر اہل علم حضرات کا کہنا ہے کہ اگر کوئی بول و براز دونوں میں بجائے پانی استعمال کرنے کے پتھر استعمال کرتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں (یا ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے) لیکن پتھر سے گندگی کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ اسے پانی کے ساتھ پاکی حاصل کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ پانی کے ساتھ طہارت اچھی طرح حاصل ہوتی ہے۔ افضل طریقہ بھی یہی ہے کہ پہلے پتھر استعمال کیے جائیں اور بعد میں پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ سیّدنا ابو ایوب

انصاری رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت: ﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

(( يَا مَعْشَرَ الاَنْصَارِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنَى عَلَيْكُمْ فِي الطُّهُورِ فَمَا طُهُورُكُمْ؟ قَالُوا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ قَالَ: هُوَ ذَلِكَ فَعَلَيْكُمُوهُ ))

(صحيح ابن ماجه للألبانی، رقم: ٢٨٥)

''اے انصار کی جماعت! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسئلہ طہارت پر تمہاری ثناء بیان کی ہے۔ تمہارا طریقہ طہارت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم نماز کے لیے وضو، جنابت سے غسل اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری مدح کا باعث یہی طریقہ طہارت ہے، لہٰذا تم اس کا التزام کرو۔''

اور جب محل استنجاء کو پانی کے ساتھ دھولیا جائے تو اس شخص کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑے اور پھر پانی سے دھوئے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔

(دیکھئے! شرح السنه: ١/ ٣٩٠، ٢٩١)

# ایک نیکی کا ثواب دس نیکیاں

۵۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((قَالَ اللّٰهُ : إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِيْ بِاَنْ يَّعْمَلَ حَسَنَةً ، فَاَنَا اَكْتُبُهَا لَهٗ حَسَنَةً ، مَالَمْ يَعْمَلْهَا ، فَإِذَا عَمِلَهَا ، فَاَنَا اَكْتُبُهَا لَهٗ عَشْرَ اَمْثَالِهَا ، وَإِذَا تَحَدَّثَ بِاَنْ يَّعْمَلْ سَيِّئَةً فَاَنَا اَغْفِرُهَا لَهٗ ، مَالَمْ يَعْمَلْهَا ، فَإِذَا عَمِلَهَا ، فَاَنَا اَكْتُبُهَا لَهٗ بِمِثْلِهَا . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی نیک عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو (محض اس کے ارادہ سے ہی جب تک اس پر عمل پیرا نہ ہو) میں اس کے لیے ایک نیکی (اس کے نامہ اعمال میں) لکھ دیتا ہوں۔ اور جب وہ اس قلبی ارادہ پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ تو میں اس کے لیے دس نیکیاں (اس کے نامۂ اعمال میں) لکھ دیتا ہوں۔'' اور جب (میرا بندہ) کسی عملِ بد کے ارتکاب کا ارادہ کرتا ہے۔ تو (محض اس کے عملِ بد کے ارادہ سے) میں اسے معاف کر دیتا ہوں یعنی جب تک وہ عمل بد کا ارتکاب نہیں کر لیتا اور جب وہ (اس) عملِ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے لیے (صرف) اس برائی کی مثل (ایک ہی گناہ) لکھتا ہوں۔''

**شرح الحديث:**...... یہ حدیث احادیث، قدسیہ میں سے ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو کسی فرشتے کے واسطہ سے القاء ہوئی ہے۔ (دیکھئے! فتح الباری: ۳۲۳/۱۱)

## نیکی کے ارادہ پر نامہ اعمال میں نیکی کا لکھا جانا:

اس قطعۂ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی بندۂ اپنے دل میں کسی نیک کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ محض اس کے نیک ارادہ کرنے سے ایک نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتا ہے۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے ''يَقُولُ اللّٰهُ إِذَا أَرَادَ عَبْدِيَ'' (دیکھئے! کتاب التوحید، رقم: ۷۵۰۱)

---

(٥٤) ...... صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَمَ اللّٰهِ، رقم: ۷۵۰۱ و کتاب الرقاق، باب من هم بحسنة و سيئة، رقم: ٦٤٩١ـ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت، وإذاهم بسيئة لم تكتب، رقم: ۲۰۵/ ۲۹، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال وهذا، حدثنا ابوهريرة عن محمد رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......ـ مسند احمد، رقم: ۸۱۵۱/ ۵۵ـ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب الرخص و الشدائد: ۲۸۷/۱۱ـ شرح السنه، باب من عمل حسنة او هم بها: ۳۳۸/۱۳، رقم: ٤١٤٨.

یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیے، ارادہ سے متعلق یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ مطلق ارادہ نیکی کے لیے کافی نہیں ہے، جیسا کہ 'مسند احمد' میں سیدنا خزیمہ بن فاتک سے ایک حدیث مروی ہے ،اور جسے امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

((مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ، فَلَمْ يَعْمَلْهَا، يَعْلَمُ اللّٰهُ أَنَّه قَدْ أَشْعَرَهَا قَلْبَه، وَحَرَصَ عَلَيْهَا))

''جو شخص نیک کام کرنے کا ارادہ پوری بصیرت کے ساتھ کرتا ہے اور درحقیقت اس کا حریص بھی ہے۔''

ابن حبان ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "إِذَا هَمَّ" سے مراد عزمِ مصمم یعنی پختہ ارادہ کرنا ہے، اس لیے کہ عزم کا اطلاق ارادہ کے انتہاء پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اہل عرب (بھی) اپنی زبان میں ابتداء کا اطلاق اور انتہاء کا اطلاق ابتداء پر کرتے ہیں۔ (دیکھئے! صحیح ابن حبان : ۱۰/۳۶۳)

## اعمال کا لکھا جانا:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کاتبِ حسنات ملائکہ کو حکم فرماتا ہے کہ یہ نیکی اس کے نامۂ اعمال میں محفوظ کرلو۔ اس بات کی دلیل حدیثِ قدسی میں یہ الفاظ ہیں: ((إِذَا أَرَادَ عَبْدِيْ أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ حَتّٰى يَعْمَلَهَا)) ''یعنی جب میرا بندہ عمل بد کرنے کا ارادہ کرے، تو اسے تب تک نہ لکھو، جب تک وہ اسے عملاً نہیں کر لیتا۔''

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ فرشتہ انسان کے دل کی بات سے واقف ومطلع ہوتا ہے۔ البتہ اس کا مطلع ہونا دو حال سے خالی نہیں ہے۔

**اول:** وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باخبر ہوتا ہے۔

**ثاني:** اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسا علم پیدا کرتا ہے جو اسے انسانی دل کی بات کا ادراک کرا دیتا ہے۔

## ایک سوال اور اس کا جواب:

**سوال:** جب نیک کام کا ارادہ خود ایک عمل ہے۔ تو پھر اس کے اجر وثواب میں اضافہ کیوں نہیں ہوتا، جب کہ دیگر اعمال کے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (الانعام: ۱۶۰)

''جو شخص نیکی کرے گا اسے دس گنا اجر ملے گا۔''

علاوہ ازیں دل کا عمل نیکی حاصل کرنے میں تو معتبر ہے، لیکن برائی میں معتبر نہیں، کیوں؟

**جواب:** یہاں ایک اصولی بات نوٹ کر لیجیے کہ قرآن مقدس کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ اب

دیکھئے کہ قرآن مقدس کی مذکورہ آیت عمل جوارح کو اور حدیث ارادہ کو شامل ہے، یا یوں سمجھ لیجئے کہ آیت مبارکہ میں اعضاء کے عمل کا بیان ہے اور حدیث میں ارادے کا بیان، تو معلوم ہوا کہ ارادہ بھی ایک نیکی ہے اور قرآن مقدس میں آیا ہے کہ نیکی (حسنہ) ایک عمل ہے۔ لہٰذا ارادہ جب نیکی ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ایک عمل (بھی) (یہ ہے تفسیر بالحدیث ہے) یعنی حدیث نے قرآن کی تشریح کر دی۔

اور رہی یہ بات کہ دل کا عمل برائی میں موجب اضافہ کیوں نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمل بد کا ارادہ کرنا مگر اسے عملی جامہ پہنانے کی بجائے اسے ترک کر دینا، یہ اس کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے بدارادہ کو ختم کر کے اپنی خواہشات کی مخالفت کی ہے۔ (دیکھئے! فتح الباری : ۱۱/۳۲۴، ۳۲۵ ملخصاً)

حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نیکی تب لکھی جائے گی جب عمل نہ کیا ہو یعنی محض ترک کی بنیاد پر، چاہے وہ ترک کسی مانع کے سبب ہو یا ارادتاً، لیکن کہا جاتا ہے کسی مجبوری کی وجہ سے عمل میں تفاوت آیا ہو، تو اس مجبوری کے مطابق نیکی میں اضافہ ہوتا ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب نیک اور اچھا کام کرنے کا ارادہ، ذوق اور جذبہ رکھنے کے باوجود اس کام کو نہ کر پائے اور اپنے اندر شرمندگی محسوس کرے، تو اس کے لیے بہت ہی زیادہ اجر و ثواب ہے۔ اور اس کے برعکس جو آدمی نیک کام کرنے کا ارادہ کر کے اس سے اعراض کر لیتا ہے اور بجائے نیک کام کرنے کے برے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے، تو ایسے شخص کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہیں لکھی جاتی، بلکہ ایسے شخص کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو ارادہ رکھے کہ میں (اللہ کی راہ میں) ایک درہم صدقہ کروں گا، پھر یہی دینار کسی معصیت میں صرف کر دے۔ (دیکھئے! فتح الباری : ۱۱/۳۲۵)

جیسے اس شخص کے لیے کوئی نیکی نہیں، عین اسی طرح اس کے لیے بھی کوئی نیکی نہیں۔

## اعمال قلوب سے متعلق جمہور سلف و اہل علم کا مسلک:

اسی لیے جمہور سلف اور اہل علم اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ اعمال قلوب (دل کے ارادے) قابل مواخذہ نہیں ہوتے اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ عمل بد کے لیے عزم مصمم رکھنا یہ کتابتِ جرم کا موجب ہے، نہ کہ وہ عمل جس کا (مخفی) ارادہ کیا گیا۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو معصیت کا حکم کرتا ہے۔ لیکن اس کا مرتکب نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں وہ شخص امر مذکور کی وجہ سے مجرم ٹھہرے گا نہ کہ معصیت کی وجہ سے۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے دو مسلمانوں کے متعلق فرمایا: ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں، وہ دونوں جہنمی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے پوچھا: قاتل (کی بات) تو ٹھیک ہے، مگر مقتول کی بات سمجھ میں نہیں آتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ (بھی) اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر تلا ہوا تھا۔

لہٰذا اسے اپنے عزم ( کی پختگی ) کے مطابق سزا دی جائے گی لیکن ایسے شخص کی طرح نہیں جس نے ارادۂ قتل کیا ہو۔

اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو معصیت کا مرتکب ہو کر تائب ہونے کی بجائے، پھر معصیت کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ تو وہ شخص اصرار کی وجہ سے سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ اور یہ بات اتفاقی ہے کہ اصرار کرنا معصیت کے مترادف ہے۔ خلاصۂ کلام جو شخص کسی برے کام پر عزمِ مصمم رکھتا ہو، اس کے لیے ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور جب وہ اس کا مرتکب ہو جائے، تو پھر دو گناہ لکھے جاتے ہیں۔ اور نصوص شرعیہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ دل کے عزم اور مستقل بد ارادے سے قابل مواخذہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ ﴾ (النور : ١٩)

''یقیناً وہ لوگ جو یہ پسند کرتے ہیں کہ فحاشی و بے حیائی پھیلے......تم اکثر ظن سے بچا کرو۔''

وقوله تعالیٰ: ﴿ اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ﴾ (الحجرات : ١٢)

''زیادہ بدگمانی سے بچو۔''

(دیکھئے! فتح الباری : ١١/٣٢٦، ٣٢٧۔ شرح مسلم للنووی، ص : ٢١٨)

## دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات کی اقسام:

بعض اہل علم نے دل میں پیدا ہونے والے خیالات کو چند قسموں پر تقسیم کیا ہے، اور وہ درج ذیل ہیں۔

١۔ دل میں عمل معصیت کا خیال (وقتی طور) کھٹکے اور پھر فوراً چلا جائے۔ تو اسے بجائے تردّد و شک (یہ کام کر گزرے یا نہیں) کے شیطانی وسوسے سے تعبیر کیا جائے گا۔ اور یہ معاف ہے۔

٢۔ دل میں عمل معصیت کا خیال بار بار آئے، اور وہ اسے ہر بار ترک کرتا رہے، آخر کار اسے بالکل چھوڑ دے۔ تو اسے تردّد کہتے ہیں اور یہ بھی معاف ہے۔

٣۔ طبعی طور پر عملِ بد کی طرف مائل ہو، مگر اس کے کر گزرنے پر عزمِ مصمم نہ رکھتا ہو، تو اسے ارادہ کہتے ہیں، اور یہ بھی معاف ہے۔

٤۔ طبعی طور پر مائل ہو اور اس سے نفرت رکھنے کی بجائے اس کے ارتکاب پر عزم مصمم رکھتا ہو، تو یہ عزم ہے اور عزم ارادہ کی انتہاء کو کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

١۔ عزم محض دل کا عمل ہو، جیسے اللہ کی وحدانیت میں، رسول اللہ کی نبوت میں یا بروز قیامت دوبارہ جی اٹھنے میں شک کرنا، تو ایسا شک کفر ہے۔ اور ایسے عزم پر ان سے پوری پوری سزا ملی گی۔ بخلاف معصیت کے جو کفر تک نہ پہنچی۔ مثلاً کسی ایسی چیز سے محبت رکھنا جو اللہ کو ناپسند ہو یا کسی ایسی چیز کا ناپسند کرنا جو اللہ کو محبوب ہو، یا

پھر کسی مسلمان کو اذیت پہنچانے کو اچھا سمجھنا، جب کہ وہ اس کا حق دار نہیں ہے۔

۲۔ عزم اعضاء کا عمل ہے، جیسے زنا اور چوری وغیرہ، کیا یہ عزم قابلِ مواخذہ ہے یا نہیں؟ اس میں عزم مصمم مواخذے کا موجب ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اس کی دلیل ہے: ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ (البقرۃ: ۲۲۵)

''لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی کمائی کا مواخذہ کرے گا۔''

اور جہاں تک سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی (مرفوع) حدیث کا تعلق ہے جس میں کہا گیا:

(( إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَكَلَّمْ ))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ارادوں سے درگذر فرمایا ہے، یہاں تک کہ وہ عمل کرلیں یا (اپنی) زبان پر لے آئیں۔''

اس حدیث کو (محض) ارادوں پر محمول کیا جائے گا نہ کہ عزم مصمم پر۔ البتہ حرم مکی میں کسی برے کام کا ارادہ کیا، تو وہ قابلِ مواخذہ ہوگا۔ اگرچہ وہ عزم مصمم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾﴾ (الحج: ۲۵)

اس لیے کہ تعظیم حرم کا اعتقاد واجب ہے، جو شخص اس میں برائی کا ارادہ کرے گا، وہ خلاف وجوب ہوگا یعنی عقیدۂ وجوب کی مخالفت کرنے والا اور اس کی حرمت کو پامال کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ تعظیم حرم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے مترادف ہے۔ اسی لیے اس میں ارادۂ بد کا گناہ بھی زیادہ ہے۔ (دیکھئے! فتح الباری: ۱۱/۳۲۶، ۳۲۷ ملخصًا)

## برائی پر ایک برائی لکھی جائے گی:

یہ حدیث اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان کے موافق ہے: ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا﴾ (الانعام: ۱۶۰) ''اور جو برائی کرے گا تو اسے اس کے برابر سزا دی جائے گی۔''

# جنت کی معمولی جگہ کی قدر و قیمت ساری دنیا سے بہتر ہے

۵۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( وَاللّٰهِ! لَقِيْدُ سَوْطِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ لَّهٗ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! جنت میں تم میں سے کسی ایک کو کوڑا (چابک) رکھنے کی جگہ اُس کے لیے آسمان وزمین کے درمیان تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

**شرح الحديث**:...... قارئین کرام! یہ حدیث ایک غریب، مگر اولوالعزم صحابی کی مدح بیان کررہی ہے، اور ساتھ ساتھ یہ حدیث دنیا کی حقارت اور جنت کی فضیلت وعمدگی کو ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ جنت اور اس میں پائی جانے والی نعمتیں دائمی ہیں جبکہ دنیا اور اس کی نعمتیں فنا ہونے والی ہیں۔

اہل عرب کے یہاں یہ رواج تھا کہ دورانِ سفر جب کسی جگہ ٹھہراؤ کرتے تو، جس جگہ جو شخص اپنا چابک رکھ دیتا وہ جگہ اس کے لیے مختص ہو جاتی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کو ان کے اپنے مزاج کے مطابق مثال دے کر سمجھایا کہ جنت میں جس صاحب کو چابک کی مقدار جگہ مل گئی، تو (گویا) وہ جگہ اس کے لیے آسمان اور زمین کے درمیان جو کچھ بھی ہے اس سے زیادہ عمدہ اور بیش قیمت ہوگی۔

(۵۵)...... مسند احمد: ۱۶/۶۲، رقم: ۸۱۵۲/۵۶ ، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، قال: ......۔ مصنف عبدالرزاق، باب الجنة و صفتها، رقم: ۲۰۸۸۵ شرح السنه، باب صفة الجنة و اهلها، وما أعد للصالحين فيها: ۱۵/۲۰۷.

# جنت کا سب سے کم درجہ

۵۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :
(( اِنَّ اَدْنٰی مَقْعَدِ اَحَدِکُمْ مِنَ الْجَنَّۃِ اِذْ ھُیِّءَ لَہٗ اَنْ یُّقَالَ لَہٗ: تَمَنَّ ، فَیَتَمَنّٰی ، فَیُقَالُ لَہٗ: ھَلْ تَمَنَّیْتَ؟ فَیَقُوْلُ: نَعَمْ! فَیَقُوْلُ لَہٗ: فَاِنَّ لَکَ مَا تَمَنَّیْتَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ جنت میں تم میں سے جس کی ادنی رہائش تیار کی گئی ہے، اسے کہا جائے گا: آرزو کر۔ سو وہ بہت سی آرزوئیں کرے گا، پھر اسے پوچھا جائے گا: کیا تو نے آرزو کر لی ہے، چنانچہ وہ عرض کرے گا: جی ہاں! اس پر اسے کہا جائے گا، یقیناً تیرے لیے تیری آرزوؤں کی مثل اور اتنا ہی مزید ہے۔''

**شرح الحديث:** ......دراصل یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور وسعت رحمت پر دلالت کر رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم ترفیض کا معاملہ اس شخص کے ساتھ ہے جو ادنی درجے کا جنتی ہے۔ تو اس شخص کے ساتھ معاملہ کیسے ہوگا، جو جنت میں اعلیٰ وارفع درجات پر فائز ہے؟

بہر حال سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ اور اس قسم کی دیگر روایات میں یہ الفاظ ہیں۔ (لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَ مِثْلَہٗ) اور سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ والی روایت جو اس روایت کی شاہد ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں۔ (وعشرة أمثالها) یعنی اس کی مثل دس گنا مزید۔

## دفع تعارض:

اہل علم حضرات ان دو حدیثوں کے مابین اس طرح تطبیق دیتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فضیلت بتائی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر (خاص) کرم فرما کر مزید خبر دے دی۔ جو ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ والی روایت میں موجود ہے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نہیں سنی ہو۔ اور مذکورہ حدیث، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث کا ایک حصہ ہے۔ (دیکھئے! شرح مسلم للنووی: ۱/۴۳۳، ۴۳۴)

---

(۵۶) ...... صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب معرفة، طریقة الرؤیة، رقم: ۱۸۲، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول اللهﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول اللهﷺ......۔ مسند احمد: ۶۳/۱۶ رقم: ۸۱۵۳۔ شرح السنه، باب صفة الجنة و اهلها: ۲۰۸/۵.

## حدیث کا تکمیلی مضمون:

حدیث کا مضمون کچھ اس طرح ہے:

''اللہ تبارک وتعالیٰ بروزِ قیامت اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہوگا، تو ایک شخص باقی رہ جائے گا جس کا رخ جہنم کی طرف ہوگا۔ وہ جنت میں داخل ہونے کے لحاظ سے آخری جنتی ہوگا۔ عرض کرے گا: اے میرے رب! میرا چہرہ دوزخ سے پھیر دے، اس کی بدبو نے مجھے سخت تکلیف دی ہے اور اس کی لپٹ نے مجھے جھلسا دیا ہے۔ پھر جب تک اللہ کی مشیت ہوگی وہ دعا گو رہے گا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ممکن ہے اگر میں تیرا یہ معاملہ حل کر دوں، تو تو مجھ سے اور کوئی سوال نہیں کرے گا؟ وہ (آدمی) کہے گا: میں اس کے علاوہ تجھ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اور وہ مشیتِ الٰہی کے مطابق اپنے رب سے بڑے بڑے عہد و میثاق کرے گا۔ اللہ تعالیٰ (اس کی یہ تمنا پوری فرمائے گا اور) اس کے چہرے کو نارِ جہنم سے ہٹا دے گا اور جب وہ جنت کا رخ کرے گا اور جنت دیکھے گا تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ خاموش رہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا کہ اے میرے رب! مجھے اس جنت کے دروازے کے قریب کر دے، اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: اے ابن آدم! تجھ پر افسوس کہ تو بڑا وعدہ خلاف ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس سے وہی عہد لے گا، یعنی مزید کچھ مانگنے کا، تو اس پر وہ کہے گا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! اور کچھ نہیں مانگوں گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے دروازے کے قریب کر دے گا۔ (وہاں پہنچنے کے بعد جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر) پھر وہ سوال کرے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے۔ (چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر سے وہی بات جتلائے گا) یعنی جو تجھے مل گیا، اس کے بعد اور کوئی سوال نہیں کرے گا۔ لیکن پھر تو نے سوال کر دیا۔ اے ابن آدم! تجھ پر افسوس ہے کہ تو بڑا وعدہ خلاف ہے الخ، وہ کہے گا: اے میرے رب! (اس لیے کہ) میں تیری مخلوق میں سب سے بڑا بدنصیب نہ بن جاؤں۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کو مسلسل پکارتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس پر ہنس پڑے گا اور اس سے فرمائے گا: (اے میرے بندے!) جا، جنت میں داخل ہو جا۔ جب وہ جنت میں داخل ہوگا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تیری کوئی خواہش ہے تو بتا............الخ)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے، اور جنت کی نعمتوں سے محظوظ کرائے۔ آمین

# انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

۵۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( لَوْلَا الْهِجْرَةُ ، لَكُنْتُ امْرَءً ا مِّنَ الْاَنْصَارِ ، وَلَوْ يَنْدَفِعُ النَّاسُ فِىْ شُعْبَةٍ اَوْفِىْ وَادٍ ، وَالْاَنْصَارُ فِىْ شِعْبٍ لَّانْدَفَعْتُ مَعَ الْاَنْصَارِ فِىْ شِعْبِهِمْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر ہجرت کی (فضیلت) نہ ہوتی تو یقیناً میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اور اگر لوگ ایک گھاٹی یا وادی میں چلتے اور انصار دوسری گھاٹی میں چلتے تو میں انصار کے ساتھ ان کی گھاٹی میں چلتا۔''

**شرح الحديث:** ...... یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فضیلت و برتری میں اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ جبھی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن ایک فرد ہونے کی خواہش ظاہر فرمائی۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں انصار کی اللہ کے ہاں مقبولیت کا ثبوت ہے اور ساتھ ساتھ ان کے دین کے بارے میں انتہائی مخلص ہونے کو بھی واضح کر رہی ہے۔ اس لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔

انسانی نسبت کی مختلف وجوہ پر ہیں۔ (جن میں سے چند ایک ذیل کی سطور میں درج کی جاتی ہیں)

۱۔ جائے ولادت اور شہری نسبت۔
۲۔ کاری گری یا فنی نسبت۔
۳۔ خاندانی نسبت۔

اس تعبیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ہجرت کی نسبت مجھ پر ضروری نہ ہوتی، تو میں یقیناً اپنی نسبت تمہارے شہر کی طرف کرتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننھیالی رشتہ کی مناسبت سے یہ فرمایا ہو۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی تعبیرات کی گئی ہیں:

---

(**۵۷**)...... صحیح بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لولا الهجرة لكنت إمرأمن الأنصار، رقم: ۳۷۷۹، ۷۲۴۵۔ مسند احمد: ۱۶/ ۶۳، ۶۴، رقم: ۸۱۵۴ ، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال : هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ...... ۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب فى فضائل القرآن، رقم: ۱۹۹۰۷.

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نسبتِ دینی مراد ہے۔اگر ہجرت کی نسبت نسبتِ دینی نہ ہوتی، تو میں اپنی نسبت تمہارے شہر کی طرف کرتا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سبقتِ ہجرت مراد ہے۔ اگر ہجرت کی نسبت سبقت نہ لے گئی ہوتی، تو میں اپنی نسبت تمہاری طرف کرتا۔(فتح الباری : ۵۱/۸)

قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اس کی تلخیص یہ ہے کہ) اگر میں انصار سے افضل نہ ہوتا، تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔(دیکھئے! ارشاد الساری : ۱٤۷/٦)

راجح بات وہی ہے جو اولا بیان ہوئی ہے۔

مزید اس حدیث میں تالیف قلب کا بھی ذکر ہے کہ غزوہ حنین میں جو مال غنیمت ملا آپ ﷺ نے نئے مسلمان ہونے والوں میں تقسیم کر دیا تا کہ وہ اسلام کی طرف پوری طرح مائل ہو کر پختہ مسلمان بن جائیں۔ ابوسفیان، اقرع بن حالبس اور عیینہ بن حصن کو سو سو اونٹ دیئے۔ جبکہ انصار کو کوئی خاص مال نہ ملا۔ جب انصار کو مال نہ ملنے کا دکھ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! کیا تم لوگ اس پر خوش نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ، اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں انصاری ہوتا......''
(صحیح بخاری، کتاب المغازی ٦٢٠/٢۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ ۳۳۹/۱ یہ دراصل مذکورہ بالا حدیث کا سیاق وسباق اور سببِ ورُود ہی ہے۔)

## انصار سے محبت ایمان کی دلیل ہے:

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( آيَةُ الْمُنَافِقِ : بُغْضُ الْاَنْصَارِ ، وَآيَةُ الْمُؤْمِنِ: مَحَبَّةُ الْاَنْصَارِ . ))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان ، رقم: ۲۳۵.)

''منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ انصار سے بغض رکھتا ہے اور مومن کی نشانی ہے کہ وہ انصار سے محبت رکھتا ہے۔''

اور سیّدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے (انصار کے فضائل بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: ''ان سے مومن محبت رکھتا ہے اور ان سے بغض رکھنے والا منافق ہے۔ اور جو انصار سے محبت رکھے گا اللہ بھی اس سے محبت رکھے گا۔ اور جو ان سے بغض رکھتا ہے، اللہ اس سے بغض رکھے گا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الإیمان ، رقم: ۲۳۷)

سیّدنا ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ . ))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان ، رقم: ۲۳۸، ۲۳۹)

''اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والا شخص انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔''

**نوٹ**: ......ان سب احادیث پر امام مسلم رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے: ((باب الدليل على أن محبة الأنصار و على رضى الله عنهم من الإيمان و علاماته ، و بغضهم من علامات النفاق)) ''باب اس دلیل کا کہ انصار اور علی رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا ایمان سے ہے اور ایمان کی علامات میں سے ہے، اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔''

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہ کے کچھ بچوں اور عورتوں کو کسی شادی سے واپس آتے ہوئے دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ازراہِ کرم اور ان کی دلجوئی کے لیے ان کا استقبال کرنے) کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ . اَللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ يَعْنِي: الْأَنْصَارَ . ))

(صحیح بخاری ، کتاب مناقب الأنصار ، رقم: ۳۷۸۵۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ، رقم: ۲۵۰۸)

''مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ تم محبوب ہو، مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ تم محبوب ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انصار صحابہ تھے۔''

عبدہ بنت خالد بن معدان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب بھی خالد رضی اللہ عنہ اپنے بستر پر لیٹتے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لے کر ان کے ساتھ اپنا شوق ملاقات ذکر کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہ میری اصل اور فصل یعنی (حسب ونسب) ہیں اور بس انہی کی طرف میرا دل مائل رہتا ہے۔ میرا شوقِ ملاقات ان کی طرف طویل ہے۔ پس اے میرے رب! مجھے جلد اپنے پاس بلا (تا کہ ملاقات محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ سامان ہو) یہاں تک کہ ان پر نیند غالب آ جاتی۔'' (حلية الاولياء: ۵/ ۲۱۰۔ سيرة أعلام النبلاء: ۴/ ۵۳۹۔ تهذيب الكمال: ۸/ ۱۷۱۔ تاريخ دمشق : ۱۶/ ۱۹۹.)

# اگر بنی اسرائیل اور حواء نہ ہوتیں تو......

۵۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( لَوْلَا بَنُو اِسْرَائِيْلَ لَمْ يَخْبُثِ الطَّعَامُ ، وَلَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ ، وَلَوْلَا حَوَّاءُ ، لَمْ تَخُنْ أُنْثٰى زَوْجَهَا الدَّهْرَ ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو نہ کھانا خراب ہوتا اور نہ گوشت سڑتا اور اگر حوا نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے خاوند سے کبھی بھی خیانت نہ کرتی۔''

**شرح الحديث:** ......بعض اہل علم کہتے ہیں: گوشت کے سڑ جانے اور کھانے کے خراب ہونے کا سبب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے سلویٰ کا گوشت ذخیرہ کیا تھا جب کہ ایسا کام کرنے سے روکے گئے تھے۔ چنانچہ ممنوعہ کام کے مرتکب ہونے کی پاداش میں انہیں یہ سزا دی گئی۔ مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے یہ قول نقل کیا ہے اور دیگر مفسرین نے اسے قتادۃ سے بیان کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور ہر دن کی غذا اور خوراک اس کی مقدار کے مطابق استعمال کرتا تھا، تب تک چیزیں سڑتی تھیں نہ گلتی تھیں۔ اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مستقبل کے لیے آمدنی جمع کرنا (اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے) بنی اسرائیل کی بری عادات سے ہے۔

اسلام میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت تب ہے جب مارکیٹ میں اشیاء کا بحران ہو، ایسی صورت میں ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے یا اشیاء کی گرانی کے لیے چیزیں ناپید کر دی جائیں، تو یہ صورت بھی ممنوع و ناجائز ہے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنی گھریلو استعمال کے لیے اناج سال بھر کے لیے جمع کر لیتے تھے۔

لہٰذا یہ حدیث نبوی ﷺ امت مسلمہ کو یہ پیغام دے رہی ہے کہ بنی اسرائیل کی پیروی مت کرو، کیونکہ وہ

---

(۵۸)...... صحيح بخارى، كتاب أحاديث الانبيآء، باب قول الله تعالىٰ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً، رقم: ۳۳۹۹، حدثنا عبدالله بن محمد الجعفى، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام، عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال النبى ﷺ......۔ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب لولاحواء لم تخن أنثى زوجها الدهر، رقم: ۱٤٦٨/٦٣، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا، حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث۔ منها: وقال رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد، رقم: ۸۱۵۵/ ۵۹۔ شرح السنه، باب المدارة مع النسآء، رقم: ۲۳۳۵.

ذخیرہ اندوزی کے سبب اشیاء کو فاسد کروا دیتے اور ان اشیاء کے مستحقین کو اپنے حق سے محروم کر دیتے۔

### اگر اماں حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے کبھی بھی خیانت نہ کرتی:

مذکورہ حدیث میں دوسری بات جو بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ حوا علیہا السلام نے شجر ممنوعہ کو مزین کر کے جناب آدم علیہ السلام کو اس کا پھل کھانے کے لیے تیار کیا۔ وہ اس طرح کہ ابلیس لعین نے حوا علیہا السلام کے سامنے اس درخت کی فضیلت کا ذکر کیا، تو اسے قبول کر بیٹھیں اور اس کا پھل کھانے کے لیے طبعی طور پر مائل ہو گئیں۔ اور پھر درخت کو مزین کر کے پیش کیا، تو سیدنا آدم علیہ السلام نے بھی اماں حوا کی بات کو مان لیا۔ چنانچہ اس طرح ان دونوں نے اس کا پھل کھا لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خیانت سے مراد سیدہ حوا علیہا السلام کا جناب آدم علیہ السلام کو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے پر تیار کرنا ہے، نہ کہ (نعوذ باللہ منہ) اس سے مراد ارتکابِ فواحش یا غیر اخلاقی حرکت ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث مرد اور عورت دونوں کو اس بات کا سبق دیتی ہے کہ اگر (بیوی) سے غیر ارادی طور پر کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو خاوند کو چاہیے کہ وہ افراط سے کام نہ لے، بلکہ معاملہ کو اعتدال میں رکھے۔

اور مزید یہ کہ شیطان نے آدم اور حوا علیہما السلام کو وسوسہ ڈال کر بہکایا تو حوا نے شیطانی وسوسہ کو قبول کر لیا اور اپنے خیال میں اپنے اور اپنے خاوند کے فائدہ کی غرض سے شجر ممنوعہ کھانے کی رغبت دلائی۔ اسی کو خیانت سے تعبیر کیا گیا۔ جبکہ حوا نے یہ کام عمداً نہیں کیا بلکہ شیطان نے قسمیں کھا کے انہیں ہمیشہ جنت میں رہنے کا لالچ دیا اور انہوں نے یقین کر لیا اور بہکاوے میں آ گئیں اس پر خیانت کا اطلاق صورۃً اور مجازاً ہے۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کی غلطی پر مجازاً عصیان (نافرمانی) کا اطلاق کیا گیا ہے: ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۲۱) ''آدم علیہ السلام نے اپنے پرودگار کی نافرمانی کی پس وہ گمراہ ہو گئے بھٹک گئے۔''

### منکرین حدیث کے اعتراضات:

لیکن افسوس کہ بعض لوگوں نے اپنے باطل اوھام کی بنیاد پر اس صحیح حدیث کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس حدیث پر جو اعتراضات کیے ہیں، ہم ان پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں۔

۱۔ سیدہ حوا علیہا السلام نے جناب آدم علیہ السلام کی خیانت کبھی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے جناب آدم علیہ السلام کو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے پر آمادہ کیا تھا۔

۲۔ یہ حدیث حوا علیہا السلام کو کمزور صفت ثابت کر رہی ہے۔ جیسا کہ سیدنا لوط علیہ السلام و نوح علیہ السلام کی بیویوں کی صفت بیان ہوئی ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اماں حوا اور بنی اسرائیل کے متعلق خبریں کہاں سے آئیں۔

ا:......سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث معتبر اور ثقہ راویوں سے مروی ہے، اور اہل علم نے اس حدیث کی تعبیر میں مختلف اور معقول اسباب بیان کیے ہیں، جیسا کہ بیان ہوا ہے لہٰذا مخالفین کے اوھامِ باطلہ کی بنیاد پر اس حدیث کی صحت اور حقانیت کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔

اگر اس حدیث کو ٹھکرا دیا جائے تو سیدہ حواء کا زندگی بھر اپنے خاوند سے خیانت اور انہیں شجر ممنوعہ کا پھل کھانے پر آمادہ نہ کرنا، یہ کس دلیل سے ثابت ہوتا ہے، آخر اس کے ثبوت کے لیے بھی کوئی مضبوط دلیل ہونی چاہیے؟

۲:......اور دوسری بات یہ کہ صحیح بخاری کی عبارت واضح ہے: (لَـوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثَى زَوْجَهَا) یعنی ''اگر حواء نہ ہوتیں، تو کوئی عورت اپنے خاوند سے دھوکہ نہ کرتی۔'' تو اس عبارت سے یہ کیسے سمجھ میں آیا کہ مذکورہ حدیث اماں حوّاء علیہا السلام کا کمزور وصف بیان کر رہی ہے۔ جیسے سیدنا لوط علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی بیویوں کی صفت تھی۔ (یہ بات ویسے بھی درست نہیں، کیونکہ ان دونوں کا یہ وصف ضعیف مستقل تھا، جب کہ سیدہ حواء کے متعلق یہ اعتقاد کسی کا بھی نہیں کہ وہ ایسے کمزور وصف سے موصوف تھیں) حقیقت تو یہ ہے کہ جب مذکورہ حدیث میں ایسی خیانت کا ذکر ہی نہیں، تو پھر اپنی طرف سے ایسی تعبیر کرنا کہاں سے ثابت ہو گیا؟

اور جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اماں حواء اور بنی اسرائیل کے واقعات کی خبر کہاں سے موصول ہوئی؟ اس کا جواب کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بعض امور غیب سے مطلع فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝٢٦ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾

(الجن: ۲۶، ۲۷)

''وہی غیب کی باتیں جاننے والا ہے، وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس کے جسے وہ بطورِ رسول چن لیتا ہے۔''

# سیّدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق اور سلام کا طریقہ

۵۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ ، طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا ، فَلَمَّا خَلَقَهٗ ، قَالَ: اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى أُوْلٰٓئِكَ النَّفَرِ ...... وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوْسٌ......فَاسْتَمِعْ مَا يُجِيْبُوْنَكَ ، فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ......قَالَ : فَذَهَبَ ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ فَقَالُوْا: وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ، أَيْ فَزَادُوْهُ : " وَعَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ" قَالَ : فَكُلُّ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ اٰدَمَ وَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا ، فَلَمْ يَزِلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدُ حَتَّى الْاٰنَ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر پیدا کیا، ان کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ پیدا کر چکا تو اسے حکم دیا۔ جاؤ، اس جماعت کو یعنی فرشتوں کی جماعت جو وہاں بیٹھے تھے، انہیں سلام کرو اور جو کلمات تجھے سلام کے جواب میں کہیں انہیں غور سے سنو، اس لیے کہ وہ تیرا اور تیری اولاد کا طریقہ سلام ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر وہ گئے اور (ملائکہ کو) "السلام علیکم" کہا تو انہوں نے جواب میں "وعليك و رحمة الله" کہا، فرشتوں نے (سلام کے جواب میں) "وعليك وَرحمة الله" کا اضافہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت آدم علیہ السلام کی صورت ہوگی اور اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہوگی۔ تب سے اب تک انسانی (قد میں) میں مسلسل کمی واقع ہوتی رہی ہے۔''

**شرح الحديث:**......قارئین کرام! یہاں یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ مذکورہ حدیث کے الفاظ "صورته"

---

(**۵۹**) ...... صحیح بخاری، کتاب الإستئذان، باب بدأ السلام: ٦٢٢٧، حدثنا يحيى بن جعفر، حدثنا عبدالرزاق، عن معمر عن همام، عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال......۔ صحيح مسلم، كتاب الجنة و صفة نعميها و اهلها، باب يدخل الجنة أقوام أفئدتهم مثل أفئدة الطير، رقم: ٢٨٤١/٢٨، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا مَا حدثنا به ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث، منها: وقال رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد، رقم: ٦٠/٩١٥٦۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب كيف السلام و الرد، رقم: ١٩٤٣٤۔ شرح السنه، كتاب الإستئذان، باب بدء السلام: ٢٥٥،٢٥٤/١٢.

میں 'ہ' ضمیر کا مرجع سیدنا آدم علیہ السلام ہیں۔ اس اعتبار سے حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کو اس شکل وصورت میں تخلیق فرمایا جس پر وہ ابتدائے حیات وتخلیق سے انتہائے حیات تک قائم رہے۔ یعنی یہ ایسا نہیں ہوا کہ وہ بوقتِ پیدائش چھوٹے بچے ہوں اور پھر بڑھتے ہوئے جوان ہوئے ہوں، جیسا کہ ان کی ذریت میں یہ سلسلہ قائم ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو ابتدائے تخلیق ہی سے ایک مرد کامل اور روح پھونکا ہوا بنایا، بخلاف آدم علیہ السلام کی اولاد کے کہ انہیں مختلف مراحلِ رحم وحمل سے گذار کر ہی پروان چڑھایا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے! شرح السنہ: ۱۲/۲۵۵)

بعض اہل علم کہتے ہیں:

۱۔ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اورصورت بمعنی صفت ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفت مثلی پر تخلیق فرمایا۔ جیسے زندہ، جاننے والا، سننے والا، دیکھنے والا، بات کرنے والا، اور ایجاد کرنے والا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی چیز کے مشابہ نہیں (بلکہ یہاں صرف مثل مراد ہے)

۲۔ ضمیر کا مرجع تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن اس سے مقصود اضافت تشریفی ہے۔ جیسے بیت اللہ اور روح اللہ وغیرہ سے بیت اور روح کا اشرف ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ اس حدیث میں مختلف فرق باطلہ پر رد بھی ہے:

❀ فرقہ دھریہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ انسان بغیر نطفے کے پیدا نہیں ہوسکتا، اور انسانی نطفہ بغیر انسان کے ہوتا نہیں، لہٰذا آدم علیہ السلام کی تخلیق بغیر نطفے کے نہیں ہوئی۔

❀ علم طبعیات کے زعماء پر جو کہتے ہیں کہ انسان طبعی فعل اور اس کی تاثیر سے پیدا ہوتا ہے، لہٰذا تخلیق آدم کو بغیر طبعی فعل کے ماننا درست نہیں ہے۔

❀ قدریہ پر جو کہتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی صفات دوقسم پر مشتمل ہیں: ۱۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔

۲۔ بعض وہ جن کے موجد خود جناب آدم علیہ السلام ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے واضح ہے کہ جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق میں کسی کی کوئی مداخلت نہیں ہے۔

## سلام کی ابتداء:

اس سے معلوم ہوا کہ سلام کرنا ازل ہی سے مشروع ہے۔ اور یہ حدیث سلام کرنے کی تاکید اور اس کو عام کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ واضح ہو کہ اس حدیث میں ''ذریت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی جو سلام فرشتے تجھ پر

کریں گے، وہی تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔ تو اس ذریت سے مراد مسلمان ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُوْدُ عَلَى شَئْيً مَا حَسَدُوْكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّأْمِيْنِ)) (سنن ابن ماجة، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، رقم: ٨٥٦۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ٦٩١۔ التعليق الرغيب: ١/ ٩٧٨)

''تم سے یہودی صرف دو چیزوں کی وجہ سے حسد رکھتے ہیں۔ (ا) سلام کہنا اور (۲) آمین کہنا۔''

اور صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہودیوں اور عیسائیوں کو پہلے سلام نہ کہو اور جب رستے میں ان میں سے کسی کو ملو تو تنگ رستے کی طرف اس کو مجبور کرو۔''

(صحيح مسلم، كتاب السلام، رقم: ٢١٦٧)

دور جاہلیت میں ''صبح بخیر'' اور ''شام بخیر'' کے جملے کہے جاتے تھے۔ بعد ازاں سلام نے ان کی جگہ لے لی۔

(فتح الباری: ٤/١١)

مزید یہ کہ سلام کے تین جزء ہیں: السلام علیکم ، ورحمة الله ، وبرکاته اور ہر ایک جزء پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ معلوم ہوا جس نے پورا سلام کیا، تو وہ تیس نیکیوں کا مستحق ہوگا۔ جیسا کہ الادب المفرد، رقم: ۳۴۲ اور ترمذی، رقم: ۲۶۸۹ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اور ابوداؤد کی روایت کو ملا کر سلام کے چار جزء بنتے ہیں۔ یعنی '' وَبَـرَكَاتُهٗ '' کے ساتھ '' وَ مَـغْـفِرَتُهٗ '' کا اضافہ کیا جائے گا، اس اعتبار سے بندہ چالیس نیکیوں کا مستحق ہوگا۔ (سنن ابوداؤد، كتاب الأدب، رقم: ٥١٦٦.)

## جنت میں آدم علیہ السلام کی شکل پر:

جس صاحب کا جنت میں جانا مقدر ہوا، تو وہ حسن و جمال، خوبصورتی اور قد و قامت میں سیدنا آدم علیہ السلام کی صورت پر داخل ہوگا۔

## انسانوں کا قد مسلسل گھٹنا:

سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد ہر اہل زمانہ قد و قامت کے لحاظ سے اپنے سے پہلے لوگوں کے مقابلہ میں گھٹتے گئے ہیں۔

## استدلالات محدثین:

بعض اہل علم نے اس حدیث سے چند امور پر استدلال کیا ہے۔

ا۔ اپنے اہل کو تعلیم دینے کا حکم کرنا، جیسے اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا: اے آدم! جاؤ اور ملائکہ سے تعلیم حاصل کرو، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سلام کا جواب دینے سے متعلق سکھائی ہے۔

۲۔ مولانا داؤد راز رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''ممکن ہے آئندہ اور کم ہو جائے۔ یہ زیادتی اور کمی ہزاروں برس میں ہوتی ہے۔ انسان اسے دیکھ سکتا ہے۔ جو لوگ اس قسم کی احادیث میں شبہ کرتے ہیں ان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صحیح تاریخ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ تو معلوم نہیں حضرت آدم کو کتنے برس گذر چکے ہیں۔ نہ یہ معلوم ہے کہ آئندہ دنیا کتنے برس اور رہے گی۔ اس لیے قد و قامت کا کم ہو جانا قابل انکار نہیں۔''

۳۔ اس حدیث میں نصاریٰ کا بھی رد ہے وہ اس طرح کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کو خلاق عالم نے بغیر باپ کے پیدا کیا ہو وہ معبود بن سکتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہوگا جس کو اللہ مالک الملک نے پیدا ہی بغیر ماں باپ کے کیا ہو۔ لامحالہ وہ تو بالا ولیٰ الہ ہو سکتا ہے، لیکن اللہ اعلیٰ واجل نے تمام قسم کے شکوک وشبہات صرف لفظ تخلیق سے ختم کر دیئے کہ میں اس کو زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ (البقرۃ: ۳۰)

۴۔ استدلال کیا گیا ہے کہ ملائکہ عربی زبان بولتے ہیں، جیسا کہ ان کے سلام کرنے سے ثابت ہے۔ لیکن یہ بات محلِ نظر ہے۔ کیونکہ قرآن میں کئی قصے ایسے بیان ہوئے ہیں جو غیر عربی ہیں۔ لیکن ان کا انتقال عربی زبان میں کر کے انہیں نقل کر دیا گیا ہے۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملائکہ کا کلام عربی نہیں بلکہ اس کلام کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ (دیکھئے! فتح الباری: ۷/۱۱)

# سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے موت کے فرشتے کی آنکھ پھوڑ دی

۶۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

((جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسٰی ، فَقَالَ لَهٗ: اَجِبْ رَبَّكَ ، فَلَطَمَ مُوْسٰی عَیْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ ، فَفَقَأَهَا ، قَالَ: فَرَجَعَ الْمَلَكُ اِلَی اللّٰہِ ، فَقَالَ : اِنَّكَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَّكَ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ ، قَالَ: وَفَقَأَ عَیْنِیْ ، قَالَ فَرَدَّ اللّٰہُ اِلَیْہِ عَیْنَهٗ ، وَقَالَ: اِرْجِعْ اِلٰی عَبْدِیْ ، فَقُلْ لَّهٗ : اَلْحَیَاةَ تُرِیْدُ؟ فَاِنْ كُنْتَ تُرِیْدُ الْحَیَاةَ فَضَعْ یَدَكَ عَلٰی مَتْنِ ثَوْرٍ ، فَمَا وَارَتْ یَدُكَ مِنْ شَعْرَةٍ فَاِنَّكَ تَعِیْشُ بِهَا سَنَةً ، قَالَ: قَالَ: ثُمَّ مَهْ؟ قَالَ : ثُمَّ تَمُوْتُ ، قَالَ: قَالَ : مِنْ قَرِیْبٍ ، قَالَ: رَبِّ ادْنُنِیْ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْیَةً بِحَجَرٍ . وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :لَوْ اَنِّیْ عِنْدَهٗ ، لَاَرَیْتُكُمْ قَبْرَهٗ اِلٰی جَانِبِ الطَّرِیْقِ ، عِنْدَ الْكَثِیْبِ الْاَحْمَرِ .))

**ترجمة الحدیث:**...... ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: موسیٰ علیہ السلام کے پاس موت کا فرشتہ آیا اور کہنے لگا: ''اپنے رب کا حکم بجا لائیے (یعنی جان جان آفرین کے سپرد کیجیے) اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرشتے کی آنکھ پر تھپڑ رسید کیا اور اس کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ وہ فرشتہ اللہ کی بارگاہ میں لوٹا اور عرض کیا: بلاشبہ تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا اور بالتحقیق اس نے میری آنکھ پھوڑ ڈالی ہے۔ تو اللہ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: میرے بندے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو! آپ زندہ رہنا ہی پسند کریں گے؟ اگر (واقعی) زندہ رہنا چاہتے ہیں، تو بیل کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھو، بس آپ کا ہاتھ جتنے بال ڈھانکے گا، ہر بال کے عوض تم ایک سال زندہ رہو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پھر کیا

(۶۰)...... صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیآء، باب وفاة موسیٰ وذکره بعد، رقم: ۳۴۰۷، اخبرنا معمر عن همام قال: حدثنا ابوهریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه......۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام، رقم: ۲۳۷۲/۱۵۸، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا مَا حدثنا ابوهریرة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فذکر احادیث منها وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم......۔ مسند احمد، رقم: ۶۱/۲۰۵۳۱۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب موسیٰ و ملك الموت: ۲۷۴/۱، ۲۷۵، رقم: ۲۰۵۳۱۔ شرح السنه، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، رقم: ۱۴۵۱.

ہوگا؟ فرشتے نے کہا: پھر تم موت سے ہمکنار ہو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پھر اچھا ہے کہ ابھی مر جاؤں۔ پھر دعا کی: اے میرے رب! مجھے پتھر پھینکنے کی مقدار جتنا ارضِ مقدس کے قریب کر دے۔

(سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں وہاں موجود ہوتا، تو یقیناً آپ لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا۔ جو راستہ کے کنارے ایک سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔''

**شرح الحدیث:**...... ابن حبان البستی (التقاسیم والانواع) میں رقمطراز ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق کے لیے ایک معلّم بنا کر بھیجا، تا کہ وہ قرآن کی مجمل ومفسر آیات ان ان کے پیغامات کو کھول کھول کر بیان کریں۔

اور یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جس کے معنی ومفہوم کا ادراک صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے جو اصابتِ حق کی توفیق سے محروم نہ ہو۔

آگے فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ملک الموت کو جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف (پہلی مرتبہ) بھیجنا اور اس فرشتے کا ان سے یہ کہنا: آپ اپنے رب کے یہاں تشریف لے جایئے۔ یہ سب امتحان اور آزمائش کے طور پر تھا نہ کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ اسے پورا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور اس کی مثال عین اسی طرح ہے جس طرح کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا یا آخرت قبول کرے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے انہیں پتا چل گیا کہ بندے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور پھر ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے پر آزمایا گیا۔ انہوں نے بیٹے کو ذبح کیا، لیکن وہ پھر بھی زندہ رہا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾﴾ (الصافات: ۱۰۲۔۱۰۷)

''پس جب وہ ان کے ساتھ دوڑ لگانے کی عمر کو پہنچ گیا، تو انہوں نے کہا، میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، پس تم سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہوتی ہے، بیٹے نے کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کر گذریئے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ پس جب دونوں نے اللہ کا حکم مان لیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے پیشانی کے بل لٹا دیا، تو ہم نے

انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک یہ کھلی آزمائش ہے اور ہم نے اس لڑکے کو فدیہ کے طور پر ایک بڑا جانور بھیج دیا۔''

بہر حال سیدنا موسیٰ علیہ السلام اسے پہچان نہ پائے، اپنے گھر میں بغیر اجازت اندر آنے اور اس قسم کی بات کرنے پر اسے ایک طمانچہ دے مارا، جس سے اس کی آنکھ باہر نکل آئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے پاس ملائکہ کو ایسی صورت وشکل میں بھیجتے رہے، جس سے وہ آشنا ہوتے تھے۔ مثلاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کا (انسانی شکل میں) آنا۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا انہیں بھنا ہوا بچھڑا پیش کرنا اور پہچان نہ پانا۔ اور اسی طرح پھر جب وہی فرشتے سیدنا لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بھی ان کو پہچان نہ سکے تھے۔ (ھود: ٦٩۔٨١)

عین اسی طرح جناب موسیٰ علیہ السلام بھی ملک الموت کو پہچاننے سے قاصر رہے، اور انہیں ایک عام انسان سمجھ کر گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس قسم کی بات کرنے پر تھپڑ دے مارا (چونکہ عرفی اصولوں سے یہ واقعہ بالکل متضاد تھا۔ اس لیے جناب موسیٰ علیہ السلام کا یہ فعل بالکل درست ثابت ہوا)۔

فرشتوں کے بلا اجازت گھر میں داخل ہونے کی ایک مثال سیدنا داؤد علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے، جن کے گھر کی دیوار پھلانگ کر فرشتے ان کی عبادت گاہ (محراب) میں اچانک داخل ہوئے تھے، جیسا کہ سورۃ (ص:٢١) میں ہے۔

اور شریعت اسلامیہ میں بھی یہ بات مسلّم ہے کہ اگر کوئی آدمی بلا اجازت کسی کے گھر میں تاک، جھانک کرے اور کوئی (صاحبِ مکان) اس کی آنکھ نکال دے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ (دیکھئے! صحيح بخاري كتاب الديات، بـاب من اطلع في بيت قوم ففقئوا عينيه فلادية له، رقم: ٦٩٠٢، ٦٨٨٨۔ صحيح مسلم، كتاب الآدب، باب تحريم النظر في بيت غيره، رقم: ٤٤/ ٢١٥٨.

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہماری شریعت کے بعض مسائل سابقہ امتوں کی شریعتوں سے مطابقت وموافقت رکھتے ہیں۔

البتہ اگر واقعہ یوں ہوتا کہ ملک الموت، جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس (پہلی مرتبہ) آتے ہی انہیں مطلع کر دیتا کہ میں ملک الموت (موت کا فرشتہ) ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں، تو یقیناً جناب موسیٰ علیہ السلام یہ بات سنتے ہی سر تسلیم خم کرتے۔ لیکن یہ معاملہ ایک آزمائش وامتحان کے طور پر تھا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ملک الموت جب پھوڑی ہوئی آنکھ کے ساتھ اللہ کی طرف پلٹا اور سارا ماجرا سنایا، تو اللہ تعالیٰ نے وہ آنکھ اسے دوبارہ عطاء کر دی۔ اور حکماً فرمایا: میرے بندے کی طرف لوٹ جاؤ۔ ''عبدی'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ بجائے ناراضگی کے حکم فرمایا کہ جا

کر اس سے پوچھو اگر واقعتاً وہ طویل زندگی گذارنا چاہتا ہے، یعنی طویل زندگی کا خواہش مند ہے، تو اسے کہو: فلاں بیل کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دے، بس آپ کا ہاتھ جتنے بال ڈھانکے گا، ہر بال کے عوض آپ کی زندگی کا ایک سال بڑھا دیا جائے گا۔ چنانچہ دوسری مرتبہ جب ملک الموت نے یہ پیغام الٰہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا کر اپنا تعارف کرایا کہ میں ملک الموت ہوں۔تو (فوراً) سیدنا موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے: پھر کیا ہوگا؟ ملک الموت نے کہا: پھر موت آئے گی، وہ (جناب موسیٰ علیہ السلام) کہنے لگے؛ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ ابھی جان دے دوں۔'' انتھیٰ .

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''مرد وزن کے لیے ضروری ہے کہ اس حدیث پر انسانی عرف کا قیاس نہ کرتے ہوئے ایمان لائے، تاکہ شک وشبہ سے محفوظ رہ سکے، کیونکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکم سے وجود میں آیا۔ حقیقتاً تو یہ ملک کریم اور نبی کلیم علیہ السلام کے مابین ایک مجادلہ تھا، جو ان دونوں کے ساتھ ایک خاص صفت سے مخصوص تھا، لہٰذا ان دونوں پر کسی دوسرے کی حالت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔'' (ملخص از شرح السنه: ٥/٢٦٦،٢٦٨)

## سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

جب ملک الموت دوسری طرف پیغام لے کر آئے اور اپنا تعارف کرایا تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کے سامنے جھک گئے اور دعا فرمائی۔ اے میرے رب! مجھے بیت المقدس کی سرزمین میں اپنے انبیاء وصلحاء کے پڑوس میں دفن فرما، جہاں ان پر تیری رحمت کا نزول ہوتا رہتا ہے اور میرے اور ان کے مابین فاصلہ صرف اتنا ہو جتنا کہ ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔

## سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی قبر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا، تو یقیناً میں آپ لوگوں کو جناب موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا جو راستہ کے کنارے ایک سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔ واضح رہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے مدفن سے متعلق کثیر اختلاف ہے۔ کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک کو نہیں جانتے کہ وہ کہاں پر واقع ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: '' إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ عِنْدَ الْكَثِيبِ الأَحْمَرِ '' میں ابہام ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان کرنے کا ارادہ رکھتے تو اسے واضح لفظوں میں بیان فرما دیتے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کلام کی غرض وغایت اور انتہائے مقصود بنی آدم کے لیے رشد وہدایت اور رہنمائی کا سامان ہے۔ ان کا طرز بیان کبھی مختصر اور مجمل ہوتا ہے، تو کبھی طویل اور مفصل۔ اس کے علاوہ اس میں مختلف مخاطبین کی ذہنی سطح کا پورا پورا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر اہل یہود کو جناب موسیٰ وہارون علیہما السلام کی قبر کا علم ہو جاتا، تو وہ اللہ کے سوا ان دونوں کی عبادت شروع کر دیتے۔''

(عمدة القاری: ٦٣/٧۔ ارشاد الساری: ٥/ ٣٨٨)

**استدلالات محدثین:**

۱۔ مقدس مقامات میں اور صالحین کے مدافن کے قریب دفن ہونا افضل عمل ہے۔

۲۔ فرشتہ اپنی اصل (نورانی) صورت کے علاوہ دوسری صورت بنانے پر قدرت رکھتا ہے۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ''یَضَعُ یَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دنیا کی بقیہ مدت طویل ہے۔ وہ کو بیل ابتداء سے آخر تک گویا ایک پوری زندگی ہے۔ اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مٹھی میں جو بال آئے وہ گذشتہ زندگی کے مترادف تھے، اور اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زندگی قلیل ہے اور بقیہ زندگی کثیر ہے۔

۴۔ یہ حدیث عمر میں برکت اور بڑھوتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

(( مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ رِزْقُهُ، أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ. )) (صحيح بخاری، كتاب البيوع، رقم: ٢٠٦٧)

''جو شخص چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی اور زندگی میں برکت آئے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

اور اس حدیث کی تائید اللہ تعالیٰ کا فرمان کرتا ہے۔ فرمایا: ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ﴾ (فاطر: ١١)

''کسی بڑی عمر والے کی عمر میں اضافہ نہیں ہوتا۔''

**شبہات اور ان کا ازالہ:**

آخر میں ان لوگوں کے شبہات کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے، جنہوں نے اپنی آراء فاسدہ کی بنیاد پر اس حدیث کا انکار کیا ہے۔

**پہلا شبہہ:** یہ ہے کہ ملک الموت (روح قبض کرنے والا فرشتہ) اپنے منصب میں انتہائی سخت ہے، لیکن جناب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے وہ اپنے منصب میں کمزور نظر آ رہا ہے، کیوں؟ (أضواء القرآنیه: ١٨٨/٢)

**ازالہ:** جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت کا پہلی مرتبہ انسانی شکل میں آنا وہ روح قبض کرنے کے لیے نہیں، بلکہ ایک آزمائش اور امتحان کے طور پر تھا۔ جیسا کہ ہم نے شرح الحدیث کی ابتداء میں ابن حبان البستی رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

**دوسرا شبہ:** یہ ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی اور رسول تھے۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ وہ فیصلۂ الٰہی سے تعرض کرنے کی بجائے سر تسلیم خم کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا، کیوں؟

**ازالہ:** جناب موسیٰ علیہ السلام کا فرشتہ سے تعرض کرنا، وہ عدم معرفت کی بنا پر تھا۔ اور جب ملک الموت نے دوسری مرتبہ آ کر اپنا تعارف کرایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں۔ تو جناب موسیٰ فوراً پہچان

گئے، اور لمبی زندگی چھوڑ کر اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کرنے کے متمنی ہو گئے۔

**تیسرا شبہ**: یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں کہ وہ زندگی بھی اپنی مرضی سے (ارادہ سے) گزاریں اور موت بھی اپنے ارادہ سے دیں اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے مشورہ لیں کہ آپ مرنا چاہیں گے یا نہیں، کیوں؟

**ازالہ**: وہ کون ذات ہے جس نے جناب موسیٰ کو ارادہ کرنے کی توفیق دی، ظاہر ہے وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جناب موسیٰ کو موت یا حیات کا اختیار دینا بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ارادہ ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی سے ظاہر ہے۔ ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (الدھر: ۳۰) ''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔''

لٰہذا اس فرمان سے واضح ہو گیا کہ کوئی صاحبِ عقل یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی مرضی سے جیئے ہوں اور اپنی ہی مرضی سے فوت ہوئے ہوں، بلکہ ان کی موت وحیات مشیئت و ارادۂ الٰہی سے ہے۔

# سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنی اسرائیل کی بدگمانی کا بطلان

٦١...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ يَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى سَوْأَةِ بَعْضٍ ، وَكَانَ مُوْسٰى يَغْتَسِلُ وَحْدَهٗ ، فَقَالُوْا: وَاللّٰهِ! مَا يَمْنَعُ مُوْسٰى اَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا اِلَّا اَنَّهٗ اٰدَرُ ، قَالَ : فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ ، فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ ، فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ ، قَالَ : فَجَمَحَ مُوْسٰى فِيْ إِثْرِهٖ ، يَقُوْلُ: ثَوْبِيْ حَجَرُ ، ثَوْبِيْ حَجَرُ! حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ اِلٰى سَوْأَةِ مُوْسٰى ، فَقَالُوْا : وَاللّٰهِ! مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَأْسٍ ، قَالَ: فَقَامَ الْحَجَرُ بَعْدَ مَا نَظَرُوْا اِلَيْهِ ، وَاَخَذَ ثَوْبَهٗ ، وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا .

فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ: وَاللّٰهِ! اِنَّهٗ قَالَ نَدَبًا بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ اَوْ سَبْعَةٌ ، ضَرْبَ مُوْسٰى الْحَجَرَ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل برہنہ اس طرح نہاتے کہ ایک دوسرے کی شرم گاہوں کو دیکھتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے۔ اس پر انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ کو ہمارے ساتھ غسل کرنے میں صرف یہی چیز مانع ہے کہ وہ خصیوں کے پھول جانے کی بیماری میں مبتلا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ اس طرح ہوا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے لگے اور اپنے کپڑے پتھر پر رکھے تو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ نکلا، موسیٰ علیہ السلام یہ کہتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگے کہ اے پتھر! میرے کپڑے دے دے، اے پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ علیہ السلام کی شرم گاہ کو دیکھ لیا اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! موسیٰ میں تو کوئی عیب نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کی شرم گاہ دیکھے جانے کے بعد وہ پتھر ایک جگہ ٹھہر گیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام

---

(٦١)...... صحيح البخارى، كتاب الغسل، باب من اغتسل عرياناً وحده فى الخلو، رقم: ٢٧٨، حدثنا اسحاق بن نصر، حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام بن منبه، عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال : ......ـ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسى علیہ السلام ، رقم: ٣٣٩/١٥٥ و كتاب الحيض، رقم: ٣٣٩/٧٥، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق عن همام بن منبه قال : هذا، حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......ـ مسند احمد: ١٦/ ٦٦، ٦٧، رقم: ٨١٥٨/ ٦٢.

نے اپنے کپڑے اٹھائے اور اس پتھر کو مارنا شروع ہو گئے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس پتھر پر جناب موسیٰ علیہ السلام کی مار کے چھ یا سات نشانات پڑے تھے۔''

**شرح الحدیث:** ...... بنی اسرائیل اس طرح ایک ساتھ برہنہ غسل کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام تھا، لیکن وہ ارادۃً اپنی شریعت اور جنات موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت و معاندت کی بنیاد پر اس طرح کیا کرتے تھے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: بنی اسرائیل ایسی حرکت شریعت کی معاندت اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کے طور پر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اکثر امور میں شریعتِ موسوی سے اپنی سرکشی و نافرمانی اور کم علمی کی بنیاد پر دور رہتے تھے۔ (دیکھئے! ارشاد الساری: ۱/۳۳۱۔ عمدۃ القاری: ۱/۳۸۶)

**نوٹ:** برہنہ غسل کرنے کے متعلق حدیث نمبر ۴۸ کے تحت قدرے مفصل بحث گزری ہے، استفادہ کے لیے وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ البتہ یہاں مذکورہ حدیث کی تشریح میں چند باتوں کا اضافہ کیے دیتے ہیں۔ کہ برہنہ حالت میں غسل کرنا جائز ہے، لیکن بخاری رحمہ اللہ والی روایت جسے انہوں نے تعلیقاً بصیغۂ جزم بہز بن حکیم سے روایت کی ہے، سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل طریقہ یہ ہے کہ برہنہ حالت میں غسل نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَللّٰـهُ أَحَـقُّ أَنْ يُّسْتَحْيَى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ)) ''اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ لوگوں کی نسبت اس سے زیادہ حیاء کی جائے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب ۲۰)

اصل میں یہ روایت اس روایت کا ایک جز ہے، جسے احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

(( قُـلْـتُ: يَـا رَسُولَ اللّٰهِ! عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ؟ قَالَ: احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ۔ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهَ! اَحَدُنَا إِذَا خَالِيًا؟ قَالَ: اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ . )) (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۰۶ و ۴/۳۹۷)

''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنی شرمگاہوں کو کن کے سامنے ظاہر کریں اور کن سے ڈھانکیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی شرمگاہ بیوی اور لونڈی کے سوا سبھی سے محفوظ رکھو۔ اس پر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی خلوت میں ہو تو پھر؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ لوگوں کی نسبت اس سے زیادہ حیاء کی جائے۔''

**فائدہ:** ''إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ'' یعنی (اپنی بیوی کے سامنے شرم گاہ کھول سکتا ہے) سے معلوم ہوا کہ جب بیوی

اپنے خاوند کی شرمگاہ دیکھ سکتی ہے، تو خاوند بھی اپنی بیوی کی شرم گاہ دیکھ سکتا ہے۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مرد مرد کی شرمگاہ اور عورت عورت کی شرم گاہ، نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن افسوس کہ آج اہل مغرب اس فعل قبیح اور عادتِ شنیع ہم جنس پرستی میں بھرپور مبتلا ہیں کہ لڑکا لڑکے کو جنسی دوست بنا رہا ہے، اور اس کا اس سے کوئی ستر چھپا ہوا نہیں، اور ایسے ہی عورت عورت کو اپنی (Girl Friend) سمجھتی ہے، اس سے اپنی جنسی خواہشات پوری کرتی ہے، اور آپس میں ایک دوسرے کے ستر کو دیکھنا شرعاً جائز سمجھتی ہے اور یہی حال مردوں کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے غیر اخلاقی اور غیر شرعی فعل بد سے محفوظ رکھے اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی پوری پوری پاسداری کرنے کی توفیق خاص عطا فرمائے۔ (آمین)

## دفع تعارض:

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق یوں ہوگی، اول حدیث جو صحیفہ میں بیان ہوئی ہے وہ خلوت میں برہنہ غسل کرنے کے جواز پر محمول ہے۔ اور دوسری حدیث جو بہز بن حکیم سے مروی ہے وہ افضلیت پر محمول ہے۔

(دیکھئے! فتح الباری: ۱/۲۸۶۔ ارشاد الساری: ۱/۳۳۱)

## مستنبط فوائد:

مذکورہ حدیث سے یہ مسائل وفوائد مستنبط ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو پیدائش، حسن و جمال اور اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز اور ہر قسم کے نقائص وعیوب سے منزہ رکھتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مؤرخین میں سے جن لوگوں نے (تحقیق کی بنیاد پر) بعض انبیاء کو عیوب ونقائص کا حامل ٹھہرایا ہے۔ یہ (ہرگز) قابل التفات نہیں ہے، بلکہ معاملہ اس سے بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء ہر قسم کے نقائص وعیوب سے پاک ہوتے ہیں۔

۲۔ اس حدیث سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ثابت ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ پتھر کا جناب موسیٰ کے کپڑے اٹھا کر بنی اسرائیل کی طرف بھاگ نکلنا، جناب موسیٰ علیہ السلام کا اس پتھر کو آواز لگانا اور ان کی مار کے سبب اس پتھر پر نشان پڑ جانا۔

۳۔ اس حدیث سے انبیاء وصلحاء کو بے وقوف اور ان پڑھ جاہل قسم کے لوگوں کی طرف سے تکلیف پہنچانا اور اس تکلیف پر ان برگزیدہ ہستیوں کا صبر کرنا اور استقامت دکھانا ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ تنہائی میں غسل کرتے وقت شرم گاہ نہ ڈھانپنا مباح ہے، بشرطیکہ کوئی آنکھ اسے دیکھنے والی نہ ہو۔ البتہ شرم گاہ ڈھانپ کر نہانا اس کے لیے افضل ہے۔ جیسا کہ امام شافعی، امام مالک، امام بخاری اور جمہور اہل علم رحمہم اللہ کا مؤقف ہے۔

۵۔ ڈاکٹر یا حکیم کو چیک اپ کراتے وقت یا کسی مرض کے مداوا (علاج) کے لیے شرم گاہ کو کھولا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک شرعی قاعدہ ہے۔ ''الضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُورَاتِ'' ممنوع اشیاء ضرورت (شرعی) ومجبوری کی وجہ سے مباح ہو جاتی ہیں۔

٦۔ کوئی خبر (صادق) دیتے وقت قسم کھانا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی۔

٧۔ اللہ تعالیٰ نے جمادات، مثلاً: پتھر وغیرہ میں مادہ تمیز رکھا ہوا ہے، اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت ساری مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ (دیکھئے! عمدة القاری: ۱۲۵/۳۔ شرح مسلم للنووی: ۲۲۲/۵)

## شبہات اور ان کا ازالہ:

آخر میں ضعیف الفکر لوگوں کے شبہات کا ازالہ کر دیا جاتا ہے تا کہ عوام الناس ان لوگوں کی سیسہ کاریوں سے متاثر ہو کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کی مہلک بیماری میں مبتلا نہ ہوں۔

**پہلا شبہ**: جناب موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ قصہ کی بنیاد قرآن مقدس کی اس آیت کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝٦٩ ﴾ (الأحزاب: ٦٩)

''اے مؤمنو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے موسیٰ کو ستایا، پھر اللہ نے انہیں اس عیب سے جو وہ کہتے تھے، پاک کر دکھایا اور اللہ کے نزدیک موسیٰ عزت دار تھے۔''

حالانکہ اس آیت سے اس امت کو ڈرانا مقصود ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور کاذب وغیرہ جیسے الزامات سے اذیت وتکلیف مت پہچانا، جیسے بنی اسرائیل نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

**ازالہ**: پہلی بات یہ ہے کہ اس بات پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہی صحیح حدیث قرآن مقدس کی اس آیت کی تفسیر کر رہی ہے۔ الخ

اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے ہاں قرآن مقدس کے ماسوا کوئی مصدر قابل اعتناء نہیں (جیسا کہ لأن ما فيه لم يذكر في القرآن سے ظاہر ہوتا ہے) تو ہم یہ بات پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ جب قرآن مقدس نے واضح لفظوں میں بیان کر دیا کہ جس قوم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو ساحر اور کاذب جیسے القاب سے متہم کیا، وہ قوم بنی اسرائیل نہیں بلکہ وہ قوم فرعون تھی تو کیا اپنی عقل سے ان کا انتخاب کرنا علم اور اقدار اخلاق کے سراسر مخالف نہیں ہے؟

**دوسرا شبہ**: اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ اس قوم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف جو اذیت اور تکلیف پہنچائی، وہ ایک خاص بدنی مرض تھا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ میں استطاعت نہیں تھی، وہ ان کے اس مرض کا

مداوا کر پائے؟ ان کی شرمگاہ ظاہر کرنے اور ان کی رسوائی کے بغیر اسے مبرا نہیں کر سکتا تھا۔ اور انہیں برہنہ کر کے ایسے لوگوں کے سامنے کیا جو کافر تھے۔

**ازالہ**: مذکورہ حدیث میں جناب موسیٰ علیہ السلام کی رسوائی سے متعلق کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ یہ محض ان کا اپنا وہم ہے، اور جہاں تک کشفِ عورۃ (شرمگاہ کے کھلنے) کا تعلق ہے تو وہ بنی اسرائیل کے ہاں معمول تھا جیسا کہ حدیث کی شرح میں بیان کیا گیا۔ لہٰذا اس اعتبار سے جناب موسیٰ علیہ السلام کا ان تک برہنہ حالت میں جانا ان کی نظر میں غیر عادی نہیں تھا۔

**تیسرا شبہ**: اگر اس بات کو مان لیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ایک صحیح حدیث جس میں فرمایا ہے ((لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَ الْمُنْظُوْرَ)) ''شرم گاہ دیکھنے اور دکھانے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔''

اس حدیث کی بنیاد پر یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جسد مبارک سے اعراض کر لیا ہو اور بنی اسرائیل کے لیے ان کی شرم گاہ کھول دی ہو؟

**ازالہ**: اس روایت کو امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ''سنن الکبریٰ'' میں حسن سے نقل کیا ہے۔ جو کہ غیر قوی ہے اور یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ لہٰذا ایسی روایت سے استدلال کرنا اہل علم کا شیوہ نہیں ہے۔

**چوتھا شبہ**: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل پر قسم کھانا کہ انہوں نے پتھر پر ضرب لگائی جس سے اس پر نشان پڑ گئے اور اسے تکلیف محسوس ہوئی۔ کیا یہ مقام تعجب نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات کی نسبت کی جائے؟

اور یہ بھی مقام تعجب ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا کہ انہوں نے پتھر کو پکڑ کر اسے مارا پیٹا، حالانکہ اس فعل کا اندیشہ کسی عاقل شخص کے متعلق نہیں کیا جا سکتا، وہ تو پھر اللہ کے مکرم نبی و رسول ہیں؟

**ازالہ**: حدیث میں ''تـألـم بضربه'' کے الفاظ نہیں پائے جاتے، البتہ یہ ان لوگوں کی ذہنی اختراع ہے۔ جہاں تک تصرف عقل کی بات ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو تخلیقی طور پر یہ قوت واحساس بخشا تھا جیسے اس کا کپڑے اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس جا کر رک جانا وغیرہ، جب اس پتھر کا یہ فعل عقل رکھنے والوں جیسا ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام کا یہ فعل تصرفِ عقلاء والا کیوں نہیں ہو سکتا؟

# اصل امیری دل کی امیری ہے

۶۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( لَيْسَ الْغِنٰى مِنْ كَثْرَةِ الْعَرْضِ ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ''سامانِ دنیا کی بہتات تونگری (امیری) نہیں ہے، بلکہ اصل تونگری تو دل کی غنا ہے۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث میں دولت پرستی کی مذمت اور قناعت کی تحسین ہے، اور بنی آدم کی اصلاح کے لیے بہت بڑا درس ہے، کہ انسان کے ارتقائی منازل اس کے قلبی تونگری اور امیری پر منحصر ہیں نہ کہ ظاہری مال وجاہ اور دولت وثروت پر، تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تونگری اور امیری یہ نہیں ہے کہ سامانِ (دنیا) کثیر ہو۔ بلکہ تونگری تو یہ کہ دل غنی و مال دار ہو۔''

اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس آدمی کا دل غنی نہیں ہوتا وہ ہر وقت محتاج اور ضرورمند رہتا ہے کیونکہ اس میں توکل کا مادہ نہیں ہوتا اور جس کا دل غنی و مالدار ہو تو قلیل بھی کثیر یعنی تھوڑا مال بھی بہت زیادہ نظر آتا ہے۔

لیکن اصل میں غنی کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال ومتاع پر (دل کے ساتھ) صبر و قناعت کا مظاہرہ کرے۔

ظاہراً مال ومتاع کا زیادہ ہونا، یہ حقیقت میں دل کی فقیری ہے، اور ظاہری صورت میں مال کا کم ہونا، یہ حقیقت میں دل کی دولت مندی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات واضح رہے کہ مذکورہ حدیث کو اس صاحب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جو دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ ایمان بھی ہو۔

اور دوسری بات یہ کہ جو آدمی بنیادی طور پر مفلس وغریب ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب ایمان بھی نہ ہو تو اس کو بھی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ''مال کا کم ہونا حقیقت میں دل کی تونگری ہے'' کا مصداق نہیں بنایا جا سکتا۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''اے ابوذر! تم کیا سمجھتے ہو

(۶۲)...... صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس، رقم: ٦٤٤٦۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب لیس الغنی عن کثرۃ العرض، رقم: ١٠٥١/١٢٠۔ مسند احمد: ٦٧/١٦، رقم: ٦٤/٨١٥٩، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ...... ۔ شرح السنه: ٢٤٣/١٤.

کہ مال کی فراوانی ہی اصل غناء ہے اور مال کی قلت ہی اصل فقیری ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: اصل غناء دل کی دولت مندی اور اصل فقیری دل کی فقیری ہے۔

(دیکھئے! فتح الباری: ۱۱/۲۸۲۔ صحیح الترغیب، رقم: ۸۲۷۔ صحیح الجامع، رقم: ۷۸۱۶)

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾﴾ (الضحیٰ: ۸) ''اور اس نے آپ کو تنگ دست پایا، تو اس نے غنی کر دیا۔''

یعنی آپ فقیر اور عیال دار تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ماسوا سے غنی کر دیا اور آپ کو فقیر صابر اور غنی شاکر کا حسین امتزاج بنا دیا۔ صلوٰت الله وسلامه عليه .

یہ آیت کریمہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دولت سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ مال و دولت تو دل کی تونگری اور قناعت کا نام ہے، کیونکہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مال ملا ہے تو فتح خیبر پر ملا ہے، اس سے قبل آپ فقیرانہ زندگی گذارتے تھے، مزید براں صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَ قَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ .))

(صحيح مسلم، كتاب الزكاة، رقم: ۱۰۵۴)

''یقیناً وہ شخص کامیاب ہو گیا جو مسلمان ہوا، بقدر ضرورت اسے رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو عطا کیا تو اس پر اسے قناعت بھی عطا فرما دی۔''

اس حدیث سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ کسی کی ظاہری دولت و ثروت کو دیکھ کر اسے غنی نہیں کہا جا سکتا جب تک اس کا دل مالدار نہ ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ اصل میں غنیٰ وہ ہے جو انسان کو دنیا و آخرت میں کامیاب ہونے کا سامان فراہم کرے یعنی اس کامیابی کا سبب بنے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٩﴾﴾ (الحشر: ۹)

''جو مہاجرین مکہ کی آمد سے پہلے ہی مدینہ میں مقیم تھے اور ایمان لا چکے تھے، وہ لوگ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، اور ان مہاجرین کو جو مال غنیمت دیا گیا ہے، اس کے لیے وہ اپنے دلوں میں تنگی اور حسد محسوس نہیں کرتے اور انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود تنگی میں ہوں، اور جو لوگ اپنے نفس کی تنگی اور بخل سے بچا لیے جائیں وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

# مالدار مقروض کی وعدے میں تاخیر ظلم ہے

۶۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اِنَّ مِنَ الظُّلْمِ مَطْلُ الْغَنِيِّ ، وَاِنْ اُتْبِعَ اَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيْءٍ فَلْيَتْبَعْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بلا شبہ قرض واپس کرنے میں، مال دار شخص کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب تمہارا قرض کسی مال دار کو منتقل کر دیا جائے تو اسی سے قرض طلب کرے۔''

**شرح الحديث:** ...... مالدار مقروض شخص سے مراد وہ ہے، جو صاحب دولت وثروت ہو اور وہ ادھار چکانے پر قادر بھی ہو لیکن اس کے باوجود وہ قرض کی ادائیگی میں لیت ولعل اور ٹال مٹول سے کام لے، تو بلا شک وشبہ یہ ظلم ہے۔ تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ)) ''مال دار کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول اور تاخیر کرنا ظلم ہے۔''

مستزاد یہ کہ امام بخاری نے سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے۔ جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ((لَيُّ الْوَاجِدِ يَحِلُّ عُقُوْبَتُهُ وَعِرْضَهُ . )) ''مالدار کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا اس کی سزا اور اس کی عزت کو حلال کر دیتا ہے۔'' کے تحت فرماتے ہیں کہ عزت حلال کر دینے سے مراد یہ ہے کہ اس کے لیے قید کی سزا جائز ہوتی ہے۔ (دیکھئے! صحیح بخاری، کتاب الإستقراض، باب لصاحب الحق مقال، رقم: ۲۴۰۰)

مولانا داؤد راز رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''مطلب یہ ہے کہ کسی مالدار نے کسی کا قرض اگر اپنے سر لے لیا تو اس کا ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہوگا۔ چاہیے کہ اسے فوراً ادا کر دے، نیز جس کا قرض ''حوالہ'' کیا گیا ہے، اسے بھی چاہیے کہ اسے قبول کر کے اس مالدار سے اپنا قرض وصول کر لے اور ایسے حوالہ سے انکار نہ کرے۔ ورنہ اس میں وہ خود نقصان اُٹھائے گا۔'' (دیکھئے! شرح صحیح بخاری، از داؤد راز: ۴۳۱/۳)

---

(۶۳)...... صحيح بخاری، كتاب الإستقراض، باب مطل الغنى ظلم، رقم: ۲۴۰۰، حدثنا مسدد: حدثنا عبدالاعلى عن معمر، عن همام بن منبه: انه سمع اباهريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله ﷺ: ......۔ صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم مطل الغنى و صحة الحوالة، وإستحباب قبولها، رقم: ۱۵۶۴، حدثنا محمد بن رافع: اخبرنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه عن النبی ﷺ......۔ مسند احمد: ۶۷/۱۶، رقم: ۸۱۶۰/۶۴۔ مصنف عبدالرزاق: ۳۱۶/۸۔۳۱۷، رقم: ۱۵۳۵۵۔ سنن الكبرىٰ، كتاب الحوالة، باب من احيل على ملئى فيتبع، ولايرجع على المحيل: ۷۰/۶.

**حوالہ کی تعریف:** مقروض کا اپنے قرض کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دینا اور مطالبۂ قرض بجائے مقروض کے ملتزم کے ذمہ کی طرف انتقال کر دینا، حوالہ کہلاتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں بیان ہوا کہ جب مقروض کا قرض کسی مالدار کے حوالے کر دیا جائے، تو مطالبۂ قرض اسی مالدار سے کیا جائے۔

الغرض اس ''امرِ مطالبہ'' میں اہل علم کے ہاں اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ امر مستحب ہے، وجوبی نہیں۔ اہل ظاہر اور حنابلہ کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ امر وجوبی ہے۔ اس لیے کہ مالدار کا اس قرض کو قبول کرنا وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی طرف مائل (نظر آتے) ہیں جیسا کہ ان کا کہنا ہے۔ ((لَيْسَ لَهُ رَدٌّ))...... قرض خواہ اس حوالہ کو رد نہ کرے۔ علاوہ ازیں حدیث کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

**مستنبط فوائد:**

اب ہم ذیل کی سطور میں ان مسائل وفوائد کو بیان کریں گے، جو اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ مالدار آدمی کا قرض کی ادائیگی میں دیر کرنا ممنوع ہے۔ اب اس میں اختلافِ ہے کہ آیا قرض کی ادائیگی میں دیر کرنا کبیرہ گناہ ہے یا نہیں؟

جمہور علماء کا مؤقف ہے کہ ایسا شخص گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کے سبب فاسق ہے، لیکن کیا کوئی شخص ایک مرتبہ کی تاخیر سے فاسق ہوتا ہے؟ چنانچہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں (ایک بار تاخیر کرنے سے کوئی شخص فاسق نہیں ہو جاتا) اس لیے کہ ہمارے نزدیک امر تکرار کے ساتھ مشروط ہے۔

(دیکھئے! شرح مسلم للنوی، كتاب المساقاة، باب تحريم مطل الغنى الخ، رقم: ١٥٦٤)

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس نظریہ پر رد کرتے ہوئے اپنی کتاب "شرح المنهاج" میں رقمطراز ہیں: مطالبہ کے باوجود بغیر کسی عذر کے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا یہ غصب کے مترادف ہے اور غصب (بذاتِ خود) ایک کبیرہ گناہ ہے، علاوہ ازیں حدیث کا اسے ظلم کا نام دینا یہ بھی اس بات کی تائید کر رہا ہے کہ وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اور گناہ کبیرہ میں تکرارِ امر شرط نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔

(دیکھئے! عمدة القاری: ١٠/١٠٤، ١٠٥)

۲۔ تنگ دست آدمی کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم نہیں ہے، جب تک خوشحال نہیں ہو جاتا، تب تک اس سے نہ مطالبۂ قرض کیا جائے گا اور نہ ہی قید و بند میں رکھا جائے گا۔ (فتح الباری: ٤/٤٦٦)

۳۔ جو شخص ارادۃً قرض کی ادائیگی میں تاخیر کر رہا ہو تو ایسے شخص کا پیچھا کرتے رہنا چاہیے اور (اپنی رقم وصول

کرنے کے لیے) ہر ممکن طریقہ اختیار کرنا چاہیے، چہ جائے کہ زبردستی کرنا پڑے۔

(عمدة القاری: ۱۰/۱۰۵)

۴۔ اگر مالدار فقیر ہو جائے تو قرض کی تاخیر میں اس کو ظالم شمار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اب وہ مالدار کے حکم میں نہیں رہا، بلکہ فقراء کی حالت میں شمار کیا جائے گا۔ اور اسے زکوٰۃ دینا بھی جائز ہوگا۔ (فتح الباری: ٤/١٦٦) ایسے شخص کا قرض معاف کر دینا صدقہ اور نیکی ہے۔

# مخلوق کے لیے شہنشاہ سخت ناپسندیدہ نام ہے

۶۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَخْبَثُهُ وَاَغْيَظُهُ عَلَيْهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ ، لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''روز قیامت اللہ کے نزدیک سب سے بدتر اور مبغوض (غصہ دلانے والا) شخص وہ ہوگا جو (دنیا میں) شہنشاہ کہلاتا ہوگا۔ اللہ کے سوا کوئی شہنشاہ نہیں ہے۔''

**شرح الحديث:** ...... مذکورہ حدیث محض روزِ قیامت سے مقید نہیں، بلکہ اس کا حکم اس شخص کے لیے دنیا میں بھی وہی ہے جو قیامت کے روز ہونا ہے یعنی اس کا شہنشاہ کہلوانے پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوتا ہے۔ اس بات کی تائید طبرانی کی ایک روایت کرتی ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَى مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ مَلِكُ أَمْلَاكِ . ))

''اللہ تعالیٰ کا غضب اس شخص پر انتہائی سخت ہوتا ہے۔ جو اپنے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ وہ شاہِ شاہان ہے۔''

(دیکھئے! فتح الباری: ۵۸۹/۱۰۔ صحیح الجامع الصغیر ، رقم : ۹۷۷)

اور ابن ابی جمرة رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''یَوْمَ الْقِيَامَةِ'' میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ کہ روز قیامت ایسا دن ہے جس میں انسان کے تمام اعمال اپنی اصل حقیقت میں ظاہر ہوں گے۔ اور وہ ایسا مرحلہ ہو گا جس میں نہ (دھوکہ و) عناد ہوگا نہ تجاوز و مجاز، بلکہ ہر چیز حقائق پر مبنی ہوگی۔ ارشاد باری ہے:

﴿ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ﴾ (یونس : ۳۰)

''وہاں ہر شخص دنیا میں کیے ہوئے اپنے اعمال کو پہچان لے گا۔'' (دیکھئے: بهجة النفوس : ۱۸۵/٤)

---

(٦٤)...... صحيح بخارى، كتاب الأدب، باب أبغض الاسمآء إلى الله عزوجل، رقم: ٦٢٠٥، ٦٢٠٦۔ صحيح مسلم، كتاب الأدب، باب تحريم التسمى بملك الأملاك و يملك الملوك، رقم: ٢١٤٣/٢١، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا مَا حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث، منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ٦٨/١٦، رقم: ٨١٦١/٦٥۔ شرح السنة: ٣٣٧/١٢، ما يكره من الأ سمآء، رقم: ٣٣٧٠ وقال هذا: حديث صحيح.

### اپنے آپ کو شہنشاہ یعنی بادشاہوں کا بادشاہ کہلوانا:

(اب اس میں دو صورتیں ہیں اور دونوں مبغوض و مذموم ہیں) حالی یہ کہ وہ شخص اپنی ذات کے لیے یہ نام رکھے۔ دوسری یہ کہ یہ نام اس کا ذاتی تو نہ ہو، مگر فرضی ہونے کے ناطے اس کا دائمی نام قرار پا چکا ہو۔ بہر حال دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ (نام) ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو صرف اسی کو لائق ہے۔ نہ کہ کسی مخلوق کو۔ اور ویسے بھی بندے تو عبودیت، خضوع اور تذلل سے موصوف ہیں، انہیں تو زیب بھی نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو شہنشاہ کہلوائیں۔ دیکھئے! ارشاد الساری: ۹/ ۱۱۷

یہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مفہوم تھا جو ہم نے مذکورہ بالا سطور میں درج کر دیا ہے۔ اور ایسا نام رکھنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے نام میں مشابہت ہوتی ہے۔ جو نص قرآنی (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) کے سراسر مخالف ہے۔ لہٰذا یہ نام صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہی زیب دیتا ہے اور اسی کے لیے ہونا چاہیے۔ (دیکھئے! بهجة النفوس : ٤/ ١٨٥)

### بادشاہ صرف اللہ ہے:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنسِ ملوکیت کی نفی کر دی اور واضح فرما دیا کہ مالکِ حقیقی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اور کوئی نہیں (دنیا کی سب) عارضی بادشاہتیں شہنشاہ حقیقی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔ اور جو کوئی ایسا نام رکھے گا وہ اللہ عزوجل کی ردائے کبریائی میں منازعت کرے گا۔

(دیکھئے: ارشاد الساری: ۹/ ۱۱۷، ۱۱۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہنشاہ کی طرح دوسرے بعض اسماء بھی جو ذات حق جل جلالہ کے لیے مختص ہیں۔ کسی اور کا ان اسماء سے موسوم ہونا حرام ہے۔ اور وہ یہ ہیں: ۱۔ خالق الخلق ۲۔ احکم الحاکمین ۳۔ سلطان السلاطین اور امیر الأمرا۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول رحمٰن، قدوس اور جبار وغیرہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ، ابو محمد بن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ قاضی القضاۃ، کبیر القضاء اور أقضی القضاء جیسے نام بھی نہیں رکھنے چاہیں۔ لیکن اقضی اور قاضی القضاء جیسے نام رکھنے کی صراحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ملتی ہے جیسا کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے متعلق فرمایا: ''أَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ'' البتہ یہ بات واضح رہے کہ جس صاحب کو قاضی القضاۃ یا اقضی القضاء جیسے لقب سے مقلب کیا جا رہا ہو، تو اس سے مقصود یہ ہو کہ وہ صاحب اپنے زمانے یا ملک یا شہر کے لوگوں میں سب سے زیادہ عادل اور علم والا ہے۔ (دیکھئے! فتح الباری: ۱۰/ ۵۹۰)

ضروری نہیں ایسا نام عربی زبان والفاظ میں ہو، بلکہ کسی بھی زبان میں ایسا نام رکھنا جس کے معانی خاص کر اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں، قطعاً غلط اور مبغوض ہے۔ یہی خالص توحید کا تقاضا ہے۔

# تکبر کی سزا

۶۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( بَيْـنَمَا رَجُلٌ يَّتَبَخْتَرُ فِیْ بُرْدَيْنِ ، قَدْ اَعْجَبَتْهُ نَفْسُهٗ ، خُسِفَ بِهِ الْاَرْضُ ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص دو چادروں میں اتراتا ہوا چل رہا تھا، اور خود پسندی میں مبتلا ہوا، تو (بحکم الٰہی) وہ زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ (اسی طرح) روزِ قیامت تک رہے گا۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی علی صاحبھا الصلاۃ والسلام میں جس اکڑ باز اور خود پسند آدمی کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس کے متعلق اہل علم سے مختلف اقوال منقول ہیں:

۱۔ اس سے مراد امم سابقہ کا کوئی شخص ہے۔ جیسا کہ بخاری، مسلم اور احمد کی روایت سے واضح ہے۔ علاوہ ازیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی بات کی تصحیح کی ہے۔ (دیکھئے! صحیح مسلم مع النووی، کتاب اللباس و الزينه، باب تحریح البختراغ، رقم: ۲۰۸۸)

۲۔ اس شخص سے مراد قارون (بنی اسرائیل کا مشہور مال دار شخص) ہے۔ جیسا کہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے ''صحاح'' میں اور علامہ کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''معانی الأخيار'' میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ یہ واقعہ کسی خاص شخص سے مقید نہیں، بلکہ اس میں متعدد واقعات و اشخاص کا بھی احتمال ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''ویحتمل القدر'' کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (دیکھئے! صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جرثوبه من الخيلاء، رقم: ۵۷۸۹)

مذکورہ بالا روایت میں ''يَتَجَلْجَلُ'' کے الفاظ مستعمل ہیں، اور صحیحین کے علاوہ بعض دوسری کتب حدیث

---

(۶۵)...... صحيح بخاری، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، رقم الحديث: ۵۷۸۹۔ صحيح مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم التبختر فی المشی مع إعجابه بثيابه، رقم الحديث: ۵۰/۲۰۸۸، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ماحدثنا ابوهريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر احاديث منها وقال رسول اللهﷺ......۔ مسند احمد: ۶۸۱۶، رقم الحديث، ۶۶/۸۱۶۲۔ شرح السنه، باب صفة المشی و كراهية التبختر: ۱۲/۳۲۰، ۳۲۱، وقال: هذا حديث متفق على صحته.

میں ''یَتَـخَلْخَلُ'' اور ''یَتَـحَلْحَلُ'' کے الفاظ ملتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ پہلا کلمہ درست ہے۔ یعنی یَتَجَلْجَلُ۔ (دیکھئے! صحیح بخاری، کتاب اللباس، رقم: ۵۷۸۹)

**مستنبط فوائد:**

اب آخر میں ہم ان فوائد کو ذکر کر رہے ہیں، جو اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ انسان کو چاہیے کہ تکبر وغرور جیسے گھٹیا اور مذموم عمل سے اجتناب کرے۔

۲۔ خوبصورت لباس پہن کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے، اور لباس پہننے سے مقصود بھی یہی ہو۔

۳۔ خوبصورت لباس پہن کر اپنے سے کم تر آدمی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے گھٹیا عمل کو قطعاً پسند نہیں فرماتا۔

# اللہ عزوجل اپنے بندے سے اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہے

٦٦...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ:(( اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:''میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق ساتھ ہوں، جیسا خیال وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔''

**شرح الحديث:**...... یہ حدیث قدسی جوامع الکلم میں سے ہے، اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرا بندہ اگر میرے متعلق یہ خیال رکھتا ہو کہ میں اسے عافیت بخش دینے والا ہو، تو میں اس کے ساتھ وہی معاملہ اور برتاؤ کرتا ہوں۔ اور اس کے برعکس اگر وہ میرے متعلق یہ خیال رکھے کہ میں اسے سزا دینے اور اس کی گرفت کرنے والا ہوں، تو میں بھی اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں۔

لہٰذا بندۂ رحمان کو چاہیے کہ وہ وظیفۂ عبادات کے قیام میں پوری کوشش کرے، اور وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اس کی عبادات کو قبول کرنے اور اس کی لغزشوں سے صرفِ نظر فرمانے والا ہے۔ کیوں، اس لیے کہ یہ اس کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ بنا بریں اگر کوئی شخص اس کے برعکس اعتقاد و خیال رکھتا ہو، تو بس وہ رحمتِ الٰہی سے مایوس ہوگا۔ واضح رہے رحمت الٰہی سے مایوس ہونا بڑا جرم ہے۔

(دیکھئے! ارشاد الساری: ۳۸۱/۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (یوسف: ۸۷)

---

(٦٦)...... صحيح بخارى، كتاب التوحيد، باب يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ، رقم الحديث: ٧٥٠٥ـ صحيح مسلم، كتاب الذكر و الدعآء، والتوبة والإستغفار، باب فضل الذكر و الدعآء و التقرب إلى الله، رقم: ٢٦٧٥، **اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں،** "وأنا معه إذا دعانى ـ مسند احمد: ٦٩/١٦، رقم: ٦٧/٨١٦٣، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: ......ـ شرح السنه، باب التقرب إلى الله سبحانه و تعالىٰ بالنوافل والذكر: ٢٠/٥.

''اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ نا امید ہوتے ہیں۔''

چنانچہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ ''المفھم'' میں فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ دعا کرتے وقت اجابت کا، توبہ کرتے وقت قبولیت کا اور استغفار کرتے وقت مغفرت کا خیال رکھے۔ یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کے خیال میں ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا اور توبہ قبول فرمائے گا اور اس کے گناہوں سے صرف نظر فرمائے گا۔ نیز عبادت شرائط کے ساتھ اس کی ادائیگی کے وقت یہ خیال ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق اس کا اچھا بدلہ دے گا۔ (فتح الباری: ۱۳/۳۸۶)

البتہ گناہ پر اصرار اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ سے مغفرت کی بھی امید رکھنا، یہ سراسر جہالت اور بے وقوفی ہے۔ اور یہ بندے کو مرجئہ مذہب تک لے جاتی ہے۔ (دیکھئے! ارشاد الساری: ۱۰/۳۸۱)

اور ابن ابی جمرۃ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث ظاہراً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ اس کے خیالات جیسا برتاؤ رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ کلیہ بندے کے ساتھ عام ہے۔ نیز فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا یا تو امورِ دنیا سے متعلق ہے جیسے اس پر احسانات وخیرات اور اسے امتحان و پریشانی میں مبتلا کرنا (وغیرہ) یا ان امور سے متعلق ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اسے مکلّف ٹھہرایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا انہیں اور اپنے رسولوں کی اطاعت واتباع کا حکم دینا وغیرہ ہے۔ یا پھر اللہ عزوجل کا یہ برتاؤ امورِ آخرت سے متعلق ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر رحمت کرنا اور اسے سزا دینا وغیرہ۔ بهجة النفوس: ٤/ ٢٨٥ .

اس مختصر سی حدیث میں پورے دین کو سمو دیا گیا ہے، یا اسے یوں سمجھئے کہ یہ حدیث دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ بہر حال اس سے معلوم ہو گیا کہ کوئی عمل بغیر نیت کے نہیں کیا جاتا یعنی یا تو وہ نیک نیتی سے ہوتا ہے، یا پھر بد نیتی سے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی بندے کو عمل کا ایسا ہی بدلہ دیتا ہے جیسی اس نے نیت کے بموجب عمل کیا ہوتا ہے۔

نیز یہ حدیث اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وقدرت کو بھی واضح کر رہی ہے، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں ہر بنی آدم کے ساتھ فرداً فرداً اس کے خیال کے مطابق رہتا ہے۔ لہٰذا یہ وضاحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عقل کے ذریعے نہ ادراک کیا جا سکتا ہے، نہ ذہن کے ذریعے حد بندی اور نہ ہی اس ذاتِ حق کے متعلق اوھام وشکوک ڈال کے اس کے وجود میں خطرہ پیدا کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس کا وجود حق ہے اور اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾ (الشوری: ۱۱)

''کوئی چیز اس کے مانند نہیں، اور وہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

علاوہ ازیں قرآن مقدس کی بعض آیات بھی ہماری مذکورہ بالا تشریح اور اس حدیث سے اخذ شدہ نتائج سے

پوری پوری مطابقت رکھتی ہیں:

﴿وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ط﴾ (توبہ: ۱۱۸)

''اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ (فتح: ٦)

''اور جو اللہ کے متعلق بدگمانی رکھتے ہیں''

﴿وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳﴾

(حم السجدہ: ۲۳)

''اور تمہاری یہی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی، تم کو ہلاک کر دیا، تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گئے۔''

# ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے

۶۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( مَنْ يُّوْلَدُ ، يُوْلَدُ عَلٰى هٰذِهِ الْفِطْرَةِ ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ ، كَمَا تُنْتِجُوْنَ الْبَهِيْمَةَ ، فَهَلْ تَجِدُوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ حَتّٰى تَكُوْنُوْا اَنْتُمْ تَجْدَعُوْنَهَا؟ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَرَأَيْتَ مَنْ يَّمُوْتُ ، وَهُوَ صَغِيْرٌ؟ قَالَ : اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر مولود فطرت (دین قیم) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔ جیسے تمہارے چوپایوں کے ہاں بچہ جنم لیتا ہے، پس کیا تم ان میں کوئی کان کٹا پاتے ہو، بلکہ تم خود ہی اس کا کان کاٹ دیتے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی! اے اللہ کے رسول! بچپن میں فوت شدہ بچوں کے متعلق بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ عمل کرنے والے تھے۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا مفہوم یہ ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، بعد میں اس کے والدین اسے اپنے مذہب پر چلا لیتے ہیں۔

**فطرت سے کیا مراد ہے؟**

اس کے متعلق اہل علم کے کئی اقوال ہیں۔ ذیل کی سطور میں ہم انہیں بیان کیے دیتے ہیں۔

۱۔ فطرت سے مراد وہ پیدائش جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا فرمایا، یعنی جس روز اللہ نے انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا، اور یہ (فیصلہ کیا) کہ بعض ان میں جنتی ہیں اور بعض جہنمی، کما قال ابن حبان وغیرہ . (الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان : ۱/۱۹۰، ۱۹۱)

---

(۶۷)...... صحیح بخاری، کتاب القدر، باب اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِيْنَ، رقم: ۶۵۹۹، حدثنا اسحاق : اخبرنا عبدالرزاق : اخبرنا معمر عن همام عن ابی هريرة قال: قال رسول اللهﷺ : ......۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، رقم: ۲۲/۲۶۵۸، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول اللهﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول اللهﷺ......۔ مسند احمد: ۶۹/۱۶، رقم : ۸۱۶۴/ ۶۸۔ شرح السنه، باب أطفال المشركين: ۱/۱۵۴، رقم: ۸۴.

۲۔ فطرت سے مراد خلقت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے (پیدائشی طور پر) سالم وجود بخشا، لیکن اس وقت وہ ایمان و کفر کے تعارف سے عاری تھا، پھر جب وہ بلوغت کو پہنچ کر مکلّف ٹھہرا تو معتقد ہوا۔

(فتح الباری: ۳۰/ ۲۵۰۔ شفاء العلیل، رقم: ٦٢٤، ٦٢٦)

۳۔ فطرت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ فطرت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں میں ملکۂ معرفت و انکار پیدا کیا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے پوری ذریت آدم سے میثاق لیا، تو سب نے یک زبان ہو کر اس میثاق کی تصدیق کی۔ لیکن جو اہل سعادت تھے، انہوں نے تو خوشی خوشی اقرار و تصدیق کی اور جو اہل شقاوت تھے، انہوں نے بے دلی و مجبوری سے اقرار کیا۔

۵۔ مزید یہ کہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم الٰہی میں انسانوں کی جو سعادت و شقاوت تھی وہ فطرت مراد ہے۔ یعنی اگر وہ سعات مند ہے تو اس کی پیدائش فطرتِ اسلام پر ہوتی ہے۔ اور اگر صاحبِ شقاوت ہے تو اس کی پیدائش فطرتِ کفر پر ہوتی ہے۔

٦۔ فطرت سے مراد یہ ہے کہ ہر بچہ معرفتِ الٰہی اور اس کے اقرار پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو نفس بھی جنم لیتا وہ اس بات کے اقرار پر پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی ذات ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے، چہ جائے کہ وہ اللہ کے نام کے بغیر اس کا کوئی نام رکھے یا اس کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرائے۔

(شرح مسلم، تحت حدیث رقم: ٢٦٥٨)

۷۔ جمہور سلف اور اہل تحقیق کی آراء کے مطابق ہے، نیز معنی فطرت سے متعلق یہی بات درست ہے۔ اور وہ قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد فطرتِ اسلام یعنی دین اسلام ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰)

''یہ اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔''

جمہور اہل علم اس حدیث کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِلنَّاسِ يَوْمًا: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِمَا حَدَّثَنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ فِيْ الْكِتَابِ، إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ وَ بَنِيْهِ حُنَفَاءَ مُسْلِمِيْنَ، وَأَعْطَاهُمُ الْمَالَ حَلَالًا لَا حَرَامَ فِيْهِ، فَجَعَلُوْا مَا أَعْطَاهُمُ اللّٰهُ حَرَامًا وَ حَلَالًا.))

(تفسیر قرطبی: ١٤/ ٢٥۔ معجم کبیر للطبرانی: ١٧/ ٣٦٣)

''رسول اللہ ﷺ نے ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: کیوں نہ میں آپ کو وہ بات بیان کروں جو

اللہ تعالیٰ نے مجھے بیان فرمائی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو مسلمان پیدا فرمایا ہے۔ اور انہیں جو مال عطاء فرمایا ہے وہ حلال مال ہے۔ اس میں حرام (کی ملاوٹ) نہیں۔ لیکن اولاد آدم علیہ السلام نے اس مال میں ملاوٹ کر دی۔ (حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا)''

**نوٹ:** واضح ہو کہ مذکورہ حدیث میں ''مسلمین'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، لیکن محمد بن اسحاق اور دوسرے جتنے طرق سے یہ روایت آئی ہے ان میں ''مسلمین'' کی بجائے ((ان خلقت عبادی حنفاء .)) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ لہٰذا ''مسلمین'' کے الفاظ نقل کرنے میں راوی کو وہم ہوا ہے۔ (شفاء العليل: ٥٩٧، ٥٩٨)

بہر حال اس روایت کے علاوہ اور بھی کئی صحیح روایات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

اور یہ بات بدیہی ہے کہ جب بھی کوئی بچہ جنم لیتا ہے، تو وہ ایمانیات اور علمیات، اخلاقیات اور اسی طرح دنیاوی امور سے قطعی نا آشنا ہوتا ہے، لیکن جب گھر میں وہ پروان چڑھتا اور آہستہ آہستہ نشو ونما پاتا ہے، تو اسی گھر کے ماحول و رفضاء میں گھل مل جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس بچے کی پیدائش تو عین فطرتِ اسلام پر ہوئی، لیکن چونکہ جس گھر میں اس نے نشو ونما پائی وہ غیر مسلم یعنی یہودی، نصرانی، مجوسی، یا کسی بھی غیر اسلام مذہب سے متعلق تھا، تو اس صورت میں یا تو وہ دیکھا دیکھی ان کے مذہب کو قبول کر لیتا ہے یا پھر اپنے والدین یا اکابر کے حکم سے اس مذہب کو قبول کرتا ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بچے کے فطرتِ اسلام پر پیدا ہونے کو ایک مثال دے کر واضح فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی چوپایہ پیدائشی طور پر کان کٹا یا ناک کٹا نہیں ہوتا، بلکہ تم خود اس کا ناک یا کان کاٹ دیتے ہو، عین اسی طرح ہر بچہ فطرتِ اسلام یعنی دین قیم پر جنم لیتا ہے۔ لیکن اس کے والدین یہود و نصاریٰ ہونے کے سبب یا کوئی دوسرے عوارضات اسے اپنی فطرت سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فطرتِ نو مولود کو جانوروں سے تشبیہ دینا اس غرض و غایت پر مبنی تھا کہ اہل عرب کے مشرکین کے ہاں یہ معمول ورواج، بلکہ یہ ان کا مذہب تھا کہ وہ اپنے معبودانِ باطلہ کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کے لیے جو جانور مختص کرتے، ان کے کان یا ناک وغیرہ چیر دیتے تھے، تاکہ دور سے یہ شناخت ہو سکے کہ یہ چڑھاوے یا نذر و نیاز کا جانور ہے۔

لیکن انتہائی ندامت و افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل اہل عرب کے مشرکین کا طریقہ ہندوستان اور پاکستان تو کجا دنیا کے کئی ممالک کے درباروں اور معبد خانوں پہ نظر آتا ہے۔ اور رب کا قرآن مشرکین کے شیطانی طریقے یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝١١٩﴾ (النساء: ١١٩)

(شیطان نے حلفاً کہا) ''اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا، اور ضرور انہیں خواہشات دلاؤں گا، اور انہیں حکم دوں گا، پس وہ جانوروں کے کان ضرور چیریں گے۔ اور میں انہیں حکم دوں گا، پس وہ اللہ کی تخلیق کو بدلیں گے، اور جو اللہ کے سوا شیطان کو اپنا دوست بنائے گا اس کا انجام صریح گھاٹا و نقصان ہوگا۔''

چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ روایات میں جا بجا:((وِلِدَ عَلَى الْفِطْرَةِ، فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ، عَلٰى هٰذِاَ الْمِلَّةِ؟ خُلِقَ حَنِیْفاً)) جیسے الفاظ (یا کسی بھی قسم کے الفاظ مروی) ہوں، ان سے قطعاً یہ مقصود نہیں کہ بچہ جب ماں کے پیٹ سے جنم لیتا ہے تو وہ فطرتِ دین سے آشنا ہوتا ہے یا دین پر ایمان لانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بلکہ وہ کسی بھی چیز سے آشنا نہیں ہوتا۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا﴾ (النحل: ۷۸)

''اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے جب نکالا تو تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔''

بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی فطرت اُسے دین اسلام کے قریب ہونے کا تقاضا کرتی ہے، جہاں تک نفسِ فطرت کا تعلق ہے تو وہ اپنے خالق کی خالقیت، ربوبیت اور عبودیت کا اقرار محبت سے اور اس کے دین کے ساتھ مخلص ہونے کو لازم قرار دیتی ہے۔ اور جو شخص (خارجی) عوارضات سے محفوظ ہو کر محض اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ایسے شخص کو کمالِ فطرت پر ہونے کے سبب ایک سے بڑھ کر انعامات (اشیاء) کا حصول ہوتا ہے۔ نیز فطرت کو دودھ سے ایک حسین تعبیر دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فطرت عین دودھ کے مشابہہ ہے جیسے بچے کے بدن کو ملائم اور موزوں بنانے کے لیے دودھ بطورِ غذا استعمال کرایا جاتا ہے، اور بچے کے بدن کی ملائمت کے لیے دودھ کے سوا اور کوئی مناسب غذا نہیں ہوتی، عین اسی طرح انسان کے دل اور اس کی اصلاح کے لیے سوائے فطرت کے اور کوئی مناسب چیز نہیں، علاوہ ازیں دودھ بھی انسانی فطرت میں شامل ہے۔ جیسے کہ واقعہ معراج میں آپ ﷺ کو دودھ پیش کیا جانا اس پر شاہد عدل ہے۔ (شفاء العلیل، ص: ۶۰۳، ۶۰۴)

حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ماں باپ اسے مسلم بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ جو الفاظ آپ ﷺ استعمال کر رہے ہیں، ان کا تقاضا یہی تھا کہ آپ ﷺ یہ الفاظ بھی استعمال فرماتے کہ اس کے ماں باپ اسے مسلم بنا لیتے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ کیونکہ بچہ پیدا ہی فطرت پر ہوا ہے اور فطرت اسلام ہی ہے۔ اگر کسی بچے کو کسی ماحول سے متاثر کیے بغیر چھوڑ دیا جائے تو وہ عین فطرت پر ہے خواہ وہ اصولی ہیں، یا فروعی ہیں، یا جزوی ہیں۔ (دیکھئے! مقالات نور پوری، ص: ۴۹۹)

## کفار کے چھوٹے فوت شدہ بچوں کا حکم:

آخر میں رہا یہ مسئلہ کہ چھوٹے بچے فوت ہونے کے بعد اہل جنت میں شمار ہوتے ہیں یا اہل دوزخ میں؟ اگر وہ بچے اہل اسلام کے ہوں تو بقول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے اہل جنت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ایک جماعت سے توقف نقل کیا ہے، وہ یہ کہ ان کے نزدیک تمام بچے اللہ کی مشیت میں ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان سے جو معاملہ کرنا چاہے اسے اختیار ہے)۔ (طریق الهجرتین، ص: ٣٦٠)

اور اگر وہ بچے اہل کفر کے ہوں، تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے یا جہنم میں؟ ذیل کی سطور میں علماء کے اقوال درج ہیں۔ اور ساتھ ساتھ صحیح مذہب مع ادلہ مطالعہ فرمائیں:

۱۔ ایسے بچوں سے متعلق سکوت اختیار کیا جائے۔ ان لوگوں نے مذکورہ حدیث کے اس جملہ ((اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْن)) ''کہ انہوں نے کیا عمل کرنے تھے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔'' سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس کا مطلب ہے کہ ''ان میں سے مومن اور کافر کو اللہ خوب جانتا ہے۔'' لہٰذا یہ موقف درست نہیں۔

(طریقه الهجرتین، ص: ٣٦٠۔ ٣٦٢)

۲۔ اہل تفسیر اور متکلمین کا کہنا ہے کہ وہ بچے اپنے آباؤ اجداد کے تابع ہونے کے سبب اہل دوزخ میں شمار ہوں گے۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہی مذہب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، لیکن امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے غلط قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ مذہب امام احمد کا نہیں، بلکہ ان کے بعض اصحاب کا ہے اور امام صاحب سے اس کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ (فتح الباری: ٣/٢٤٦)

۳۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل تحقیق کا جو مذہب یہ ہے کہ وہ بچے اہل جنت میں شمار ہوں گے۔ اور یہی مذہب درست ہے۔ ایک دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جنت میں دیکھا تو ان کے ارد گرد مختلف لوگوں کی اولاد بھی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! اہل شرک کی اولاد بھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اہل شرک کی اولاد بھی تھی۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ (الإسراء: ١٥)

''اور ہم جب تک اپنا رسول نہیں بھیج دیتے کسی کو عذاب نہیں دیتے۔''

اور نابالغ بچہ شریعت کا مکلّف نہیں ہوتا۔'' (شرح مسلم للنووی، تحت حدیث رقم: ٢٦٥٨)

۴۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ یہ نظریہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے، جسے ابویعلیٰ نے نقل کیا ہے۔ نیز طبرانی اور بزار نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت

نقل کی ہے: ((أَطْفَالُ الْمُشْرِكِيْنَ هُمْ خَدَمُ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) لہٰذا یہ بات درست ہے۔(مسند ابويعلى، رقم: ١٠١١، ١٠١٢۔ مسند بزار، رقم: ٢٣٢۔ مجمع الزوائد: ٢١٩/٧۔ حلية الاولياء: ٣٠٨/٦۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ١٤٦٨۔ صحيح الجامع الصغير، رقم: ١٠٢٤)

۵۔ اسی طرح ایک روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا: مشرکین کی اولاد اہل دوزخ میں شمار ہوگی۔ لیکن یہ روایت شدید ضعیف ہے۔(فتح الباری: ٣٤٦/٣)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نابالغ فوت شدہ بچے چاہے اہل اسلام کے ہوں یا اہل کفر کے سب کے سب جنتی ہیں۔ جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب!

# انسانی جسم سے ریڑھ کی ہڈی کو زمین نہیں کھاتی

۶۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اِنَّ فِى الْاِنْسَانِ عَظْمًا ، لَا تَأْكُلُهُ الْاَرْضُ اَبَدًا ، فِيْهِ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، قَالُوْا : اَىُّ عَظْمٍ هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، قَالَ : عَجْبُ الذَّنَبِ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان میں ایک ہڈی ہوتی ہے جسے زمین کبھی نہیں کھاتی، اسی ہڈی سے لوگوں کو روزِ قیامت بنایا جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون سی ہڈی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ریڑھ کی ہڈی ہے۔''

**شرح الحديث**: ...... مذکورہ حدیث میں انسانی ہڈی پر لفظ ''عَجب'' استعمال ہوا ہے۔ بعض روایات میں (عجم الذنب ) کے الفاظ ہیں۔ مستدرک حاکم اور مسند ابی یعلیٰ میں جناب ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے:(( قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاعجب الذنب؟ قال: مِثْلُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ . ))

''کہا گیا: اے اللہ کے رسول! "عجب الذنب" کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ رائی کے دانے کی مثل ہے۔''

"عجب الذنب" ریڑھ کی ہڈی کے نیچے ایک لطیف ہڈی ہوتی ہے جس کو "عجب الذنب" یا "عجم الذنب" کہتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ ابن عقیل کا قول نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اس میں (ہڈی کے باقی بچ جانے میں) اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے، جو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا، اس لیے کہ جو اللہ کس کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے تو اس کے لیے کسی چیز کے خمیر کا محتاج ہونا ضروری ہے کیا؟ (فتح الباری : ۸/۵۵۳، ۵۵۴)

نیز یہ بھی امکان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ملائکہ کے لیے اس ہڈی کو بطورِ علامت ٹھہرایا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر

---

(۶۸)...... صحيح بخارى، كتاب التفسير، باب وَ نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ، رقم الحديث: ٤٨١٤ وباب يوم ينفخ فى الصور فتأتون أفواجاً، رقم: ٤٩٣٥ ـ صحيح مسلم، كتاب الفتن و اشراط الساعة، باب ما بين النفختين، رقم: ٢٩٥٥/١٤٣، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ : ...... ـ مسند احمد: ٧٠/١٦، رقم: ٨١٦٥.

انسان کی تخلیق اس کے جوہر سے اسی (طرز) پر کریں گے جس پر پہلے وہ تھا۔ اور ملائکہ کا یہ علم رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ تمام بنی آدم کی ارواح انہی اجسام میں لوٹائے گا۔ فقط اسی طریق سے ہوسکتا ہے کہ ہر انسان کی ایک ہڈی باقی رہے، جیسا کہ جناب عزیر علیہ السلام کے گدھے کا واقعہ شاہد ہے۔ (عمدة القاری: ١٥/٤١٢، ٤١٣)

عام انسانوں کی بہ نسبت انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارک اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ . ))

''اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام (کھانا) حرام کر دیا ہے۔''

(مستدرك حاكم: ١/٢٧٨۔ حاکم نے اسے ''صحیح'' کہا ہے اور ذہبی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے۔)

نیز علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس حکم میں انبیاء کے علاوہ شہداء کو بھی شمار کیا ہے۔ اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے تو اس مؤذن کو شامل کیا ہے جو نیک نیت سے اذان کہے۔ علاوہ ازیں قاضی عیاض رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: حدیث کا مقصد یہ ہے کہ مٹی تمام بنی آدم کے اجسام کھا جاتی ہے۔ سوائے مخصوص اجسام کے جیسے اجسام انبیاء علیہم السلام وغیرہ۔ (فتح الباری: ٨/٥٥٣، کتاب التفسیر، تحت رقم: ٤٨١٤)

## ایک تعبیری غلطی اور اس کا ازالہ:

معلوم ہوا یہ حدیث اس بات پر ''نص'' ہے کہ اجسام بنی آدم کی ریڑھ کی آخری ہڈی (قبر میں) نہیں سڑتی، جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔ البتہ اس مسئلہ میں علامہ مازنی رحمہ اللہ نے مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: بخاری والی روایت جو ان الفاظ سے مروی ہے۔ (( وَسَيَبْلَى كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا عَجبَ الذَّنَبِ . ))

اس روایت میں ''إِلّا'' بمعنی (سوائے نہیں، بلکہ) واؤ ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کا معنیٰ یوں ہوگا ''دوسرے بدن کی طرح ''عجب الذنب'' ریڑھ کی آخری ہڈی بھی سڑ جاتی ہے۔''

لیکن افسوس کہ علامہ مازنی کے اس نظریہ پر یہ حدیث خود ایک ''رد'' ہے۔

(( إِنَّ فِي الْإِنْسَانِ عظمًا لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ أَبَدًا . )) (عمدة القاری: ١٥/٢١٥)

اور یہ حدیث اس شخص کا بھی رد ہے۔ جس کا موقف ہے کہ نبی ﷺ کے اس فرمان سے مقصود یہ ہے کہ یہ ہڈی ایک لمبے عرصے تک رہنے والی ہے، نہ یہ کہ وہ کبھی فنا ہی نہیں ہوتی۔ اور اس کے ایک لمبے عرصے تک رہنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ انسان کی بنیاد ہے اور اس بنیاد پر انسان کی دوبارہ ترکیب ہوگی۔ لہٰذا اس وجہ سے وہ جسم کے بقیہ اعضاء اور ہڈیوں کی بہ نسبت ایک لمبے عرصے تک باقی رہتی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے دیوار اپنی بنیاد کی نسبت پہلے گر جاتی ہے، جب کہ بنیاد ایک لمبے عرصے تک قائم رہتی ہے۔

**ازالہ**: ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس نظریہ کو بھی رد کرتی ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
((عظمًا لا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ أَبَدًا)) ''ایک ایسی ہڈی ہے جسے زمین کبھی نہیں کھا سکتی۔''

دوسری بات یہ ہے کہ اس نظریہ پر کوئی واضح دلیل بھی نہیں ہے: چنانچہ بعض اہل علم فرماتے ہیں، یہ نظریہ مردود ہے۔ اس لیے کہ ظاہر حدیث کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ بغیر دلیل بھی ہے۔ یعنی اس پر کوئی دلیل نہیں۔

(فتح الباری: ۸/۵۵۳۔ عمدة القاری: ۱۵/۴۱۳)

''تاہم جدید سائنس بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جو چیز ایک دفعہ پیدا ہوگئی، وہ کبھی فنا نہیں ہو سکتی، بلکہ وہ مختلف حالتوں اور صورتوں میں دوبارہ موجود رہتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ''ریڑھ کی ہڈی'' ایک علامت (Symbol) کے طور پر ہو اور ویسے اللہ تعالیٰ ہر انسان کا DNA لے کر محفوظ کر لیتا ہو، جس سے وہ دوبارہ اسے پیدا فرما دے گا۔ بہرحال اب سائنس کی بنیاد پر نہ تو قیامت کے آنے کا انکار ہو سکتا ہے اور نہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے کہ دوبارہ زندگی ممکن نہیں۔''

(شرح صحیفه، ص: ۱۸۵۔ ۱۸۶، مطبوعه مکتبه قرآنیات، لاهور)

# صوم وصال کی ممانعت

۶۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اِيَّـاكُمْ وَالْوِصَالَ ، اِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ ، قَالُوْا: فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: اِنِّـيْ لَسْـتُ فِـيْ ذَاكُـمْ مِّثْـلَكُمْ : اِنِّيْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ ، فَاكْلِفُوْا مِنَ الْعَمَلِ مَالَكُمْ بِهٖ طَاقَةٌ . ))

**تـرجمة الحديث**:...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وصال (لگاتار روزے رکھنے) سے اجتناب کرو، وصال سے احتراز کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ خود تو وصال کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں (اس معاملہ میں) تمہاری مثل نہیں ہوں۔ میں ایسے حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ پس تم لوگ کسی عمل کی اتنی تکلیف اٹھاؤ جتنی تمہاری طاقت ہے۔''

**شرح الحديث**: ......سب سے پہلے حدیث میں استعمال شدہ لفظ ''وصال'' کی تعریف جاننا ضروری ہے، اور وصال کے حکم سے متعلق اہل علم کے یہاں جو اختلافات ہیں انہیں ذیل کی سطور میں درج کر دیا جاتا ہے۔

**وصال کي تعريف**: الوصال: و هو صوم يومين فصاعدا من غير أكل أو شرب بينهما .
''وصال یہ ہے کہ دو روز لگاتار روزہ رکھنا کہ اس میں نہ کھایا اور نہ پیا ہو۔'' (شرح مسلم للنووی، مزید دیکھئے: النهايه فى غريب الأحاديث والأثر)

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنے اصحاب کو وصال سے منع فرمانا کس نوعیت و حیثیت سے تھا۔

۱۔ بعض اہل علم کے نزدیک ''وصال'' مباح ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم پر مشقت کے پیش نظر روکا تھا نہ کہ لازمی طور پر اور وہ اپنے اس مؤقف کی تائید میں سیدہ

(۶۹)...... صحيح بخاری، كتاب الصوم، باب التنكيل عن اكثر الوصال، رقم: ۱۹٦٦، حدثنا يحيىٰ، حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام، انه سمع اباهريرة رضي الله عنه عن النبى ﷺ قال : ......۔ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب النهى عن الوصال فى الصوم، رقم: ۱۱۰۲/۵۸۔ مسند احمد: ۷۱/۱٦، رقم : ۸۱٦٦۔ مصنف عبدالرزاق، باب الوصال من كتاب الصوم: ۲٦۷/۴۔ شرح السنة، باب النهى عن الوصال فى الصوم: ۲٦۱/٦، رقم: ۱۱۳٦.

عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ فرمان پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو وصال سے شفقت کے طور پر منع فرمایا تھا۔

نیز ان کا کہنا ہے: وصال کے مباح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ دو روز تک وصال کیا، تا کہ وہ اس سے باز آ جائیں۔ چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ وصال بنفسہ نہ حرام ہے اور نہ مکروہ، بلکہ یہ مکروہ اس اعتبار سے ہے کہ اس سے طاقت میں کمی واقع ہوتی ہے۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وصال کے جواز سے متعلق یہ مذہب ابن وہب، اسحاق اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم سے بھی نقل کیا ہے۔ (دیکھئے! عمدة القاری: ۱۳۹/۹)

۲۔ اکثر اہل علم کے نزدیک وصال حرام ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ ایسا عمل شریعت کے مخالف ہے۔ وہ اس طرح کہ شریعت نے رات کو افطار کا محل ٹھہرایا ہے کہ رات ہوتے ہی روزہ کھول دیا جائے لیکن وصال سے اس شرعی حکم کی مخالفت لازم آتی ہے۔ (کیونکہ وصال کہتے ہی اسے ہیں کہ بندہ دن رات کوئی چیز نہ کھائے اور نہ پیئے) اور وہ اپنے اس مؤقف کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

((إِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَ أَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ .)) (صحیح بخاری، کتاب الصوم، رقم: ١٩٥٤)

یعنی ''جب رات آ جائے اور دن ختم ہو جائے تو روزہ دار روزہ افطار کر لے۔''

اور یہ مخالفتِ شرعی عین اس طرح ہے جیسے کوئی صاحب عید کے دن روزہ رکھ لے۔

ان کا کہنا ہے کہ اگر کوئی صاحب اس مؤقف پر اعتراض کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو وصال کو ''رحمت'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ ان کے اس فرمان: (( رحمة رحمکم الله بها )) سے واضح ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وصال کا رحمت ہونا وصال کے حرام ہونے کے متعارض اور متضاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت ہی ہے کہ اس نے اصحابِ رسول پر وصال کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے اصحاب سے وصال کروایا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنے اصحاب کو وصال کروانا وصال کے حرام ہونے کو متعارض نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کا یہ فعل تفریع و تنکیل یعنی ڈرانے اور دھمکانے پر محمول تھا، تا کہ صحابہ پر اس کی ممانعت کی مصلحت منکشف ہو جائے۔ یعنی جب وہ وصال کریں گے تو ان پر اس کی مصلحت بسبب مشقت پوری طرح واضح ہو جائے گی اور اس سے روکنے کی اصل غرض یہ تھی کہ صحابہ سے وصال کے سبب اہم عبادات جیسے وظائف، نماز اور قرأتِ قرآن وغیرہ میں وکمی واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا اس سے روک دیا گیا۔ (فتح الباری: ٤/٢٠٤، ٢٠٥)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح مسلم میں یہی مفہوم نقل کیا ہے۔

(شرح مسلم للنووی، کتاب الصیام، باب النهی عن الوصال فی الصوم، رقم: ۱۱۰۲ )

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو کام سزا کے طور پر کیا جائے۔ وہ شریعت نہیں ہوسکتا۔

(عمدة القاری: ۱۳۹/۹)

۳۔ بعض کے نزدیک وصال مکروہ ہے، اسی طرح اہل فقہ کی ایک جماعت کا بھی یہی مؤقف ہے۔

یہ اصحاب اپنے اس مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے بعد بھی صحابہ وصال کرتے ہوتے تھے۔ اگر انہوں نے اسے حرام سمجھا ہوتا، تو وہ ایسا اقدام نہ کرتے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ نہی تحریمی نہیں، بلکہ تنزیہی تھی۔ (فتح الباری: ۲۰۵/٤)

۴۔ بعض اہل علم کے نزدیک وصال اس شخص کے لیے تو جائز ہے جو اس کی طاقت وقوت رکھتا ہے۔ لیکن جو اس قوت وطاقت سے عاری ہو، اس پر حرام ہے۔ لہٰذا جو شخص اہل کتاب سے مشابہت کا ارادہ رکھتا ہو اور نہ روزہ افطار کرنے میں سنت سے اعراض کرنے والا ہو، ایسے شخص کو وصال کرنے سے روکنا غیر مناسب ہے۔ نیز 'مصنف ابن ابی شیبہ' میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پندرہ روز تک وصال فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں صحابیات میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اور تابعین میں عبدالرحمٰن بن ابی لقیم، عامر بن عبداللہ بن زبیر، ابراہیم بن زید التیمی اور ابوالجوزاء رحمہم اللہ وصال فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابونعیم اصبہانی نے 'حلیۃ الاولیاء' میں ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

(فتح الباری: ۲۰٤/٤)

۵۔ بعض اہل علم کے نزدیک وصال کا روزہ سحری تک رکھنا جائز ہے۔ جس میں امام احمد، اسحاق، ابن المنذر اور ابن خزیمہ رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ مالکیہ کی ایک جماعت بھی اس مؤقف کی تائید کرتی ہے۔ جو سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(( لَا تُوَاصِلُوْا ، فَأَيُّكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُّوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرَ ، قَالُوْا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، قَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ ، إِنِّي أَبِيْتُ لِيْ مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي ، وَسَاقٍ يَسْقِيْنِ . ))

''وصال نہ کرو، اور اگر کسی کا ارادہ وصال کرنے کا ہے بھی، تو اسے چاہیے کہ سحری کے وقت تک وصال کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ خود تو وصال کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میں اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ کھلانے والا

مجھے کھلاتا ہے اور پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔‘‘

(صحيح بخاری، كتاب الصوم، باب الوصال إلى السحر رقم: ١٩٦٧)

مولانا داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: درحقیقت یہ طے کا روزہ نہیں کہ دن کی طرح ساری رات نہ کچھ کھائے نہ پیئے۔ (دیکھئے! شرح صحيح البخاری: ٢١٦/٣)

## میرا رب رات بھر مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے:

اس فرمان رسول ﷺ کی کئی توجیہات ہیں، ان میں سے معروف اور اقرب الی السنۃ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی طاقت وقوت کو ایسے ہی رواں رکھتا جیسے کھانے، پینے کی حالت میں رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ مبارک بھی اس بات پر کھلی دلالت کر رہے ہیں کہ اس سے مقصود قوتِ اکل وشرب ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔

(فتح الباری: ٢٠٧/٤)

نیز علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن العربی اور رافعی کے حوالہ سے مسعودی کی بھی یہی رائے نقل کی ہے۔

(عمدة القاری: ١٣٩/٩)

علاوہ ازیں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث سے قریباً یہی مفہوم اخذ کیا ہے کہ اس سے مراد کھانے پینے کی قوت کا حصول ہے۔ (شرح مسلم للنووی، تحت رقم: ١١٠٢)

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی عظمتِ فکر اور جملہ معارف میں اتنا مشغول ومصروف کر دیتا ہے کہ مجھے کوئی چیز کھانے پینے کا خیال وتصور تک نہیں رہتا۔ اس پر علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

یہ ایک ایسی خوراک ہے جو انسانی بدن کی جملہ خوراک سے انتہائی عمدہ اور بہتر ہے۔ اور جس صاحب کو ادنی درجہ ذوق اور تجربہ حاصل ہو تو وہ اس بات سے لاعلم نہیں کہ دلی اور روحانی خوراک کی وجہ سے انسانی بدن کو جسمانی خوراک کی ضرورت نہیں رہتی۔ (دیکھئے! عمدة القاری: ٢٠٧/٤)

## مستنبط مسائل وفوائد:

آخر میں ہم ان مسائل وفوائد کو بیان کر رہے ہیں جو حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امور رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۲۔ خصائص رسول ﷺ کو کسی بھی مسئلہ کی اساس و بنیاد نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ہاں جو امور خصائص سے ہٹ کر ہیں ان میں کیفیت حکم کے مطابق اقتداء کی جائے گی۔

۳۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمتِ نہی کے بارے تحقیق و بحث کی جا سکتی ہے۔

۴۔ اگر مفتی کا عمل اس کے فتویٰ کے مخالف ہو تو حقیقت حال معلوم کرنے کی غرض سے، اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کاملہ بغیر اسباب کے بھی کسی چیز کو وجود میں لا سکتی ہے۔

## چند استدلالات فاسدہ اور ان کا رد:

مذکورہ حدیث سے بعض گمراہ قسم کے لوگ کئی ایک فاسد استدلال کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان میں سے چند ایک استدلال بمعہ پیش خدمت قارئین ہیں۔

### پہلا استدلال:

نبی کریم ﷺ بشر نہیں تھے۔ تبھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَسْتُ فِيْ ذَالِكُمْ مِثْلَكُمْ)) ''میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔''

محمد رضاء الحسن قادری صاحب رقمطراز ہیں: نبی کریم ﷺ باوجود جسم عنصری رکھنے کے نور حق تعالیٰ سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((خُلِقْتُ مِنْ نُورِ اللّٰهِ))

''میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔''

اور دوسرے کسی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔

﴿إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (حم السجدة: ٦)

''میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں۔''

بعض علماء نے اس آیت کو متشابہات میں سے قرار دیا ہے یعنی اس کے الفاظ تو حق وصواب ہیں لیکن حقیقی مطلب ومفہوم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ (صحیفه همام بن منبه، ص ۲۲۲، مطبوعه کرمانواله بك شاپ لاهور بحواله مکتوبات امام ربانی۔ معرفة الحقائق: ۹/۹۱)

### تحقیق وتردید:

''میں تمہاری مثل نہیں ہوں'' کا یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ میں تمہاری طرح انسان نہیں ہوں۔ بلکہ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا جو خصوصی تعلق ورابطہ ہے، وہ تم میں سے کسی کا بھی نہیں ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے میرا رب تعالیٰ میرے اندر کھانے پینے کے بغیر ہی قوت پیدا کر دیتا ہے جو تمہیں کھانے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

یہ نظریہ قرآن وسنت کے سراسر مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس پر ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾﴾

(الكهف: ١١٠)

''آپ کہیے کہ میں تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے، تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (حم السجدة: ٦)

''میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں۔''

ان آیات کو متشابہات سے قرار دینا انتہائی جہالت کی بات ہے۔ کسی مفسر نے یا اہل علم نے اس آیت کو متشابہات میں سے شمار نہیں کیا۔

انبیاء کو بشر نہ ماننا کفار کا نظریہ وعقیدہ رہا ہے۔ وہ یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنا رسول بنا سکتا ہے، اور ان کا یہی شبہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے سے مانع تھا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٤﴾﴾ (بنی اسرائیل: ٩٤)

''اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آئی تو انہیں ایمان لانے سے صرف ان کی اس بات نے روک دیا کہ کیا اللہ نے ایک انسان کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔''

اور سورۂ یونس میں ارشاد ہے:

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ﴾ (یونس: ٢)

''کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی پر وحی نازل کی ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کا خوف دلائیے۔''

مزید یہ کہ ان کے شبہ کی تردید کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ اس کا فضل وکرم کہ بندوں کی رہنمائی کے لیے انہی جیسا رسول بھیجا تا کہ اس کی بات سمجھیں اور اس کی زندگی ان کے لیے مشعل راہ بنے۔ اگر زمین پر رہنے والے نوری فرشتے ہوتے تو حکمت کا تقاضا یہی ہوتا کہ ان کی رہنمائی کے لیے انہی جیسا کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا

تاکہ وہ ان کی باتوں کو سمجھتا اور اس کی زندگی ان کے لیے مشعل راہ بنتی۔ لہٰذا اے کفار مکہ! نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار بعید از عقل وقیاس بات ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۹۵)

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین پہ رہنے والے فرشتے ہوتے جو سکون واطمینان کے ساتھ اس پر چلتے پھرتے، تو ہم آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔''

بعثت انبیاء کی اسی حکمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ (آیت:۱۵۱) میں مسلمانوں سے فرمایا ہے:

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرة: ۱۵۱)

یعنی ''جیسا کہ ہم نے تمہاری رہنمائی کے لیے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور قرآن وسنت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی آپ ﷺ نے متعدد بار اپنے بشر ہونے کا اعتراف فرمایا۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ ﷺ نے نماز پڑھائی تو اس میں کچھ کمی بیشی کر دی جب سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کیوں کیا بات ہے؟ صحابہ نے کہا: آپ نے اتنی رکعت پڑھی ہیں، یہ سن کر آپ الٹے پاؤں پھرے، قبلہ کی طرف منہ کیا (سہو کے) دو سجدے کیے۔ پھر سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف چہرہ انور کر کے ارشاد فرمایا: اگر نماز کے بارے کوئی نیا حکم آتا تو میں ضرور تمہیں بتا دیتا، لیکن بات یہ ہے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ جیسے تم بھول جاتے ہو، میں بھی بھول جاتا ہوں، تو جب میں بھولوں مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو اپنے ظن غالب کے مطابق اپنی نماز پوری کرے۔ پھر سلام پھیرے اور سہو کے دو سجدے کر لے۔''

(صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب التوجه نحو القبلة، رقم: ۴۰۱)

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ کھجور میں پیوند لگاتے تھے، آپ نے پوچھا: یہ کیا کرتے ہو؟ صحابہ کرام نے جواب دیا: ہم تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم یہ کام نہ کرو تو شاید بہتر ہوگا۔ لوگوں نے پیوند لگانا چھوڑ دیا تو کھجور پھل کم لائی۔ صحابہ نے یہ بات

رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہوں۔ جب میں تمھیں تمہارے دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو میں بھی آخر انسان ہی ہوں۔''

(صحيح مسلم، كتاب الفضائل، رقم: ٦١٢٧)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ)) (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، رقم: ٦١٢٨)

''تم میری نسبت امور دنیا کو زیادہ جانتے ہو۔''

پس ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ بشر تھے۔ جو لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ آپ بشر تھے ہی نہیں، تو یہ احادیث ان کے خلاف حجت قاطعہ اور براہین ساطعہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مزید برآں جو شخص یہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ عام انسانوں جیسے ایک انسان تھے وہ سخت گستاخ، انتہائی درجے کا نادان اور نامراد مردود ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کو عام انسانوں جیسا ایک معمولی انسان سمجھنا گستاخی اور سخت نادانی ہے۔'' (تيسير القرآن : ٦٦٣/٢)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ اور دیگر علمائے عرب سے سوال کیا گیا کہ کیا حضرت محمد ﷺ کا نور اللہ کے نور میں سے تھا یا کسی اور نور سے تھا؟ تو انہوں نے جواباً لکھا: ''نبی کریم ﷺ کو جو نور حاصل تھا اس سے مراد نورِ رسالت و ہدایت ہے، اس نور سے اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کی آنکھوں کو چاہا ہدایت سے سرفراز فرما دیا اور بے شک نورِ رسالت و ہدایت اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿٥٣﴾﴾

(الشورى: ٥١-٥٣)

''اور کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القاء کرے۔ بے شک وہ عالی مرتبہ (اور) حکمت والا ہے، اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے، آپ نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس

سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمد ﷺ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو (یعنی) اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے، دیکھو۔! سب کام اللہ کی طرف لوٹیں گے اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کو یہ نور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے، آپ نے اس کا اکتساب خاتمہ الاولیاء سے نہیں کیا جیسا کہ بعض ملحد لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔

باقی رہا آپ کا جسم مبارک تو دہ خون، گوشت اور ہڈیوں ہی سے بنا ہوا تھا، قانون فطرت کے مطابق اپنے ماں باپ کے گھر آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، ولادت باسعادت سے قبل آپ کی تخلیق نہیں ہوئی اور جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا، یا جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چہرہ کے نور سے ایک مٹھی پکڑی اور فرمایا یہ مٹھی بھر نور محمد ﷺ ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس مٹھی کی طرف دیکھا تو اس سے قطرے گرنے لگ گئے اور اس ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ نے ایک نبی پیدا فرمایا یا تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے نور محمدی سے پیدا کیا تو یہ روایات نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ رحمہ اللہ جلد ۸/صفحہ ۳۶۶ اور بعد کے صفحات۔ و صلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔ (فتاویٰ اسلامیہ: ۱/ ۱۹۱۔۱۹۲)

## مشاہیر حنفی علماء کے فتاویٰ جات:

❀ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(( وَقَالَ) تَعَالٰى ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ﴾ أَيْ لَا أَدَّعِيْ أَنِّيْ مَلَكٌ وَإِنَّمَا أُتَمَيَّزُ عَنْكُمْ بِأَنْ ﴿يُّوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ فَمُحَمَّدٌ ﷺ وَسَائِرُ الْأَنْبِيَاءِ أَيْ وَبَاقِيْهِمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنَ الْبَشَرِ أَيْ مِنْ جِنْسِ بَنِيْ آدَمَ . ))

(شرح الشفاء: ٢/ ١٧١، ٣٢٩، طبع دار الكتب العلمية بيروت)

''اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہہ دیجیے! میں تمہاری طرح صرف بشر ہوں یعنی میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں اور میں تم سے اس بات سے ممتاز کیا جاتا ہوں کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے، تو محمد ﷺ اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشر ہیں، یعنی بنی آدم کی جنس سے ہیں۔''

❀ علامہ ابن الہمام حنفی رقم طراز ہیں:

(( أَنَّ النَّبِيَّ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ لِتَبْلِيْغِ مَا أُوْحِيَ اِلَيْهِ وَكَذَا الرَّسُوْلُ فَلَا فَرْقَ . ))

(المسايرة، ص: ٢٠٧)

''یقیناً نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرمایا اور رسول بھی اسی طرح ہے، اس لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔''

❀ علامہ تفتازانی حنفی لکھتے ہیں:

((وَالرَّسُوْلُ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَی الْخَلْقِ لِتَبْلِيْغِ الْأَحْكَامِ .))

(شرح العقائد، ص: ٤٥)

''رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا ہے۔''

❀ علامہ ابن نجیم المعروف ابوحنیفہ ثانی نے لکھا ہے:

((فَيُكْفَرُ...... بِقَوْلِهِ لَا أَدْرِیْ أَكَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِنْسِيًّا أَوْجِنِّيًّا .))

(البحر الرائق: ١٢١/٥، طبع کوئٹہ)

''جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا نبی اکرم ﷺ انسان تھے یا جن، اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔''

❀ شیخ احمد سرہندی رقم طراز ہیں:

(( ای برادر! محمد رسول اللّٰہ ﷺ باآں علو شان بشر بودوبہ داغ حدوث ومکان مستم .)) (مکتوبات، مکتوب نمبر ۱۷۳ ، جلد اوّل ، ص ۳۵۲ ، مطبوعہ ایران )

''اے بھائی! سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی باوجود اس قدر بلند شان ہونے کے بشر تھے اور حدوث و امکان کے وصف سے متصف تھے۔''

❀ پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ شریف لکھتے ہیں:

''جیسے اور لوازمات بشریہ، مثلاً کھانا پینا، سونا، مریض ہونا، من حیث الانسانیت ذات مبارک کے ساتھ لگا ہوا تھا، اسی طرح اثر سحر کا وقوع بھی من حیث البشریہ ہی ہے۔''

(فتاویٰ مھریة ، ص: ١٠، ص: ١٠١، طبع قدیم ١٩٦٢ء)

❀ نعیم الدین مراد آبادی نے رقم کیا ہے:

''انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔'' (کتاب العقائد، ص: ٧)

❀ مفتی احمد یار گجراتی نے لکھا ہے:

''نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔'' (جاء الحق: ١٧٣/١)

❀ مولوی امجد علی اعظمی نے لکھا ہے:

''انبیاء سب بشر ہیں۔'' (بهار شریعت، حصه اوّل ، ص : ۹)

❀ مولوی غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں:

''بعض لوگ اہل سنت کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو جنس بشر سے مبعوث نہیں مانتے اور آپ کو چاند سورج کی طرح نوری مخلوق مانتے ہیں، یہ الزام سراسر غلط ہے۔''

(شرح صحیح مسلم: ۲/ ۱٤٤)

اور مولانا محمد رضاء الحسن قادری صاحب کی عبارات بھی آپس میں متضاد ہیں کہ لکھتے لکھتے یہ بھی اعتراف کر گئے ہیں کہ ''حضور ﷺ بے مثل بشر ہیں۔'' (حوالہ مذکورہ)

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

## دوسرا باطل استدلال:

کہا جاتا ہے چونکہ رسول اکرم ﷺ نور تھے۔ لہٰذا آپ کا سایہ بھی نہ تھا۔ مولانا صاحب نے اظہر اقبال چشتی کا یہ شعر نقل کیا ہے:

محمد بشر ہیں نہیں کوئی ، ان کی مثل
سایہ نہ آیا کبھی ان کا نظر
کون ہے جو کرے ان سے ہمسری
وہ تو ہیں سب سے اعلیٰ وارفع بشر

## جواب:

قارئین کرام! اولاً تو اس شعر میں مولانا صاحب نے نبی کریم ﷺ کی بشریت کا اعتراف کر لیا ہے۔

دوسری بات یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ تھا۔ جس کے کئی ایک دلائل ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں لہٰذا آپ ﷺ کا سایہ تھا، جیسا کہ دوسری مخلوقات کا سایہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۱۵﴾

(الرعد: ١٥)

''اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہمیں خوشی اور ناخوشی سے اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرتی ہیں اور ان کے سائے بھی صبح وشام سجدہ کرتے ہیں۔''

۲۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں، صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک اونٹ تھا اور وہ بیمار ہو گیا، جبکہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس دو اونٹ تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ایک زائد

اونٹ صفیہ کو دے دو تو انہوں نے کہا: میں اس یہودیہ کو کیوں دوں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے۔ اور تقریباً تین ماہ تک زینب رضی اللہ عنہا کے پاس نہ گئے حتیٰ کہ زینب رضی اللہ عنہا نے مایوس ہو کر اپنا سامان باندھ لیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

((فَبَيْـنَـمَـا اَنَـا يَوْمًا بِنِصْفِ النَّهَارِ اِذَا اَنَا بِظِلِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلٍ . ))

''اچانک دیکھتی ہوں کہ دوپہر کے وقت نبی کریم ﷺ کا سایہ (مبارک) آ رہا ہے۔''

(مسند احمد: ۱۳۲/۶، ۳۳۸۔ طبقات الکبریٰ: ۱۲۷/۸۔ مجمع الزوائد: ۳۲۳/۴)

۳۔ یاد رہے کہ نوریوں کا بھی سایہ ہوتا ہے چنانچہ جب سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو ان کے اہل وعیال ان کے گرد جمع ہو کر رونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةَ تُظِلُّهُ بَاجْنِحَتِهَا حَتَّى رَفَعْتُمُوْهُ))

''کہ جب تک تم انہیں یہاں سے اٹھا نہیں لیتے اس وقت سے فرشتے اس پر اپنے پروں کا سایہ کیے رکھیں گے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رقم: ۱۲۳٤، صحیح مسلم، رقم: ۱٤۷۱۱، مسند احمد: ۲۹۸/۳)

لہٰذا یہ استدلال فاسد بھی ناکارہ گیا کہ آپ ﷺ اللہ کے نور سے تھے، اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

# سو کر اٹھنے کے بعد وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت

۷۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعَ يَدَهٗ فِي الْوَضُوْءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ، اِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ اَحَدُكُمْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ دھو لینے سے پہلے وضوء کے پانی میں داخل نہ کرے، کیونکہ اسے کیا معلوم کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری۔''

**شرح الحديث:** ...... جب کوئی شخص نیند سے بیدا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ تین مرتبہ دھوئے۔ اس کے بعد برتن میں وضوء کے لیے رکھے ہوئے پانی میں اپنا ہاتھ داخل کر دے، اس لیے کہ اسے کیا علم اس کا ہاتھ حالتِ نیند میں کہاں کہاں گردش کرتا ہے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَى يَغْسِلَهَا ثَـلَاثًا فَإِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ . ))

'' جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو، تو وہ تین مرتبہ ہاتھ دھونے سے قبل اسے برتن میں داخل نہ کرے، کیونکہ سے معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں گردش کرتا رہا ہے۔''

(صحیح الجامع الصغیر: ۳۲۲۔ ارواء الغلیل، رقم: ۲۱۔ صحیح ابو داود، رقم: ۹۶)

واضح رہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک نیند سے بیداری کے بعد اپنا ہاتھ دھونا اور پھر پانی کے برتن میں اسے داخل کرنا، مستحب عمل ہے۔ ان علماء میں امام مالک، شافعی، اور اہل کوفہ وغیرھم قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ

---

(۷۰) ...... صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الإستجمار وترا، رقم: ۱۶۲۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب کراهة غمس المتوضئ وغيره يده الخ، رقم: ۲۷۸/۸۸، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر، عن همام بن منبه، عن ابی هريرة......۔ مسند احمد: ۷۲/۱۶، رقم: ۱۸٦۷۔ مؤطا امام مالك، كتاب الطهارة، باب وضوء النائم إذا قام الى الصلوٰة، رقم: ۹۔ سنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الطهارة: ۲۳٤/۱۔ مسند ابو عوانة، باب ايجاب غسل اليدين ثلاثا على المستيقظ من نومه: ۱/ ۲٦٤.

رقمطراز ہیں: اس حدیث میں ہاتھ دھونے سے متعلق جو کچھ آیا ہے، وہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کو شک کے ساتھ معلق کیا ہے۔ اور جو امر شک سے متعلق ہو جائے وہ واجب نہیں ہو سکتا۔ اور (دوسری بات یہ ہے کہ) پانی کا اصل طہارت ہے اور اس طرح انسان کا بدن بھی۔ جب طہارت یقینی طور پر سے ثابت ہو جائے، تو امر مشکوک (خود بخود) زائل ہو جاتا ہے۔ (معالم السنن، الخطابی : ۱/ ۷)

جب کہ بعضوں کے نزدیک سنت جیسے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے۔ (عمدة القاری : ۲/ ۳۱٤)

اور بعضوں کے نزدیک واجب ہے۔ جیسے حسن بصری اور اہل ظواہر۔ (طرح التثریب : ۱/ ٤٤)

نیز جمہور کے نزدیک اسی حالت پر (اپنا ہاتھ دھوئے بغیر) پانی کے برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے وہ پانی پلید نہیں ہو جاتا، البتہ ایسا کرنا ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ (شرح السنه : ۱/ ۳۰۷.)

عبیدہ، ابن سیرین، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، سالم بن براء بن عازب سے یہ بات منقول ہے کہ اس حالت میں پانی پاک رہے گا، جب تک یقین ہو جائے کہ ہاتھ پر کوئی پلیدی لگی ہوئی ہے یعنی پھر پلید ہو گا۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ (عمدة القاری : ۲/ ۳۱٤)

جبکہ بعضوں کے نزدیک وہ پلید ہے۔ بعض لوگ اسے امر تعبدی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی یہ سب ہاتھ دھونے سے منع نہیں کرتا اگرچہ نجاست کا یقین نہ بھی ہو۔ جیسے دوران طواف شروع کے چار چکروں میں رمل (دوڑنا) کیا جاتا ہے جبکہ نبی ﷺ نے یہ مشرکین پر اپنی صحت اور قوت کے اظہار کے لیے کیا تھا اس کے بعد اس کی ضرورت نہ رہی کیونکہ سبب ختم ہو چکا تھا لیکن پھر بھی یہ رمل مستقل سنت کی اہمیت اختیار کر گیا۔

اس حدیث کے عموم سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور اہل علم نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد چاہے وہ نیند دن کی ہو یا رات کی ہاتھ دھونے کو مستحب ٹھہرایا ہے۔ نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں ہر اس آدمی کے لیے جو نیند سے بیدار ہوتا ہے چہ جائے کہ وہ دن کی نیند ہو یا رات کی نہ ہو۔ یہ اچھا سمجھتا ہوں کہ وہ برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھولے۔

(سنن الترمذی، ابواب الطهارة، باب ماجآء اذا استيقظ أحدكم: ۱/ ۳٦، ۳۷)

مزید برآں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ دھونے سے متعلق جو علت بیان فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ "إنـــه لا يـــدري" یعنی وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کہاں لگتا رہا۔ ممکن ہے اس کے ہاتھ پر کوئی پلیدگی لگ گئی ہو اور اس پلیدگی کا اس کے ہاتھ پر لگ جانا، یہ دن اور رات دونوں کی نیند میں احتمال ہے۔ لہٰذا رسول اللہ کا یہ علت بیان فرمانا رات کی اور دن کی دونوں نیندوں کو متضمن ہے۔ کیونکہ نیند اکثر رات کو ہی کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث میں ثابت شدہ نہی اکثر اہل علم کے نزدیک مکروہ تنزیہی کا درجہ رکھتی ہے۔ ان علماء میں امام مالکؒ، شافعیؒ وراہل کوفہ وغیرھم قابل ذکر ہیں۔ (طرح التثریب: ۱/ ٤٤)

**مستنبط فوائد:**

اس حدیث سے جو مسائل وفوائد مستنبط ہوتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضوء کرنا واجب ہے۔

(سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب الوضوء من النوم، رقم: ١٦١)

ابن عبدالبر فرماتے ہیں: اس حدیث میں نیند سے اٹھ کر وضو کے واجب ہونے کی دلیل موجود ہے اور اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ جو گہری نیند سے بیدار ہو وہ وضو کرے۔

(طرح التثریب: ١/ ٤٩، ٥١۔ الاستذکار: ١/ ٨٩، ١٩٣)

ایسا تب ہے جب انسان رات کی نیند سے بیدار ہو، پھر عموماً نماز فجر کا وقت ہوتا ہے۔ لہٰذا اس وقت پہلا کام وضو کرنا ہی ہوتا ہے۔

۲۔ عبادت کے مسائل میں احتیاط سے کام لینا مستحب ہے، جیسا کہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(عمدة القاری: ٢/ ٣١٥)

۳۔ جب پلیدی کا وہم ہو، تو پھر دھو لینا افضل ہے۔

۴۔ جن اُمور کا صراحۃً بیان کرنا حیاء کے منافی ہو، ان کا کنایۃً ذکر کر لینا چاہیے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اشارۃً ذکر فرمایا کہ ''اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری؟ اسے معلوم نہیں۔''

۵۔ تھوڑے پانی میں پلیدی اثر انداز ہوتی ہے چہ جائے کہ اس کے رنگ، ذائقہ اور بو میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو۔

(عمدة القاری: ٢/ ٣١٥)

۶۔ اس حدیث میں وارد لفظ ''احدکم'' اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ امر رسول اللہ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں تو سوتی تھیں، مگر ان کا دل جاگتا تھا۔

(عمدة القاری: ٢/ ٣١٦)

۷۔ مذکورہ حدیث میں صرف وضو کے برتن کا ذکر ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے اور دیگر مائع چیزوں والے برتن بھی اس کے حکم میں شامل ہیں کیونکہ ''پلیدی'' والی علت قاصرہ نہیں بلکہ متعدیہ ہے۔

(عمدة القاری: ١/ ٣١٥)

# انسان کے جوڑوں پر ہر روز صدقہ واجب ہے

۷۱...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( كُـلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ، قَالَ: تَعْدِلُ بَيْـنَ الْاِثْـنَيْنِ صَدَقَةٌ ، وَتُعِيْنُ الرَّجُلَ فِيْ دَابَّتِهِ وَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا ، اَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَـاعَـهُ صَـدَقَةٌ قَـال: وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيْهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ ، وَتُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ . ))

**تـرجـمة الـحديث**:...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کے درمیان عدل (انصاف) کرنا صدقہ ہے، کسی آدمی کا سواری پر سوار کرنے میں تعاون کرنا، اسے سواری پر سوار کرانا اور سواری پر اس کا سامان لادنا صدقہ ہے۔ اور اچھا بول کہنا صدقہ ہے، فرمایا: ہر وہ قدم جو نماز کے لیے اٹھتا ہے یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ نیز راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بھی صدقہ ہے۔''

**نوٹ**: واضح رہے کہ محترم ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیث کے الفاظ: ((كُـلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَـدَقَةٌ كُـلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ . )) کا ترجمہ یوں تحریر فرماتے ہیں۔ ''لوگوں کا چھوٹی سی ہڈی (کسی کو دینا) بھی اس وقت تک کے لیے نیکی ہے جب تک کہ آفتاب طلوع ہوتا رہے'' جو مذکورہ حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث کے مقصد و مفہوم کے سراسر مخالف ہے۔ ہم بطور مثال ایک حدیث پیش کر دیتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ اس حدیث کا ترجمہ وہ نہیں ہوسکتا جو ڈاکٹر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں ((فِـــــــي الْإِنْسَانِ ثَـلَاثُ مِأَئَةٍ وَّسِتُّوْنَ مِفْصَلًا ، فَعَلَيْهِ أَنْ يَّتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مِفْصَلٍ . ))

''ہر انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ اور اس پر لازم ہے کہ وہ ہر جوڑ کی جانب سے صدقہ کرے۔''

---

(۷۱)...... صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من أخذ بالركاب ونحوه، رقم: ۲۹۸۹، حدثنا اسحق: اخبرنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر، عن همام، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ......۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰة، باب بیان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، رقم: ۱۰۰۹/۵٦، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق بن همام: حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا، حدثنا ابوهريرة عن النبی ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد: ١٦/ ۷۲، رقم: ۸۱٦۸/ ۷۲.

صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( النَّخَاعَةُ فِيْ الْمَسَاجِدِ يَدْفِنهَا ، وَالشَّيءُ يُنْحِيْهِ عَنِ الطَّرِيْقِ ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَكعتيْ الضُّحٰى تُجْزِئُكَ . ))

''مسجد میں پڑی تھوک کو دفن کرنا، اور راستے پر پڑی چیز کو ہٹانا صدقہ ہے۔ اگر تم یہ نہ پاؤ تو چاشت کی دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی۔''

(سنن ابی داؤد، رقم: ٥٢٤٢۔ مسند احمد: ٣٥٤/٤، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔)

اس طرح ایک حدیث کے الفاظ ہیں: (( يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِن أَحدِكُم صَدَقَةٌ . ))

(صحیح مسلم، رقم: ٧٢٠)

''تم میں سے ہر شخص کے ہر جوڑ پر ہر آئے دن صدقہ کرنا واجب ہے۔''

ان احادیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب والا ترجمہ درست نہیں ہے۔

**شرح الحدیث:** ...... مذکورہ حدیث میں وارد شدہ لفظ ''سلامی'' کا معقول ترین اور بہترین معنی مفاصل یعنی انسانی جوڑ ہے، جیسا کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''سلامی'' مفاصل یعنی جوڑوں کو کہتے ہیں، اور وہ 'صحیح مسلم' کی روایت کے مطابق تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ (طرح التثریب: ٢٠٣/٢)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے ہر ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ واجب ہوتا ہے، اور انہی اعضاء کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس کے لیے عطاء ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے صحیح سالم اعضاء و جوارح بخشے ہیں۔ جن سے وہ اپنے منافع و مقاصد حاصل کرتا ہے۔ (فتح الباری: ١٣٢/٦)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہی (اعضاء و جوارح) ہیں لہٰذا انسان پر اپنے انعام کرنے والے کا حق یہ ہے کہ وہ دوسری نعمتوں کی بہ نسبت اس نعمت کا خاص شکر کرے۔

(ارشاد الساری: ٣٢٩/٤، ١١٣/٥)

اب رہی یہ بات کہ صدقہ سے کیا مراد ہے۔ تو صدقہ کا جامع مفہوم یہ ہے کہ ہر ایک نیکی صدقہ ہے۔ جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں باب باندھ کر اس کی صراحت کی ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب بیان أن اسم الصدقه يقع على كل نوع من المعروف)

## مستنبط فوائد و مسائل:

اس حدیث میں جن اعمال کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کو بالترتیب ذیل کی سطور میں درج کر رہے ہیں۔

۱۔ جو شخص لوگوں کے مابین صلح واصلاح کرتا ہے، اسے صدقے کا پورا پورا ثواب ملتا ہے، بلکہ یوں کہے کہ اس کا یہ بذات خود ایک صدقہ ہے۔اس پر مزید یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح "کتاب الصلح" میں اس پر مشتمل باب باندھا ہے "باب الاصلاح بین الناس"

چنانچہ اس سے متعلق مولانا داؤد راز رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یعنی جو صدقہ واجب تھا وہ لوگوں کے درمیان عدل کرنے سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہ بھی ہے کہ لوگوں کے درمیان انصاف کیا جائے، یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے جس کے نتائج بہت دوررس ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپس میں میل ملاپ کرا دینے کو نفل نماز اور نفلی روزہ سے بھی ہم عمل بتلایا گیا ہے۔

(دیکھئے! شرح صحیح بخاری: ٤/١٨٣، طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور)

۲۔ جو کسی شخص کو سواری پر سوار کرنے یا اس پر اس کا سامان لادنے میں معاونت کرے تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔معلوم ہوا کہ مسافر کوئی بھی ہو، چاہے جہاد کے لیے نکلا ہو، یا کسی اور کام کی غرض سے، بہرحال اس کی کسی بھی سلسلہ میں معاونت کرنا بہت بڑا کارِ خیر ہے۔

۳۔ اچھا بول کہنا بھی ایک صدقہ ہے۔ اس سے متعلق چند توجیہات کی گئی ہیں۔لیکن ہر تعبیر اپنے مقام پہ انتہائی خوبصورت اور اہم ہیں۔

- کسی آدمی کو خیر خواہی کی بات کہنا۔
- سائل کو اچھے انداز اور خوبصورت کلمات کے ساتھ جواب دینا جس میں کوئی فحش بات نہ ہو۔
- اچھے بول سے مراد اذکار ہیں۔ مثلاً تہلیل، تسبیح اور تحمید وغیرہ، جیسا کہ سیدہ عائشہ والی روایت واضح ہے۔ ((فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَاللّٰهَ وَ هَلَّلَ اللّٰهَ وَ سَبَّحَ اللّٰهِ)) (طرح التثریب ٣٠٣/٢)

۴۔ ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔" یعنی کہ ایسا کرنے سے انسان کے درجات میں بلندی اور گناہوں میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مساجد کی طرف رخ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ تاکہ گناہوں کی کثرت نیکیوں سے ڈھل جائے۔لیکن اس کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ آدمی کا محض مسجد کی طرف جانا اس کے گناہوں کی تلافی کا سبب ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی مسجد میں جا کر اللہ کی عبادت کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ تب اس کے گناہ معاف ہوں گے۔

۵۔ راستے سے تکلیف دہ چیز کا اٹھا لینا بھی صدقہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ راستے میں کوئی بھی نقصان دہ چیز پڑی ہو اسے اٹھا کر دور کر دینا چاہیے۔ تاکہ راہ گیر کو کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اور اس میں نہ تو کسی راستے کی تقیید ہے اور نہ کسی خاص چیز کی تعیین، بلکہ جو بھی راستہ ہو جائے شارع عام یا کوئی خاص اور اس

طرح کوئی بھی چیز مثلاً پتھر، کانٹے دار جھاڑی اور کیلے کا چھلکا وغیرہ حتیٰ کہ اگر راستے کے درمیان میں آدمی خرید وفروخت کررہے ہیں تو انہیں بھی روکنا اور وہاں سے ہٹانا صدقہ میں شامل ہوگا۔ اس حدیث میں جن اُمور کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے قطعاً یہ مقصود نہیں کہ صدقہ انہی امور پر منحصر ہے، بلکہ صدقہ کا اطلاق جملہ نیکی کے کاموں پر ہوتا ہے، جیسا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ)) ''ہر نیکی صدقہ ہے۔'' (صحيح مسلم، رقم: ١٠٠٦)

اور یہ بھی مستحضر رہے کہ نفلی صدقات وخیرات کو بجا لانے کے بعد فرائض میں غفلت وسستی نہ برتی جائے، کیونکہ مذکورہ افعال نفلی صدقات وخیرات اور فرائض کا بدل نہیں ہوسکتے؟ (طرح التثريب: ٢/٣٠٢)

# جانوروں کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا انجام بد

۷۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((إِذَا مَا رَبُّ النَّعَمِ لَمْ يُعْطِ حَقَّهَا ، تُسَلَّطُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، تَخْبِطُ وَجْهَهُ بِأَخْفَافِهَا . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مالک اپنے جانوروں کی زکوٰۃ نہیں نکالتا، روزِ قیامت وہی جانور اس پر مسلط کیے جائیں گے جو اس کے چہرے کو اپنے کھروں سے سخت روندیں گے۔''

**شرح الحديث:** ...... مذکورہ حدیث میں استعمال شدہ لفظ ''النَّعَمْ'' اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکریاں وغیرہ سب کو شامل ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَامِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ وَلَا بَقَرٍ وَلَا غَنَمٍ اِلَخْ))(صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، رقم: ۹۹۰)

صاحب مشارق الانوار کہتے ہیں: ''نعم'' اور ''انعام'' دونوں ایک ہی معنیٰ میں مستعمل ہیں۔ جن میں گائے، اونٹ، بکری وغیرہ سب شامل ہیں۔(مشارق الأنوار: ۲/۱۷)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ فقراء کا حق اور مال کی پاکیزگی کا سبب ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے مال کو پاک کرنے کا طالب ہو، اسے چاہیے کہ وہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال کر اس کے مستحقین تک پہنچا دے۔ اگر اس نے ادائیگی زکوٰۃ سے اعراض کیا یا کوئی حیلہ سازی کی تو وہ شخص ترکِ وجوب کا مرتکب ہوگا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مالک اپنے جانوروں کی زکوٰۃ نہیں نکالتا، روزِ قیامت وہی جانور اس پر مسلط کیے جائیں گے، جو اس کے چہرے کو اپنے کھروں (پاؤں) سے روندیں گے۔

لیکن یہ بات واضح ہو کہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فقط جانوروں سے متعلق نہیں، بلکہ اور بھی بہت ساری اقسام سے متعلق ہے یعنی اور بھی بہت ساری اشیاء سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ مثلاً فیکٹری اور سونا چاندی کے زیورات وغیرہ۔

---

(**۷۲**)...... صحيح بخاري، كتاب الحيل، باب في الزكوٰة، رقم: ۶۹۵۹، حدثني اسحاق : حدثنا عبدالرزاق : حدثنا معمر عن همام بن منبه عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ...... صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، باب تغليظ عقوبة من لايؤدى الزكوٰة، رقم: ۹۹۰۔ مسند احمد: ۱۶/ ۷۳، رقم: ۸۱۶۹/ ۷۳۔ شرح السنه، رقم: ۱۵۶۲.

آخر میں یہ بات عرض کرتے چلیں کہ لفظِ ''رب'' کا استعمال اگر اضافت کے ساتھ ہو تو مخلوق کے لیے بولا جا سکتا ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے واضح ہے۔ لیکن اگر بغیر اضافت کے لفظ ''رب'' کا استعمال اور اطلاق ہو تو اس سے مراد فقط اللہ رب العالمین کی ذات مقدس ہوتی ہے۔ اب میں ذیل میں وہ آیاتِ قرآنیہ درج ہیں، جن سے واضح ہو جائے گا کہ لفظ ''رب'' کا استعمال جب اضافت کے ساتھ ہو تو وہاں رب کے حقیقی معنیٰ کے بجائے مجازی معنی مراد ہوتے ہیں۔ (لیکن اس وقت جب مخلوق کی طرف نسبت ہو) اور جب بطورِ مفرد استعمال ہو تو وہاں صرف اللہ کی ذات مراد ہوتی ہے۔

۱۔ اضافت کے ساتھ لفظ رب کا استعمال: جناب یوسف علیہ السلام کا قاصد کو کہنا۔

﴿ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ (یوسف: ۵۰)

''اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ۔''

۲۔ لفظ رب کا مخلوق کے لیے استعمال:

﴿كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۴)

''جس طرح ان دونوں (والدین) نے میری بچپن میں پرورش کی۔''

۱۔ بطور مفرد لفظ رب کا استعمال:

﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ﴾ (یوسف: ۱۰۱)

''میرے رب نے مجھے بادشاہت عطاء کی۔''

۲۔ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ﴾ (ابراهیم: ۴۰)

''اے میرے رب! مجھے نماز کا پابند بنا دے۔''

# مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا انجام

۷۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( يَكُوْنُ كَنْزُ اَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ ، يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهٗ وَيَطْلُبُهٗ ، وَيَقُوْلُ: اَنَا كَنْزُكَ ، قَالَ: وَاللّٰهِ! لَنْ يَّزَالَ يَطْلُبُهٗ حَتّٰى يَبْسُطَ يَدَهٗ ، فَيُلْقِمَهَا فَاهُ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز تم میں سے ایک شخص کا خزانہ (جس سے وہ زکوٰۃ نہیں نکالتا تھا) گنجے سانپ کی شکل اختیار کرے گا، اور وہ صاحبِ خزانہ اس سے بھاگے گا، مگر وہ گنجا سانپ اس کے پیچھے رہے گا اور کہے گا: میں تیرا خزانہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واللہ، اللہ کی قسم! وہ سانپ مسلسل اس کا پیچھا کرتا رہے گا، حتیٰ کہ وہ شخص اپنا ہاتھ پھیلائے گا تو یہ سانپ اسے نگل جائے گا۔''

**شرح الحديث:** ...... یہ حدیث اور گذشتہ حدیث دونوں زکوٰۃ سے متعلق ہیں۔ اور اصلاً ان دونوں حدیثوں میں فریضۂ زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب اور اس سے اعراض کرنے کی ترہیب اور وعید بیان ہوئی ہے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ "کنز" کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

لغت عرب میں ''کنز'' اس مال کو کہتے ہیں جو جمع شدہ ہو، چہ جائے کہ اس مال کا اجتماع تحت الارض ہو یا فوق الارض (زمین کے نیچے یا اوپر)۔ اور ''صاحب العین'' وغیرہ نے (بھی) "کنز" کی یہی تعریف بیان کی ہے۔

(طرح التثريب : ٤/٧)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''کنز'' کی تعریف سے متعلق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ایک روایت نقل کی ہے۔ جس میں جناب عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

((كُلُّ مَا أُدِّيَ زَكٰوتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ ، وَإِنْ كَانَ مَدْفُوْنًا تَحْتَ الْأَرْضِ ، وَكُلُّ مَا لَا يُؤَدّٰى زَكٰوتُهُ فَهُوَ كَنْزٌ ، وَإِنْ كَانَ ظَاهِرًا . ))

(سنن الكبرىٰ، كتاب الزكوٰة، باب تفسير الكنز الذى و رد الوعيد فيه: ٤/٨٣)

(**٧٣**)...... صحيح بخارى، كتاب الحيل، باب باب فى الزكوٰة، رقم: ٦٩٥٧، حدثنى اسحاق، اخبرنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام، عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ١٦/٧٤، رقم: ٨١٧٠/٧٤۔ شرح السنه، باب وعيد مانع الزكوٰة: ٥/٤٨٠، رقم: ٤٨٠.

''ہر وہ مال جس سے زکوٰۃ ادا کی گئی ہو، وہ کنز نہیں ہے۔ چہ جائے کہ وہ مال تحت الارض مدفون ہو اور جس مال سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کی گئی ہو وہ کنز ہے، چہ جائے کہ وہ غیر مدفون ہو۔''

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ (التوبه : ٣٤)

''جو لوگ سونا چاندی اکٹھا کرتے ہیں۔الخ''

کے ذیل میں عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ جمہور سلف اور فقہاء اُمصار کی ایک جماعت سے ''کنز'' کا یہی معنیٰ اور تعریف منقول ہے۔یعنی جس مال میں زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو، وہ کنز ہے۔

ذیل میں دی گئی روایات سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ کنز سے مراد وہی مال ہے جس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:(( كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ: مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدِّى زَكٰوتَهُ فَزَكِّى فَلَيْسَ بِكَنْزٍ . )) (مستدرك حاكم، كتاب الزكوٰة : ١/ ٣٩٠۔ حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث علی شرط البخاری صحیح ہے۔اور ذہبی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے۔)

''میں سونے کے پازیب پہنتی تھی۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب یہ نصاب کو پہنچ جائیں اور تو اس کی زکوٰۃ ادا کر دے تو یہ کنز نہیں ہوگا۔''

((إِذَا أَدَّيْتَ زَكٰوةَ مَالِكَ فَقَدْ أَذْهَبْتَ عَنْكَ شَرَّهُ)) (مستدرك حاكم: ١/ ٣٩٠، كتاب الزكوٰة۔ حاکم نے اسے ''علی شرط مسلم'' صحیح کہا ہے۔)

''یعنی جب صاحبِ مال نے زکوٰۃ ادا کر دی تو گویا اس مالک نے اپنے آپ کو اس کے شر سے محفوظ کر لیا۔''

مولانا داؤد راز رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''آیت میں ''کنز'' کا لفظ ہے، کنز اسی مال کو کہیں گے جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ اکثر صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے کہ آیت اہل کتاب اور مشرکین اور مومنین سب کو شامل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔'' (شرح صحیح بخاری: ٢/ ٤٤٤)

مذکورہ دلائل سے پوری طرح واضح ہے کہ ''کنز'' کا اطلاق صرف اس مال پر ہوتا ہے جس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کی گئی ہو۔ چہ جائے کہ وہ مال مدفون شکل میں ہو یا غیر مدفون۔ نیز ان دلائل سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مال کا جمع کرنا شرعاً کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ اس مال سے زکوٰۃ کی ادائیگی ادا کی گئی ہو۔

بہر حال اس آیت مبارکہ کا نزول ان مالداروں اور سرمایہ داروں سے متعلق ہوا ہے جو صاحب نصاب اور مال دار ہونے کے باوجود فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی سے اعراض کرتے اور اپنی دولت سے زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے۔ تو اللہ

تعالیٰ نے ان کی اس نازیبا اور گھٹیا حرکت پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ انہیں عذابِ شدید کی وعید سنا دی، چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (التوبة: ٣٤)

''جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔''

خبردار! آج بھی اس آیت مبارکہ کا حکم وہی ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھا کہ جو مالدار، سرمایہ دار اور جاگیردار اپنی دولت کی مستی میں گھومتے پھرتے ہیں، فقراء و مساکین کے حقوق ادا کرنے کے بجائے ان کے حقوق پامال کرتے ہیں اور مزید روپے، پیسے جمع کرنے میں شب و روز ایک کیے ہوئے ہیں، ایسے ناداں لوگوں کو اللہ کا فرمان یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے روز جب میدانِ محشر قائم ہوگا تو یہ کمائی پونجی، دولت اور روپے، پیسے کو ایک زہریلے گنجے سانپ کی شکل میں ان کے گلوں کا ہار بنایا جائے گا۔ اسی قسم کا مضمون دیگر مقام پر بیان ہوا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾ (آل عمران: ١٨٠)

''جن لوگوں کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے، مگر وہ اللہ کے لیے مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ایسا کرنا ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔ جس مال میں بخل کر رہے ہیں اس کا قیامت کے دن انہیں طوق پہنایا جائے گا۔''

مولانا داؤد راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو، قیامت کے دن گناہ مثالی جسم اختیار کر لیں گے، وہ جسمانی شکلوں میں سامنے آئیں گے۔ اسی طرح نیکیاں بھی مثالی شکلیں اختیار کر کے سامنے لائی جائیں گی۔ ہر دو قسم کی تفصیلات بہت سی احادیث میں موجود ہے۔'' (شرح صحيح بخاری: ٢/ ٤٤٥)

# ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کی ممانعت

۷۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( لَا يُبَالُ فِيْ الْمَآءِ الدَّائِمِ الَّذِيْ لَا يَجْرِيْ ، ثُمَّ يُغْتَسَلُ بِهٖ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھڑے پانی میں پیشاب نہ کیا جائے کہ پھر اس سے غسل کیا جائے گا۔''

**شرح الحديث:** ......اولاً یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق جو حدیث بیان ہوئی ہے اس میں لفظی اختلاف ہے۔ یعنی بعض میں ''ثُمَّ يُغْتَسَلُ بِهٖ'' کے الفاظ ہیں، تو بعض میں ''ثُمَّ يُتَوَضَّأُ'' کے الفاظ ''وضوء'' اور ''غسل'' کے معنٰی میں فرق ضرور ہے لیکن اصلاً ان دونوں حدیثوں کا مقصود ایک ہی ہے۔ یعنی طہارت اور پاکی حاصل کرنا۔

یہ بات ضرور ہے کہ سب روایات درست ہیں۔ اس لیے کہ البتہ موقع ومناسبت کے مطابق جو سوال کیا گیا ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کا جواب اس کے مطابق ہی دیا ہو گا۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ادب و نظافت اور انسانی فطرت کے پیشِ نظر جامد اور غیر جاری پانی میں ''پیشاب'' کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ جب ایسے پانی میں پیشاب گرے گا تو ادب و نظافت اور انسانی فطرت کے عین مخالف ہے کہ کوئی شخص اس میں غسل کرنے پر رضا مند ہو۔ لیکن اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جاری اور بہتے پانی میں پیشاب اور پاخانہ کرنا جائز ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( لَا يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَآءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ . ))

(صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب النهى الإغتسال فى الماء والراكد، رقم: ٢٨١/٩٤)

---

(۷۴) ...... صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب البول فى المآء الدائم، رقم: ٢٣٩۔ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب النهى عن البول فى المآء الراكد، رقم: ٢٨٦/٩٦، حدثنا محمد بن رافع : حدثنا عبدالرزاق : حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......۔ سنن الكبرىٰ، كتاب الطهارة، باب المآء الدائم تقع فيه نجاسة: ٣٣٤/١۔ مصنف عبدالرزاق، باب البول فى المآء الدائم: ٨٩/١، رقم: ٢٩٩۔ شرح السنه، باب النهى عن البول فى المآء الدائم: ٢/ ٦٦۔ سنن الترمذى، أبواب الطهارة، با ب ما جآء فى كراهية البول فى الماء الراكد، رقم: ٦٨۔ مسند احمد: ٧٤/١٦، رقم: ٧٦/٨١٧١.

یعنی رکے اور ٹھہرے ہوئے پانی میں جنبی آدمی غسل نہیں کر سکتا، کیونکہ جب جنبی آدمی اس پانی میں داخل ہوگا۔ تو اس سے وہ پانی پلید ہو جائے گا اور یہی معاملہ پیشاب کرنے کا ہے۔ بشرطیکہ وہ جامد اور غیر جاری پانی کم مقدار میں ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں جنبی شخص کو چاہیے کہ وہ ایک الگ جگہ پر بیٹھ کر کسی برتن کی مدد سے غسل جنابت کرے، تاکہ وہ استعمال شدہ پانی اس جامد پانی میں نہ گرنے پائے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: جنبی آدمی پھر کیسے غسل کرے، اس پر انہوں نے فرمایا: وہ کسی چیز میں پانی لے اور (باہر بیٹھ کر) استعمال کرے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطهارة، رقم: ۹۷/ ۸۲)

مولانا محمد صادق خلیل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انسان کو بوقت ضرورت اسی پانی سے وضو کرنے کی ضرورت پیش آ جائے۔ کوئی ذی شعور انسان ایسے پانی سے غسل نہیں کرے گا جس میں اس نے پیشاب کیا ہو۔ بلکہ اگر کسی تالاب وحوض وغیرہ کے کھڑے پانی سے غسل کرنا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ پانی کے تالاب یا حوض میں داخل نہ ہو۔ بلکہ وہاں سے پانی لے کر دوسری جگہ غسل کرے۔ واللہ اعلم

(شرح مشکوٰۃ: ۱/ ۲۲۳، طبع مکتبہ محمّدیہ لاھور)

# حقیقی مسکین کون ہے؟

۷۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

(( لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ هٰذَا الطَّوَّافُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ ، تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَان ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَان ، اِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ ، وَيَسْتَحْيِ اَنْ يَّسْئَلَ النَّاسَ ، وَلَا يُفْطَنُ لَهٗ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ . ))

**ترجمة الحديث**:...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دردر گھومنے والا، جو لوگوں کے پاس چکر لگاتا اور جو لقمہ دو لقمے اور کھجور دو کھجور لے کر واپس چلا جاتا ہے وہ مسکین نہیں ہے۔ بلکہ اصل مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے اور لوگوں سے سوال کرنے پر حیا محسوس کرتا ہے۔ نیز (اس کی ظاہری کیفیت سے مسکینی) محسوس نہیں ہوتی، کہ اس پر صدقہ کیا جا سکے۔''

**شرح الحديث**:...... اس فرمان نبوی ﷺ میں تین امور بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ مسکین کی تعریف؟

۲۔ صدقات وخیرات کے زیادہ مستحق کون لوگ ہیں؟

۳۔ پیشہ ور گداگری کی مذمت۔

## مسکین کی تعریف:

مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مال اسکی ذاتی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ اور حیا کے سبب لوگوں سے سوال نہ کرے، اور اپنے آپ کو ایسا باور نہ کرائے کہ لوگ اسے کچھ مال عنایت کریں۔

چنانچہ علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس وقت کے لوگوں کے ہاں مسکین ''طوّاف السائل'' یعنی گھوم پھر کر مانگنے والے کے نام سے متعارف تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں مطلع فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو تم کہتے ہو، بلکہ مسکین تو وہ ہے جو لوگوں سے سوال کرے اور نہ اپنے آپ کو ایسا

(۷۵)...... صحیح بخاری، کتاب الزکوٰة، باب قول الله تعالیٰ لَايَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (بقرة: ۲۷۳) رقم: ۱۴۷۹ و کتاب التفسیر، رقم: ۴۵۳۹۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰة، باب المسکین الذی لا یجدغنی، ولا یفطن له فیصدق علیه، رقم: ۱۰۳۹/۱۰۲۔ شرح السنه، باب من لا تحل له الصدقة من الأغنیآء و الأقویاء: ۸۷/۶، رقم: ۱۶۰۳۔ مسند احمد: ۷۵/۱۶، رقم: ۸۱۷۲، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هریرة عن رسول الله ﷺ قال: ......۔

باور کرائے کہ لوگ اسے (کچھ) مال عنایت کریں۔''

نیز فرماتے ہیں: ''سائل سوال کرنے کے سبب اپنی کفایت کے لیے مال جمع کر لیتا ہے اور اس سے مسکینی ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو شخص سوال کرتا ہے نہ اپنے آپ کو ایسا باور کراتا ہے کہ لوگ اسے کچھ دیں، تو ایسے شخص سے محتاجی زائل نہیں ہوتی۔'' (شرح السنه : ٨٧/٦)

لیکن بعض اہل علم جن میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے: مسکین کی تعریف میں (مذکورہ شخص کے ساتھ ساتھ) وہ شخص بھی داخل ہے جو گھوم پھر کر مانگتا ہو۔ انہوں نے ام نُجید کی مرفوع روایت سے استدلال کیا ہے: ((رُدُّوْا الْمِسْكِيْنَ وَ لَوْ بِظِلْفٍ مُحَرَّقٍ))

''مانگنے والے کو دو خواہ سڑا ہوا کُھر ہی کیوں نہ ہو۔''

نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بھی استدلال کیا ہے: "إِنَّ الْمِسْكِيْنَ لَيَقِفُ عَلٰى بَابِي"

''ایک منگتا میرے دروازے پر ٹھہرتا ہے۔''

(طرح التثريب : ٣٢/٤۔ سنن ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجآء فی حق السائل: ٤٣/٣، ٤٤)

## صدقات وخیرات کے زیادہ مستحق کون لوگ ہیں؟

ظاہر ہے کہ صدقات وغیرہ کے زیادہ مستحق وہی لوگ ہیں جو اپنی ضرورت پوری نہیں کر پاتے۔ یہ ضرورت کتنے روپے، پیسوں سے پوری ہوتی ہے اور اس کی حد کیا ہے؟ چنانچہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے: ((قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا يُغْنِيْهِ؟ قَالَ: خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا ، أَوْقِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ)) ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کتنا مال اسے کفایت کرے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچاس درہم یا سونے سے اتنی قیمت۔'' یعنی سونا اتنی مقدار میں ہو کہ پچاس درہم اس کی قیمت بن سکے۔'' (سنن الترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجآء من تحل الزکوٰۃ، رقم: ٦٥٠۔ صحیح ابوداود، رقم: ١٤٣٨۔ المشکاۃ، رقم: ١٨٤٧)

امام ترمذی فرماتے ہیں: ابن مسعود کی یہ حدیث حسن ہے، اور ہمارے بعض اصحاب اسی پر عامل ہیں۔

علاوہ ازیں امام احمد، ثوری، عبداللہ بن المبارک اور اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کے پاس پچاس درہم ہوں، اس کے لیے زکوٰۃ لینا حلال نہیں ہے۔ نیز امام ترمذی فرماتے ہیں: بعض اہل علم نے اس مسئلہ میں وسعت سے کام لیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: جب کوئی شخص، پچاس یا پچاس سے زائد درھموں کا مالک بننے کے باوجود محتاج و ضرورت مند ہو، تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ (سنن الترمذی: ٣٢/٢)

ایک شخص ہزار درہم کماتا ہے، لیکن پھر بھی وہ اسے کفایت نہیں کرتے کیونکہ اخراجات زیادہ ہیں، اس کفایت نہ

کرنے کا سبب اس کی بیماری ہوتی ہے یا پھر کثرتِ عیال۔ (فتح الباری: ۳/۳٤۲)

بہر حال صدقات وخیرات کے زیادہ مستحق مسکین اور فقراء لوگ ہی ہیں۔

## پیشہ ور گداگری کی مذمت:

اس حدیث میں اشارۃً اور بعض دوسری احادیث صحیحہ میں صراحتاً پیشہ ور گداگری کی سخت مذمت بیان ہوئی ہے، جیسے دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ بسوں، گاڑیوں اور چوراہوں میں، حتیٰ کہ مساجد تک میں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور اپنے جسمانی اعضاء مصنوعی رنگ میں رنگ کر دھوکا دے کر پیسے بٹورتے رہتے ہیں۔ اور ایسے گھٹیا اور غلیظ کام کو اپنا وسیلۂ معاش بنائے ہوئے ہیں حقیقی مستحقین کا بھی حق مارتے ہیں۔ چنانچہ اس فعل کی مذمت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی ہمیشہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ قیامت کے روز اس طرح اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر ذرا بھی گوشت نہ ہوگا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، رقم: ۱٤۷٤)

لیکن یہ بات یاد رہے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو اس گندی عادت میں ڈالے گا، اس کے ساتھ یہی حشر ہوگا۔ البتہ کسی مجبوری، پریشانی میں کسی سے مدد لینا چاہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ہم آخر میں افادۂ عام کے لیے ایک فائدہ ذیل میں نقل کر رہے ہیں، جسے علامہ عینی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے: سوال کی تین قسمیں ہیں:

۱۔حرام ۲۔مکروہ ۳۔مباح

۱۔ **حرام**:...... حرام اس شخص کے لیے جو صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ طلب کرے، یا اپنے آپ کو محتاج وضرورت مند ظاہر کرے۔

۲۔ **مکروہ**:...... مکروہ اس شخص کے لیے جس کے پاس وہ چیز موجود ہو جسے وہ دوسرے سے طلب کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں ایسا شخص اپنے آپ کو فقیر ومحتاج بھی ظاہر نہ کرتا ہو، لیکن پھر بھی سوال کرے۔

۳۔ **مباح**:...... مباح اس شخص کے لیے جو کسی ضرورتِ خاص کے وقت اپنے قریبی دوست یا رشتہ دار سے سوال کرے۔ (عمدة القاری، کتاب الزکوٰة، باب من سأل الناس تکثراً، رقم الحدیث: ۱٤۷٤)

## مستنبط مسائل وفوائد:

اس حدیث سے درج ذیل فوائد سمجھ میں آتے ہیں۔

۱۔ اچھی مسکنت وہ ہے کہ ہاتھ پھیلانے سے اعراض اور حاجت وضرورت پر صبر کیا جائے۔

۲۔ ہر حالت میں حیاء کو اپنا زیور بنایا جائے۔ (فتح الباری: ۳/ ۳٤۳)

# عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے

٧٦...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

(( لَا تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَلَا تَأْذَنُ فِيْ بَيْتِهٖ وَهُوَ شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَمَا اَنْفَقَتْ مِنْ كَسَبِهٖ مِنْ غَيْرِ اَمْرِهٖ، فَاِنَّ نِصْفَ اَجْرِهٖ لَهٗ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نہ تو (نفلی) روزہ رکھے، اور نہ اس کی اجازت کے بغیر گھر میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت دے۔ (ہاں) جو وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اس کی کمائی سے کچھ خرچ کرے گی تو اس خرچ کا نصف اجر خاوند کو ملے گا۔''

**شرح الحديث:**......اس فرمان نبوی سے اصلاً عورتیں مخاطب ہیں، اور انہی سے متعلق تین امور بیان کیے گیے ہیں۔

۱۔ کوئی (بیوی) اپنے (شوہر) کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفلی اور نذر کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں ''غیر رمضان'' کے الفاظ سے بھی واضح ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب المرأة تصوم بغير إذن زوجها، رقم: ٢٤٥٨۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

اس لیے کہ نفلی اور نذر کے روزے میں سال بھر اختیار ہوتا ہے۔ یعنی جس روز چاہیے روزہ رکھ لے، لہٰذا بیوی کے لیے مناسب وموزوں یہی ہے کہ وہ روزہ رکھنے سے قبل اپنے شوہر سے مشاورت کر لے، ممکن ہے اسی روز وہ اس سے ہم بستر (ہم آغوش) ہونا چاہتا ہو۔ کیونکہ خاوند جب استمتاع (ہم بستری) وغیرہ کا اظہار کردے تو بیوی پر

---

(٧٦)...... صحيح بخاری، كتاب البيوع، باب قول الله تعالىٰ اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (البقرة: ٢٦٧) رقم: ٢٠٦٦، حدثنا يحيى بن جعفر، حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام قال: سمعت اباهريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ...... وكتاب النكاح، باب صوم المرأة بإذن زوجها تطوعاً، رقم: ٥١٩٢، ٥١٩٥۔ صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، باب أنفق العبد من مال مولاه، رقم: ١٠٢٦/٨٤، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن محمد رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......۔ سنن ابو داؤد، كتاب الزكوٰة، باب المرأة تتصدق من بيت زوجها، رقم: ١٦٨٧۔ مسند احمد ١٦/ ٧٦۔٧٧، رقم: ٨١٧٣/ ٧٧، ٧٨، ٧٩۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الصيام، باب صيام المرأة بغير إذن زوجها، رقم: ٧٨٨٦۔ شرح السنه، كتاب الزكوٰة، باب المرأة تتصدق من مال الزوج الخازن، والعبد من مال مولاه: ٦/٢٠٢.

خاوند کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ بات واضح ہو کہ شوہر کا موجود ہونا، اس سے محض اس کا گھر میں موجود ہونا مراد نہیں، بلکہ مذکورہ عبارت کا جامع مفہوم یہ ہے کہ وہ گھر سے اتنی مسافت پر ہو کہ بیوی کو اس کی واپسی کا پورا یقین ہو۔

اب رہی یہ بات کہ مذکورہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی، تو اس سے متعلق اہل علم کی یہی تحقیق ہے کہ وہ نہی تحریمی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم نے یہی استنباط کیا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے، اور اس بات کی تائید صحیح بخاری کی وہ روایت کرتی ہے جس میں ''لَا یَحِلُّ لَہٗ'' کے الفاظ ہیں، اور ان الفاظ سے واضح ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے۔ شوافع سے بھی یہی تصریح منقول ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: خاوند کو اپنی بیوی سے تمام ایام میں استمتاع کا حق حاصل ہے اور یہ حق کسی نفل یا واجب حق جس میں تاخیر جائز ہے، سے ختم نہیں ہو سکتا۔

(شرح مسلم للنووی، ص: ۷۹۰، طبع اولیٰ دار ابن حزم)

علاوہ ازیں بیوی کا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھنا، اس کا سبب کیا ہے؟ سیدنا ابوسعید خدری سے مروی ہے۔ (یہ حدیث خاصی طویل ہے۔ لیکن ہم اس کا صرف وہی حصہ بیان کریں گے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے) ''ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: میں جب روزہ رکھتی ہوں، تو میرے خاوند صفوان بن معطل میرا روزہ افطار کرا دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دریافت کرنے پر صفوان نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ برابر روزے رکھے چلی جاتی ہے جب کہ میں ایک جوان آدمی ہوں، مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت نفلی روزہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نہ رکھے۔'' الخ (سنن ابی داود، کتاب الصوم، باب المرأة تصوم بغیرإذن زوجھا، رقم: ۲۴۵۹۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

۲۔ کوئی بیوی اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر کسی غیر شخص کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ لیکن ((وَھُوَ شَاھِدٌ)) کی قید سے یہ بات قطعاً نہیں سمجھ لینی چاہیے کہ خاوند کی عدم موجودگی میں عورت گھر میں کسی غیر شخص کو داخل کر سکتی ہے؟ اگر نگاہِ تدبر سے سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب خاوند کہ موجودگی میں عورت کو منع کیا جا رہا ہے کہ وہ اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر کسی غیر شخص کو گھر میں داخل کرے، بلکہ اس سے تو بطریقِ اولی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ثابت ہے کہ جس عورت کا خاوند گھر پہ نہ ہو وہ کسی غیر کو گھر میں داخل نہ ہونے دے۔

۳۔ جو بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کی کمائی سے کچھ خرچ کر لے تو دونوں کے لیے آدھا آدھا اجر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی کمائی سے اتنی مقدار میں صدقہ وخیرات کرے جس پر اسے یقین ہو کہ اگر خاوند نے دیکھ بھی لیا تو ناراضگی کا اظہار نہیں کرے گا۔ نیز وہ عورت اپنے خاوند کی طبیعت

کو سمجھتی ہے کہ ایسی خیرات کی اجازت دے گا، چہ جائے کہ اس نے صریح اجازت نہ دی ہو، جیسے فقیر کو کھانا دے دینا وغیرہ، تو ان دونوں یعنی میاں بیوی کو ایسا صدقہ کرنے کا نصف نصف اجر ملے گا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی شرح میں یہ بھی کہا گیا ہے: اہل حجاز کے ہاں معمول تھا کہ انہوں نے اپنی بیویوں اور خدماء کو اجازت دے رکھی تھی کہ جب کوئی مہمان آجائے تو اس کی مہمان نوازی کیا کرو اور جب کوئی مانگنے والا اور مسکین آجائے تو انہیں کھانا کھلایا کرو، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ایسی اچھی عادت وخصلت کی ترغیب دینے کے لیے یہ حکم فرمایا۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ عورت کا خرچ کرنا فضول خرچی اور بددیانتی کے طور پر نہ ہو۔ (عون المعبود شرح ابوداود: ٥/ ٦٢، طبعه ثانيه، دارإحياء التراث العربيه)

اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف بھی اس کے قریب قریب ہے۔

(شرح مسلم للنووی، ص: ٧٨٩، طبع اولیٰ دار ابن حزم)

# موت کی تمنا مت کرو

۷۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ ، وَلَا يَدْعُوْ بِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّأْتِيَهٗ ، اِنَّهٗ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ ، اَوْ قَالَ: اَجَلُهٗ ، اِنَّهٗ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمْرُهٗ اِلَّا خَيْرًا . ))

**ترجمة الحديث**: ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مرنے کی تمنا نہ کرے اور موت کے آنے سے قبل اس کی دعا بھی نہ کرے، اس لیے کہ تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اس کا (وسیلہ) عمل ختم ہو جاتا ہے۔ یقیناً مؤمن کی عمر اس کی خیر ہی میں اضافہ کرتی ہے۔''

**شرح الحديث**: ......اس فرمان میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام اہل ایمان کو اس بات سے منع فرمایا کہ کسی مؤمن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دنیا کے مصائب وآلام اور مشقت و دشواریوں کے پیشِ نظر مر جانے کی تمنا و خواہش اور موت کے وقت مقررہ سے قبل آنے کی دعا کرے۔ جیسا کہ سنن نسائی اور صحیح ابن حبان کی روایت سے واضح ہے۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب تمنی الموت، رقم: ۱۸۲۳۔ نیز صحیح مسلم وغیرہ کی روایات سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے ) کیوں کہ جب کوئی شخص دنیا سے انتقال کر جاتا ہے، تو اس کے اعمال خود بخود منقطع ہو جاتے ہیں۔ لیکن مؤمن کی عظمت وشان تو یہ ہے کہ وہ اپنی حیاتِ جاویدانی کی جتنی زیادہ بہاریں گزارے، وہ اس کے لیے سراپا خیر ہیں۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: بیماری، مفلسی، دشمن کا خوف یا اسی طرح کی دیگر دنیاوی مصیبتوں سے موت کی آرزو کرنا صریحاً مکروہ ہے۔ ہاں اگر اپنے دین میں ضرر یا کسی فتنہ کے خوف کے باعث موت کی آرزو کرتا ہے تو ایسی صورت میں کوئی کراہت نہیں، کیونکہ اس فرمانِ نبوی میں مصائب دنیا کے باعث موت کی آرزو کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ( ظاہر ہے ) اس کا مفہوم مخالف یہی ہے کہ اپنے دین میں ضرر یا کسی فتنہ کے خوف کے باعث موت کی

(۷۷)...... صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت، رقم: ۵۶۷۱۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعآء و التوبة والإستغفار، باب تمنی الموت لضر نزل به، رقم: ۲۶۸۲/۱۳، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ: ......۔ شرح السنه، باب كراهة تمنی الموت: ۵/ ۲۵۹/۲۵۹، رقم: ۱۴۴۶۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع من المصنف، باب تمنی الموت: ۳۱۴/۱۱۔ مسند احمد: ۱۶/ ۷، رقم: ۸۱۷۴/ ۸۰.

آرزو کی جاسکتی ہے، جیسا کہ اکابرین اسلاف نے ایسا کیا ہے۔

نیز علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ صبر کی تلقین کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اگر کسی شخص کو مرض، مصیبت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ صبر کرے، صبر نہ کر پائے تو پھر یہ دعا مانگے ((اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِىَّ وَ تَوَفَّنِى إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِىّ))

''اے الٰہی! جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہو، تب تک مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے مرجانا بہتر ہو، تب مجھے دنیا سے اٹھا لینا۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۸۹۵، طبعه اولیٰ دار ابن حزم)

اور بقول ابن العراقی ابن عبدالبر نے مذکورہ نہی کو تحریمی قرار دیا ہے، اور ان کا کہنا ہے: موت کا آرزومند شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو محبوب نہیں رکھتا، بلکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ جو نہی کو جاننے کے باوجود موت کی آرزو کرے۔ (طرح التثریب: ۲۵۳/۳)

لہٰذا ان تمام دلائل سے واضح ہو گیا کہ ایسے سنگین حالات جن میں اپنا دین محفوظ رکھنا مشکل ہو تو موت کی آرزو کر لینے میں کوئی قباحت نہیں، جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب، ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور سلف صالحین کے واقعات سے واضح ہے۔ بہر حال مؤمن کو چاہیے کہ جب تک دنیا میں رہے اپنی بہتری وفلاح کی دعا مانگتا رہے اور ساتھ میں بہترین وفات کی بھی دعا مانگے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ صاحبِ ایمان کی زیادہ عمر اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

# انگور، کو ''کرم'' نہ کہو، مسلمان ''کرم'' ہے

۷۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ لِلْعِنَبِ اَلْكَرْمَ ، اِنَّمَا الْكَرْمُ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی انگور کو ''کرم'' (عزت و سخاوت) نہ کہے، کیونکہ کرم (تو) صرف مسلمان مرد ہے۔''

**شرح الحديث:**......

**انگور کو ''کرم'' کہنے کی ممانعت:**

اس فرمانِ نبوی ﷺ میں انگور کو ''کرم'' سے موسوم کرنے کو منع فرمایا گیا ہے۔ اس کی علت کیا ہے؟ اس کے متعلق اہل علم نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: رسول اللہ ﷺ نے انگور کو ''کـــرم'' کہنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ اہل علم اس کراہت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اہل عرب کے ہاں لفظ ''کرم'' کا اطلاق انگور، اس کی بیل اور اس سے بنائی جانے والی شراب پر ہوتا تھا۔ اس لیے وہ شراب کو بھی (مجازاً) ''کرم'' کہتے تھے۔ نیز عرب جب لفظِ ''کرم'' سنتے تو انہیں شراب یاد آ جاتی، جس سے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان سا پیدا ہو جاتا تھا اور ایسی حالت میں یا تو وہ شراب پی بیٹھتے یا پھر پینے کے قریب ہو جاتے تھے:۔ اس کے علاوہ ''کـرم'' کا اطلاق سخاوت و شرافت کے معنی پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ صاحبِ تقویٰ ہو۔'' (شرح مسلم للنووی، ص:۱٦٧١)

علامہ قرطبی، ماذری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے انگور کو کـــــرم سے موسوم

(۷۸)...... صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ انما الکرم قلب المؤمن، رقم: ٦١٨٣ ـ صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الأدب وغیرھا، باب کراھة تسمیة العنب کرما، رقم: ٢٢٤٧، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن ھمام بن منبه قال ھذا ما حدثنا، ابوھریرة عن رسول اللهﷺ فذکر احادیث منھا وقال رسول اللهﷺ......ـ مسند احمد: ٨٧/١٦، رقم: ٨١٧٥/٨١ـ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب مثل المؤمن الذی لایقرأ القرآن: ٤٣٦/١١.

کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ انگور سے بنائی جانے والی شراب تمام مسلمانوں پر حرام ٹھہرادی گئی تھی اور ممکن تھا کہ انگور کو ''کـرم'' کہنے سے پھر ان کے قلوب میں شراب کی یاد آ جاتی جس سے ان کا طبعی ہیجان اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔(طرح التثریب : ۸/۱۵۹، ۱۶۰)

لہٰذا ان وجوہات پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رفقاء اور اصحاب سمیت پوری امت کو حکم فرما دیا کہ کوئی شخص انگور کو ''کرم'' نہ کہے، تا کہ شراب کی پوری طرح تحقیر اور مذمت ہو۔

## مسلمان کی شرافت وعظمت:

رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر کہ مسلمان ''کرم'' ہے، ایک مسلمان آدمی کی کرم وشرافت اور عظمت و شان کو واضح فرما دیا۔اور اس طرح ایک روایت میں "الـرَّجُـلُ الْمُسْلِمُ" کی بجائے "قَـلْـبُ الْمُؤْمِنِ" کے الفاظ مروی ہیں۔

چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: اہل علم حضرات کا کہنا ہے کہ اس معزز (کـرم) نام کا مستحق صرف مسلمان آدمی یا مؤمن کا دل ہے۔اس لیے کہ ایمان، پرہیز گاری، ہدایت اور نور یہ سب چیزیں مؤمن کے دل میں ہوتی ہیں، تو لہٰذا "کرم" کا مستحق بھی دل کو اور مسلمان آدمی کو ٹھہرانا چاہیے۔

علاوہ ازیں علامہ ابن ابی جمرۃ مؤمن کے دل کو زمین سے ایک حسین تشبیہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: قلبِ مؤمن کو کرم کہنے کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح زمین میں سب سے عمدہ اور بہترین حصہ وہ ہوتا ہے جس میں زیادہ پیداوار ہو، اور مؤمن کی حالت تو یہ ہے کہ وہ کرۂ ارض ( کی تمام مخلوقات ) میں خیر البریہ ہے۔پھر مؤمن کے وجود میں جو سب سے عمدہ اور بہترین چیز ہے، وہ اس کا دل ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( إِنَّ فِـی الْـجَسَـدِ مُـضْـغَـةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ . ))

''یقیناً انسان کے جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے جب وہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح رہتا ہے۔اور جب وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔خبر دار وہ دل ہے۔''

نیز اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کیوں نہ دل کو ''کرم'' سے تعبیر کیا جائے۔اس لیے کہ دل وہ زمین ہے جہاں سے ایمان اور تقویٰ کی کھیتی اگتی ہے۔اور یہ وہی کھیتی ہے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ (ابراهيم : ٢٤)

’’کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال دی ہے، وہ اس عمدہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہو اور جس کی شاخ آسمان میں ہو، جو اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے۔‘‘

(بهجة النفوس : ٤/١٨٠۔ شرح السنه، باب مايكره من الفاظ العادة وحفظ المنطق، رقم: ٣٣٨٥)

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی بری چیز کا ایک ہی اچھا نام ہو تو اسے بدل دینا چاہیے۔ تاکہ اس کی حرمت حلت سے واضح ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے برے اور غیر مہذب ناموں کو اچھے ناموں میں تبدیل کر دیا۔ مثلاً ’’حزن‘‘ (سختی، کج خلقی) ’’احرم‘‘ (کانوں کے کنارے کٹا) ’’حرب‘‘ (جنگ) وغیرہ۔ تو مزید برآں یہ بات بھی یاد رہے کہ اگر کسی اچھی چیز کا نام برا ہو تو اسے بدل کر اس جگہ اچھا نام رکھ جائے گا۔

# ایک دفینے کا عمدہ فیصلہ

۷۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اِشْتَرٰى رَجُلٌ مِّنْ رَّجُلٍ عَقَارًا ، فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِى اشْتَرٰى الْعَقَارَ فِىْ عَقَارِهٖ جَرَّةً فِيْهَا ذَهَبٌ ، فَقَالَ لَهُ الَّذِى اشْتَرٰى الْعَقَارَ : خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّىْ ، اِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْاَرْضَ ، وَلَمْ اَبْتَعِ مِنْكَ الذَّهَبَ ، فَقَالَ الَّذِىْ بَاعَ الْاَرْضَ : بِعْتُكَ الْاَرْضَ وَمَا فِيْهَا ، فَتَحَاكَمَا اِلَى الرَّجُلِ ، فَقَالَ الَّذِىْ تَحَاكَمَا اِلَيْهِ : اَ لَكُمَا وَلَدٌ؟ فَقَالَ اَحَدُهُمَا : لِىْ غُلَامٌ ، وَقَالَ الْاٰخَرُ : لِىْ جَارِيَةٌ . فَقَالَ : أَنْكِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ ، وَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِمَا وَ عَلٰى اَنْفُسِكُمَا مِنْهُ ، وَتَصَدَّقَا . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص نے کسی (دوسرے شخص) سے زمین خریدی اور خریدار کو اس زمین سے سونے کا ایک گھڑا ملا، چنانچہ خریدار نے مالکِ زمین سے کہا: آپ اپنا سونا مجھ سے لے لیں، کیونکہ میں نے آپ سے زمین خریدی تھی، سونا نہیں خریدا تھا۔ اس پر (مالک) زمین بیچنے والے نے کہا: میں نے زمین اور جو کچھ اس میں تھا (سب) آپ کو فروخت کیا تھا، پھر وہ دونوں ایک تیسرے شخص کے پاس اپنا مقدمہ لے کر گئے۔ اس فیصل نے ان سے پوچھا: تمہاری اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے۔ اور دوسرے نے کہا: میری ایک لڑکی ہے۔ فیصل نے کہا: ان دونوں کی آپس میں شادی کر دو۔ اور تم دونوں سونے میں کچھ حصہ اپنے اور ان کے اوپر خرچ کرو اور کچھ صدقہ کر دو۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ میں دو آدمیوں سے متعلق جو واقعہ ذکر ہوا ہے۔ وہ بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا واقعہ ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ واقعہ کو بنی اسرائیلی تذکرہ میں لانے سے واضح ہے۔

(**۷۹**)...... صحیح بخاری، کتاب الانبیآء، رقم ۳٤۷۲، حدثنا اسحق بن نصر: اخبرنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال النبی ﷺ......ـ صحیح مسلم، کتاب الأقضیه، باب إستحباب إصلاح الحاکم بین الخصمین، رقم: ۱۷۲۱، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهریرة عن رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم، فذکر احادیث منها: وقال رسول الله ﷺ: ......ـ مسند احمد: ۷۹/۱٦، رقم: ۸۱۷٦/۸۲ـ شرح السنه، باب اللقطه، رقم: ۲۲۱۲.

بہر حال اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ جھگڑنے والوں کے مابین صلح کرانا احسن عمل ہے۔

۲۔ اگر دو آدمیوں کے درمیان کسی مسئلہ میں نزاع پیدا ہو، تو انہیں چاہیے کہ بجائے خود فیصلہ کرنے کے کسی سمجھ دار مصلح کے پاس جا کر فیصلہ کروائیں، خواہ فیصل قومی، صوبائی یا علاقائی سطح کا ہو، اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض کا کہنا ہے یعنی وہ فیصلے کو خاص قاضی سے مقید کرتے ہیں۔ علامہ عراقی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: امام شافعی کا مذہب درست ہے کہ حدود اللہ کے ماسوا باقی امور میں کسی کو (بھی) حاکم مقرر کیا جا سکتا ہے۔

(طرح التثریب: ٦/١٤٤)

۳۔ اگر مدفون خزانے کا مالک نہ مل سکے تو اس کا مالک خزانے کو تلاش کرنے والا ہی ہے، البتہ وہ اس دفینے سے خمس (پانچواں حصہ) بیت المال میں جمع کرائے گا، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَفِیْ الرِّكَازِ خُمُسٌ)) (صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، رقم: ١٤٩٩) ''مدفون خزانے میں پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے۔''

۴۔ خریدار اور فروخت کرنے والے کو سودا کرتے وقت امانت، خیر خواہی اور تقویٰ کا پورا پورا خیال کرنا چاہیے۔

# اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ پر خوش ہوتا ہے

۸۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اَيَفْرَحُ اَحَدُكُمْ بِرَاحِلَتِهِ إِذَا ضَلَّتْ مِنْهُ ، ثُمَّ وَجَدَهَا؟ قَالُوْا: نَعَمْ ، يَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ، لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ إِذَا تَابَ ، مِنْ اَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهِ إِذَا وَجَدَهَا ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کسی شخص کی سواری گم ہو جائے پھر وہ اسے پالے تو اسے خوشی ہوتی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جی ہاں، اللہ کے رسول! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تم گمشدہ سواری پالینے پر جتنے خوش ہوتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے کئی گناہ زیادہ خوش ہوتا ہے۔''

**شرح الحديث:**......اس حدیث میں محسنِ انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی کامیابی و کامرانی کے لیے ایک انتہائی عظیم اور مسرت بھرا پیغام چھوڑا ہے، وہ یہ کہ جو شخص رب کی نافرمانی اور شیطانی راستے پر چلنے کی بجائے اپنے تمام گناہوں سے تائب ہو کر محض ایک اللہ کی فرمانبرداری اور اس کی عطا کردہ صراطِ مستقیم پر چلے گا، تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر اتنا خوش ہوگا کہ جس کے مقابلہ میں کسی شخص کا گم شدہ سواری پالینے پر خوشی و مسرت کا اظہار کرنا ایک غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ابوعباس قرطبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کو بہت جلد قبول فرمالیتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں: جو شخص ارتکاب معصیت کے سبب شیطانی شکنجے میں آکر اسے خوش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق دیتا ہے۔ پھر جب وہ گناہوں سے تائب اور ان کی نحوست سے دور ہونے کے سبب شیطان کی رضا اور ہلاکت سے بچ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرما کر اسے بخش دیتا

(۸۰)...... صحيح بخاری، كتاب الدعوات، باب التوبه، رقم: ۶۳۰۸، ۶۳۰۹ـ صحيح مسلم، كتاب التوبه، باب الحض على التوبة الفرح بها، رقم: ۲/۲۶۷۵، ۳/ ۲۷۴۴، ۲۷۴۵، ۲۷۴۶ـ مسند احمد: ۷۹/۱۶، رقم: ۸۱۷۷/ ۸۳، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قَال: ...... ـ مصنف عبدالرزاق: ۲۹۷/۱۱، ۲۹۸ـ شرح السنة، باب التوبة: ۸۳/۵، ۸۴.

ہے۔ اور اس کی توبہ قبول کرنے میں اتنی جلدی کرتا ہے جتنی کہ وہ اپنی گم شدہ سواری مل جانے پر اسے حاصل کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ (طرح التثریب : ۸/۲۳۷، ۲۳۸)

## توبہ کی تعریف:

اصطلاحِ شرع میں توبہ، گناہ کو رضائے الٰہی کی خاطر ترک کرنے، اس کے ارتکاب پر نادم ہونے اور اسے دوبارہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم کرنے کا نام ہے۔

## توبہ کی فضیلت پر آیات قرآنی:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حضور صدق دل سے توبہ کرنے کی نصیحت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱﴾ (النور : ۳۱)

''اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاں پا جاؤ۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵۳﴾ (الزمر : ۵۳)

''آپ کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش، بڑی رحمت والا ہے۔''

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ''یہ آیت قرآن کریم کی سب سے زیادہ امید بھری آیت ہے۔ اس میں اللہ نے بندوں کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اور پھر انہیں گناہوں کے ارتکاب میں حد سے متجاوز ہونے کی صورت میں اپنی رحمت سے ناامید ہونے سے منع فرمایا ہے، اور یہ کہہ کر مزید کرم فرمایا کہ وہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ (فتح القدیر : ۲/ ۵٦٥)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''اس آیت میں تمام نافرمانوں کو گو وہ کافر و مشرک و کافر بھی ہوں، توبہ کی دعوت دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کی ذات غفور و رحیم ہے۔ وہ ہر تائب کی توبہ قبول کرتا ہے۔ ہر جھکنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والے کے اگلے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے، گو وہ کیسے ہی ہوں، کتنے ہی ہوں کبھی کے ہوں۔'' (تفسیر ابن کثیر : ٤/٤٩٢)

اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی اور استغفار کرنے والے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝۱۷﴾

(آل عمران : ١٦-١٧)

''جو لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے، اس لیے ہمارے گناہ معاف فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا، وہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔''

توبہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاتے ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾﴾ (البقرة: ٢٢٢)

''یقیناً اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والے، توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے لائق اور اس کی رحمت کے اہل ہوتے ہیں، تائبین کے مال میں برکت ڈال دی جاتی ہے، مشکلات و پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾﴾

(نوح: ١٠۔١٢)

''تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، وہ بے شک بڑا مغفرت کرنے والا ہے، وہ آسمان سے تمہارے لیے موسلا دھار بارش بھیجے گا، اور تمہیں مال و دولت اور لڑکوں سے نوازے گا، اور تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا، اور تمہارے لیے نہریں نکالے گا۔''

## احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام:

سیدنا ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کو برائی کرنے والا (رات کو) توبہ کر لے۔ اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا (دن کو) توبہ کر لے۔ (یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا) جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ (جو قرب قیامت کی نشانی ہے، اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا)۔

(صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب غيرة الله تعالى، رقم: ٢٧٥٩)

توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ بہت محبت کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُلَهُمْ .)) (صحيح مسلم، كتاب التوبة، رقم: ٢٧٤٩)

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ کرنا چھوڑ دو تو اللہ تمہیں اٹھا لے، اور تمہاری بجائے گناہ کرنے والی قوم کو لائے، جو (گناہ کر کے) بخشش طلب کرنے والے ہوں گے، تو

رب کریم انہیں معاف کر دے گا۔"

یاد رہے! گناہ انسان کے لیے زہر قاتل ہے، جو اسے دنیا و آخرت کی سعادت مندی سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ زہر انسان کو دنیا میں معرفتِ الٰہی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نعمت جنت اور دیدار سے محروم کر دیتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو چاہیے وہ اپنے سابقہ تمام گناہوں سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور ان خوش نصیبوں کے ساتھ حشر کی دعا کرے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمہ وقت رحمت و مغفرت کے دروازے کھول رکھے ہیں۔

## اقسامِ توبہ:

توبہ کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ کفر سے توبہ کرنا۔ ۲۔ گناہوں سے توبہ کرنا۔

۱. **کفر سے توبہ کرنا**: جو شخص صدق دل کے ساتھ کفر سے توبہ کر لے گا، اس کی توبہ یقیناً قبول ہوگی۔ (کفر سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص یا تو سراسر اسلام کا منکر یا پھر جزوی اسلام کا منکر ہو)

۲. **گناہ گار کی توبہ**: گناہ گار کی توبہ تب قبول ہوگی جب وہ گناہ ترک کرنے کا سچا وعدہ کرے گا۔ (یہ مسلمان ہونے کی صورت میں ہے)

پھر گناہ گار شخص کی توبہ دو قسم کی ہے: ۱۔ حقوق اللہ سے متعلق۔ ۲۔ حقوق العباد سے متعلق

۱۔ حقوق اللہ میں ملوث گناہوں کی توبہ محض انہیں چھوڑ دینے پر نہیں ہے، بلکہ شریعت نے ان کے لیے کچھ قضاء و کفارہ بھی مقرر کیا ہے۔

۲۔ حقوق العباد میں ملوث گناہوں کی توبہ محض توبہ کرنے سے نہیں، بلکہ ایسے شخص کو گناہوں کا بوجھ تب تک اٹھانا پڑے گا، جب تک وہ مستحق تک اس کا حق پہنچا نہیں دیتا، ہاں اگر وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی مستحق کو اس کا حق نہیں پہنچا پایا، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو معاف فرما دے گا۔ اور اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیں گے۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری: ۱۱/۱۰۳)

## شروطِ توبہ:

بعض شروط عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں:

۱۔ توبہ کرنے والا شخص اولاً اپنے بدن کی طرف متوجہ ہو، جسے اس نے حرام سے پالا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے بدن کو پریشانی اور غمی کے سبب پگھلا دے، حتیٰ کہ اس کے بدن پر پاک و طیب گوشت پیدا ہو جائے۔

۲۔ توبہ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو اطاعت کی مشقتیں برداشت کروائے، جیسا کہ اس نے اپنے نفس کو گناہوں کی لذت سے لطف اندوز کیا تھا۔

یہ توبہ کو مکمل کرنے والی شروط ہیں، ان کے بغیر توبہ قبول نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اور شروط بھی ذکر کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

۳۔ توبہ کرنے والا شخص گناہ ترک کر دے۔

۴۔ توبہ کرنے والا روح حلق تک آنے اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے قبل توبہ کرے۔

۵۔ تائب اپنے سابقہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے، اگر اس نے دوبارہ ارتکاب کیا، تو وہ توبہ قبول نہ ہوگی۔

(فتح الباری: ۱۰۳/۱۱)

# اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری طرف آ کر تو دیکھ......

۸۱...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

اِنَّ اللّٰهَ قَالَ: (( اِذَا تَلَقَّانِىْ عَبْدِىْ بِشِبْرٍ ، تَلَقَّيْتُهٗ بِذِرَاعٍ ، وَاِذَا تَلَقَّانِىْ بِذِرَاعٍ ، تَلَقَّيْتُهٗ بِبَاعٍ ، وَاِذَا تَلَقَّانِىْ بِبَاعٍ جِئْتُهٗ ...... اَوْ قَالَ: اَتَيْتُهٗ ...... بِاَسْرَعَ مِنْهُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا بندہ میری طرف ایک بالشت آگے بڑھتا ہے تو میں اس کے لیے دو بالشت (ایک ہاتھ آگے) بڑھتا ہوں، جب وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی جانب دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ اور جب میرا بندہ میری طرف دو ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف اور تیزی سے (لپک کر) جاتا ہوں یا فرمایا: آتا ہوں۔''

**شرح الحديث:** ......اس یہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ایک خاص خوشخبری سنائی ہے کہ جب کوئی بندہ دنیا کے لہو ولعب سے اعراض کر کے محض اطاعت کے لیے اللہ رب العالمین کی طرف پلٹتا ہے، تو رب کی رحمت اس کا والہانہ استقبال کرتی ہے، اور انتہائے لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالص عمل کو ضائع نہیں کرتا، چہ جائے کہ وہ اخلاص کم مقدار میں ہو یا زیادہ، بلکہ اللہ تعالیٰ تو اس کے عمل کو قبول کرنے اور اس عمل کے ثواب کو اور زیادہ بڑھانے میں سرعت سے کام لیتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر حدیث سے نمایاں ہے۔ نیز اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مقدس میں فرماتا ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (الأنعام: ۱۶۰)

''جو شخص نیکی کرے گا تو اسے اس کا دس گنا ملے گا۔''

اس حدیثِ قدسی اور مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ اطاعت وفرمانبرداری کے مقصد و ارادہ سے ایک نیکی بھی کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے دس گنا اجر عطاء فرماتا ہے: بلکہ بعض مرتبہ تو اتنی وافر مقدار میں عطا فرما دیتا ہے کہ اس کا حساب کرنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے

(۸۱) ...... صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ ویحذرکم اللّٰه نفسه ۷٤۰۵۰، ۷۵۳٦۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعآء الخ، باب الحث علی ذکر الله، رقم: ۲٦۷۵/۳، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول اللهﷺ فذکر احادیث منها وقال رسول اللهﷺ: ......۔ مسند احمد: ۱٦/ ۸۰، رقم: ۸٤/۸۱۷۸۔ شرح السنه، باب التقرب الی الله سبحانه و تعالیٰ بالنوافل و الذکر.

کے عمل کو ایک حسین انداز میں قبول فرماتا ہے۔ اور بندے کا اپنے رب سے جتنا قرب ہوتا ہے وہ اسی قرب کی مقدار اس کے عمل کا دوگناہ اجر عطا فرماتا ہے۔''

نیز فرماتے ہیں: ''اس حدیث (قدسی) کا ایک معنٰی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ایسے عمل کرنے کی توفیق بخشتا ہے جس سے اس کی قربت حاصل ہو۔'' (طرح التثریب : ۸/۲۲۵)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عمل سب کا ایک (ہی) ہوتا ہے، مگر قبولیت کی زیادتی مؤمن شخص کے خلوص نیت کے مطابق ہوتی ہے۔''

نیز ((مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا)) کا معنٰی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جو شخص نیت کے اعتبار سے ایک بالشت میرے قریب ہوگا، تو میں اسے ایک ہاتھ بڑھنے کی توفیق دوں گا۔ اور اگر عزم واجتہاد (کوشش) کے ذریعہ وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے، تو میں اسے ہدایت ورعایت کے ذریعہ دو ہاتھ اپنے قریب کرلوں گا۔ اور اگر وہ سب سے اعراض کر کے میری طرف آتا ہے، تو میں اس کے راہ حق کی ہر رکاوٹ کو دور کردوں گا، یہ رب کا اپنے بندے کی طرف دوڑ کر آنے کا معنیٰ ہے، جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے:

((وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهُ هَرْوَلَةً))

(صحیح مسلم، کتاب الدعوات والاذکار، رقم: ٦٨٣٣)

جب میرا بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ قبولت کا تعلق محض (اخلاص) نیت سے نہیں، جیسا کہ قاضی رحمہ اللہ کا کہنا ہے، بلکہ قبولیت کا تعلق عمل ونیت دونوں کے مجموعہ سے ہے۔

بہر حال اس حدیث (قدسی) سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ہر بڑے سے بڑے عمل پر نظر رکھیں اور اسے انتہائی عمدہ نیت کے ساتھ سرانجام دیں۔ اس کے علاوہ یہ حدیث ہمیں یہ سبق بھی سکھاتی ہے کہ ہم اپنے دل کو ذکرِ الٰہی سے غافل نہ کریں اور اپنے آپ کو ایسے کاموں میں مشغول ومصروف رکھیں جس سے ہمارے لیے قربتِ الٰہی کے راستے ہموار ہوتے رہیں۔ آمین!

# وضو کے دوران ناک میں پانی ڈالنا

۸۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَنْشِقْ بِمَنْخِرَيْهِ مِنْ مَّآءٍ ، ثُمَّ لِيَنْتَثِرْ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو وہ ناک کے (دونوں) نتھوں میں پانی چڑھائے پھر ناک جھاڑے۔''

**حل لغات**:

''استنشاق'' ناک کے دونوں نتھوں میں پانی چڑھانے کو کہتے ہیں۔

''اثتنشار'' محدثین اور فقہاء کے نزدیک ناک میں پانی چڑھانے کے بعد ناک کو اچھی طرح صاف کرنے کو کہتے ہیں۔ (طرح التثريب : ۲/ ۵۲)

**شرح الحديث** :......اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضوء کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی ناک کے دونوں نتھنوں میں مبالغہ کے ساتھ پانی پہنچائے اور پھر اسے جھاڑے اور صاف کرلے، امام احمد، اسحٰق، علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور علامہ البانی رحمہ اللہ اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور یہی بات راجح ہے۔ (تفصیل دیکھیں: المجموع: ۱/ ۳۶۳۔ الروض النضير: ۱/ ۲۰۵۔ السيل الجرار: ۱/ ۸۱۔ تمام المنة، ص: ۹۳۔ الروضة الندية: ۱/ ۱۲۱۔ ۱۲۳)

لیکن یہ بات واضح رہے کہ پانی کا مبالغہ کے ساتھ پہنچانے کا حکم روزہ دار کے لیے نہیں، کیونکہ روزہ دار اگر ناک میں مبالغہ کے ساتھ پانی چڑھائے گا تو وہ حلق تک پہنچ جانے اور روزہ فاسد ہونے کا اندیشہ ہے۔ لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (( وَبَالِغْ فِي الْإِسْتِنْشَاقِ اِلَّا تَكُوْنَ صَائِمًا . ))
(سنن ابو داود، كتاب الطهارة، رقم: ۱٤۲ ۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

---

(**۸۲**)...... صحيح بخاری، كتاب الوضوء، باب الاستنثار فى الوضوء، رقم: ۱٦۱، ۱٦۲۔ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الايتار فى الاستنثار و الا ستجمار، رقم: ۲۰/۲۳۷، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا به ابوهريرة عن محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فذكر احاديث منها وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم......۔ مسند احمد: ۸۱/۱٦، رقم: ۸۱۷۹۔ سنن الكبرىٰ، كتاب الطهارة، باب كيفية المضمضة والاستنشاق: ۱/٤۹.

''یعنی جب آپ روزے دار نہ ہوں تو ناک میں مبالغہ کے ساتھ پانی چڑھاؤ۔''

اس پر مستزاد رسول اللہ ﷺ نے ناک کے نتھنوں تک پانی پہنچانے کی ایک حکمت یہ بیان فرمائی (جو صحیحین میں موجود ہے)((إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيتُ عَلَى خَيَاشِيمِهِ . ))

''یعنی جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اسے چاہیے کہ تین دفعہ ناک میں پانی ڈالے، کیونکہ شیطان اس کے نتھنوں میں رات گزارتا ہے۔'' (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، رقم: ۲۳۸)

یہ حکمت رات سے بیدار ہونے کے ساتھ ہے، کیونکہ ناک اچھی طرح جھاڑنے سے نیند کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور نماز میں توجہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر وضو کرتے وقت ناک میں مبالغہ کے ساتھ پانی چڑھانا، اس حکمت میں شامل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں امام خطابی رحمہ اللہ نے اس کی ایک دوسری حکمت بیان کی ہے: وہ یہ کہ ''وضو کرتے وقت اتنی ترغیب و تحریض کے ساتھ ناک میں پانی چڑھانے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ جب ناک صاف ہو گی تو (تو اس سے ایک فائدہ یہ ہو گا کہ) سانس لینے میں آسانی رہے گی۔ (دوسرا فائدہ یہ کہ) قرآن کی تلاوت کرنے میں مدد ملے گی۔ اور (تیسرا فائدہ یہ کہ) حروف کے مخارج بھی اچھی طرح ادا ہوں گے۔ (طرح التثريب : ۲/ ٥٤)

# رسول اللہ ﷺ کی سخاوت

۸۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ اَنَّ عِنْدِيْ أُحُدًا ذَهَبًا لَاَحْبَبْتُ اَنْ لَّا يَأْتِيَ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَّ عِنْدِيْ مِنْهُ دِيْنَارٌ اَجِدُ مَنْ يَّتَقَبَّلُهُ مِنِّيْ ، لَيْسَ شَيْءٌ اُرْصِدُهُ فِي دَيْنٍ عَلَيَّ .))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہوتا، تو میں پسند کرتا کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے دے دوں اور اپنے پاس ایک دینار تک نہ چھوڑوں، اِلَّا یہ کہ اپنا قرض چکانے کے لیے کچھ رکھوں۔''

**شرح الحديث**: ......اس عظیم الشان فرمان میں رسول اللہ ﷺ نے بنی نوع انسان کو صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب اور مال میں ذخیرہ اندوزی کرنے کی ترھیب فرمائی ہے مزید برآں اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

**مستنبط مسائل:**

۱۔ کسی اچھے اور بھلے کام کی تمنا کرنا مستحب ہے۔
۲۔ قرض کی ادائیگی صدقہ دینے پر مقدم ہے۔
۳۔ صدقہ کرنا صدقہ قبول کرنے والے پر منحصر ہے۔ اگر اسے قبول کرنے والا کوئی شخص نہ ہو تو صدقہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے واضح ہے کہ کسی قبول کرنے والے پر تین دن سے پہلے پہلے خرچ کر دوں، الخ وغیرہ۔ (طرح التثریب: ٤/ ٣٠)
۴۔ رسول اللہ ﷺ کا کلمۂ ''لَوْ'' کے استعمال سے منع فرمانا، وہ دنیاوی امور پر محمول ہے۔ اور نیک کام کے لیے

(**۸۳**)...... صحیح بخاری، کتاب التمنّی، باب تمنی الخیر و قول النبیﷺ، رقم: ۷۲۲۸، حدثنی اسحاق بن نصر، حدثنا عبدالرزاق: عن معمر، عن ھمام: سمع اباھریرۃ عن النبیﷺ قال: ......۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب تغلیظ عقوبة من لا یؤدی الزکوٰۃ، رقم: ۹۹۱/۳۱۔ مسند احمد: ۱٦/ ۸۱، رقم: ۸۱۸۰/ ۸٦۔ شرح السنه، کتاب الزکوٰۃ، باب مما یکرہ من إمساك المال، وما یؤمر به من الإنفاق: ٦/ ۱۵۲، رقم: ۱٦۵۳.

ایسے کلمے کا استعمال باعثِ اجر وثواب ہے۔

۵۔ کسی معاملہ کے اہم ہونے یا اسے مؤکد بنانے کے لیے قسم کھانا جائز ہے۔ نیز کسی معاملہ کی حقیقت بیان کرنے کے لیے بھی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس قسم کی قسمیں کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔(شرح مسلم للنووی، ص: ۷۶۹، طبع دار ابن حزم)

٦۔ تین دن (یا راتوں) کو مقید کرنے سے مقصود یہ تھا کہ اُحد پہاڑ کی مقدار سونے کو تقسیم کرنے کے لیے (قریباً) تین دن ہی درکار ہوں گے۔ اور بعض روایات میں ''یوم ولیلة'' کے الفاظ ہیں جن سے کم سے کم مدت بیان کرنا مقصد ہے۔ واللہ اعلم!

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے سخی تھے اور سخاوت ہی کو پسند فرمایا کرتے تھے اور ویسے بھی صفتِ سخاوت اللہ کے نیک و برگزیدہ بندوں کا ایک خاص وصف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مال ومتاع اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنی نوع انسان کو یہی سبق سکھا گئے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔

# کھانا پیش کرنے والے کو بھی کھانے میں شریک کرنا

۸۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((اِذَا جَآءَ كُمُ الصَّانِعُ بِطَعَامٍ قَدْ اَغْنٰى عَنْكُمْ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ ، فَادْعُوْهُ ، فَلْيَأْكُلْ مَعَكُمْ ، وَ اِلَّا فَالْقِمُوْهُ فِيْ يَدِهٖ (اَوْ لِيُنَاوِلْهُ فِيْ يَدِهٖ ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب باورچی تمہارے پاس کھانا لائے، جس نے تمہیں کھانے کی تپش اور اس کے دھوئیں سے مستغنی کیا ہے، تو اسے دعوت دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا تناول کرے، ورنہ اس کے ہاتھ میں چند لقمے تھما دو۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تمام بنی آدم کو مکارمِ اخلاق اور مساوات کا ایک جامع درس دیا ہے۔ چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''اس حدیث میں مکارمِ اخلاق اور کھانے میں برابری و مساوات کی ترغیب دی گئی ہے۔ خصوصاً باورچی اور کھانا اٹھا کر پیش کرنے والے کے ساتھ، کیونکہ وہ باورچی کھانا پکانے میں گرمی اور دھوئیں کو مالک کے لیے برداشت کرتا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ یہ ترغیب استحباب پر محمول ہے۔ (شرح مسلم للنووی، مطبوعہ دار ابن حزم)

علاوہ ازیں ''صانع'' کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو خادم ہو، چاہے وہ ملازم طبقہ کا ہو یا طالب العلم وغیرہ ہو۔ جیسا کہ مولانا داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ (دیکھئے! شرح صحیح بخاری، ص: ٦٣، مطبع مکتبہ قدوسیہ)

یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہمارے نزدیک اس حدیث کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں: (۱) صانع کو اپنے ساتھ بٹھانا افضل ہے، ضروری نہیں یا پھر اسے (مالک کو) اختیار دیا جا رہا ہے کہ چاہے تو اسے اپنے ساتھ میں بٹھالے وگرنہ ہاتھ میں پکڑا دے۔ اور یہ امر اختیاری ہے حتمی نہیں (۲) یہ امر مطلقاً استحباب کے لیے ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہ حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ والی روایت کی ہے جس میں خادم کے کھانے اور پہننے میں برابری کا حکم دیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مالک کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو غلام و خادم کو اپنے ساتھ میں بٹھالے اور

---

(**٨٤**)...... صحيح بخارى، كتاب الأطعمه، باب الأكل مع الخادم، رقم: ٥٤٦٠ـ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل، و إلباسه مما يلبس، و لا يكفله مما يغلبه، رقم: ١٦٦٣/٤٢ـ مسند احمد: ٨٢/١٦، رقم: ٨٧/٨١٨١، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم .

اگر چاہے تو نہ بٹھائے۔(فتح الباری: ۹/۷۲۰۔ طبعہ دار السلام الریاض)

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ جب کھانا وافر مقدار میں ہوتو خادم وغیرہ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا چاہیے اور اگر کم مقدار میں ہوتو ایک دو لقمے ضرور دے دینے چاہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ جب خادم اپنے مالک کے ساتھ حیا وادب کی وجہ سے بیٹھ کر کھانے سے اعراض کرتا ہو، تو یا پھر خود مالک اسے اپنے ساتھ بٹھانے سے کتراتا ہو، تو اس صورت میں بھی خادم وغیرہ کو ہاتھ میں دے دینا چاہیے، جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے۔

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مالک کے لیے ضروری نہیں کہ جو وہ خود کھائے اور پہنے وہی اپنے خادمین و ملازمین وغیرہ کو بھی کھلائے اور پلائے، بلکہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ ان کے لیے ایسا کھانا اور لباس مہیا کرے جو عام معاشرت میں زیرِ عمل ہو یعنی متوسط ہو۔ اور اگر انہیں اپنے جیسا لباس اور کھانا مہیا کرے اور ان سے مشارکت و مساوات رکھے تو یہ اس کے لیے افضل و بہتر ہے۔ جیسا کہ ابن المنذر رحمہ اللہ نے جمیع اہل علم سے اجماع نقل کیا ہے۔(فتح الباری: ۹/۷۲۰، طبعہ اولیٰ دارالسلام الریاض۔ طرح التثریب: ۶/۲۲)

# اپنے مالک کو "رَبّ" اور غلام کو "عَبْدِیْ" یا "اَمَتِیْ" نہ کہو

۸۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
((لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ "اِسْقِ رَبَّكَ" اَوْ "اَطْعِمْ رَبَّكَ" وَ "وَضِّئْ رَبَّكَ۔" وَلَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ: "رَبِّىْ" وَلْيَقُلْ: "سَيِّدِىْ وَمَوْلَاىَ"، وَلَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ: "عَبْدِىْ، اَمَتِىْ" وَ لْيَقُلْ: "فَتَاىَ، فَتَاتِىْ أَوْغُلَامِىْ.")

**ترجمة الحديث:**...... "اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی یوں نہ کہے: اپنے "رب" کو پلاؤ، اپنے رب کو کھانا کھلاؤ یا اپنے رب کو وضو کراؤ، اور نہ کوئی (اپنے آقا کو) میرا "رب" کہہ کر پکارے بلکہ وہ (اپنے آقا کو) "سیدی و مولای" میرا سردار، میرا مولا، کہہ کر پکارے۔ کسی کے لیے "عبدی" میرا بندہ، یا "أمتی" میری بندی کہنا بھی ٹھیک نہیں، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ یوں کہے: "غُلَامِىْ" میرا نوکر، میری نوکرانی، میرا غلام۔"

**شرح الحديث:** ......رسول اللہ ﷺ نے جن اسماء سے کسی غلام یا کسی بھی شخص کو مخاطب کرنے سے منع فرمایا ہے، اس منع کرنے کا سبب یہ ہے کہ ایسے ناموں سے مخاطب کرنے کے ساتھ ہر قسم کا شرک ختم ہو جائے۔

"یاد رہے کہ "عبد" اور "أمة" اگرچہ غلام اور لونڈی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن یہ دونوں لفظ بندہ اور بندی کے معنی میں بھی مستعمل ہیں، لہٰذا اس میں ربوبیت میں مشارکت کا شبہ پیدا ہوتا ہے، لہٰذا جناب ربوبیت کے ساتھ حسن ادب اور عقیدہ توحید کی حمایت کے پیش نظر اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی شرعی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

---

(۸۵)...... صحيح بخارى، كتاب العتق، باب كراهية التطاول على الرقيق، رقم: ۲۵۵۲، حدثنا محمد، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه، انه سمع اباهريرة رضي الله عنه يحدث عن النبى ﷺ انه قال: ...... ۔ صحيح مسلم، كتاب الألفاظ من الأدب و غيرها، باب حكم إطلاق لفظة العبد و الأمة و المولىٰ و السيد، رقم: ۲۲۴۹/۱۵، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ......۔ مسند احمد: ۸۳/۱۶، رقم: ۸۱۸۲/ ۸۸۔ سنن الكبرىٰ، كتاب النفقات، باب ما ينادى به كل واحدٍ منهما صاحبه: ۱۳/۸۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب لايقل أحد ربى ولا ربتى: ۱۱/ ۴۵، رقم: ۱۹۸۶۹.

## اس ممانعت کا سبب:

خطابی رحمہ اللہ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کے لیے خالص توحید اپنانے اور ہر قسم کے شرک سے احتراز کرنے پر مامور ومکلّف ہے، لہٰذا ایسے نام نہیں اختیار کرنے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ سے مشابہت کی بناء پر شرک کے شائبہ کی زد میں آ جائیں اور اس مسئلے میں آزاد اور غلام کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے.....'' (توحيد اله العالمين، ص: ۵۹۸)

مزید لکھتے ہیں، اس میں آزاد وغلام کی کوئی قید نہیں ہے لیکن جو عبادت غیر عاقل ہیں ان میں اس کا استعمال درست ہے جیسے ''رب الدار''......''گھر کا مالک'' وغیرہ۔

ابن بطال کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو ''رب'' کہنا ایسے ہی ناجائز ہے جس طرح کسی کو ''الٰہ'' کہنا ناجائز ہے۔

لیکن یہ بات واضح رہے کہ جمیع اہل علم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے ناموں کے ساتھ مخاطب کرنے سے منع فرمانا کراہت تنزیہی پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باب قائم کیا ہے: ((باب كراهية التطاول على الرقيق))

مزید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ممنوع اسماء سے متعلق قرآنی آیات واحادیث کو بھی ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔''

(فتح الباری: ۵/ ۲۲۰۔ طبع دارالسلام الرياض)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''علماء کا کہنا ہے کہ ان احادیث سے دو چیزوں کی ممانعت مقصود ہے۔''

۱۔ مملوک (غلام) کا اپنے سردار کو میرا ''رب'' کہنا منع ہے۔ کیونکہ ربوبیت کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خاص ہے۔ اور رب کہتے ہی اس کو ہیں جو مالک ہو یا قائم بالشی (ہمیشہ قائم رکھنے والا) ہو۔ اور اس کی حقیقت فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔ اگر کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت میں فرمایا ہے: ''لونڈی اپنے رب کو جنے گی۔'' تو اس کے دو جواب ہیں:

۱۔ اس حدیث میں یہ اطلاق جواز بیان کے لیے ہے اور اس قسم کی تمام احادیث میں جو نہی آئی ہے، وہ تنزیہی اور ادب کی وجہ سے ہے۔ نہی تحریمی نہیں ہے۔

۲۔ اس نہی سے مراد یہ ہے کہ ایسے الفاظ کو کثرت سے استعمال کرنا درست نہیں اور نہ ہی انہیں عام عادت بنایا جائے۔ البتہ بعض اوقات ایسے لفظوں کا استعمال منع نہیں ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے (بھی) اسی کو پسند کیا ہے۔

اور مملوک اپنے مالک کو ''سید'' کہہ سکتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا: ''اسے چاہیے کہ یوں کہے! میرا ''سید'' کیونکہ لفظ ''سید'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح مختص نہیں ہے۔ جس طرح لفظ ''رب'' ہے۔ اور ویسے (بھی) قرآن مجید اور احادیثِ متواترہ میں بھی لفظ ''سید'' کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام ''سید'' مستعمل نہیں ہے۔ اس پر مستزاد رسول اللہ ﷺ نے (حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے) فرمایا: یہ میرا بیٹا سید ہے۔ اور (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) کی تعظیم میں فرمایا: ''اپنے سید کی طرف اٹھیے۔'' نیز ایک حدیث میں فرمایا: (سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے لیے) ''سنو جو تمہارا سید کہے۔''

لہٰذا ثابت ہوا کہ اگر غلام اپنے مالک کو ''میرا مولیٰ'' کہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے کہ مولیٰ کا اطلاق سولہ (۱۶) معانی پر ہوتا ہے۔ (جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے) جن میں سے ایک معنیٰ مددگار اور دوسرا مالک بھی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: مسلم کی روایت، جو بطریق اَعمش مروی ہے، جس میں مولیٰ کہنے کی ممانعت آئی ہے، تو اس میں اَعمش متفرد ہے۔ باقی دوسرے راویوں نے اس زیادتی کا ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا اس ممانعت کا ترک کرنا زیادہ بہتر ہے۔

۲۔ مالک کے لیے اپنے غلام یا کنیز کو میرا بندہ اور میری بندی کہنا مکروہ ہے، بلکہ وہ یوں کہے: میرا غلام، میرا خادم و نوکر، میری خادمہ و نوکرانی، میری کنیز۔ کیونکہ بندگی کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مزید یہ کہ اس میں مخلوق کی ایسی تعظیم ہے جس کے استعمال کی وہ لائق نہیں۔ اور نبی ﷺ نے اس کی علت بیان فرما دی ہے، تم میں سے ہر ایک اللہ کا بندہ ہے۔ غلام کو عبد کہہ کر پکارنا بھی نہی تنزیہی ہے، کیونکہ قرآن و سنت میں دلائل موجود ہیں کہ غلام کو عبد کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۶۷۲، طبعه دار ابن حزم)

امام خطابی فرماتے ہیں: ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ بندہ تکبر کو چھوڑ کر تذلل اور خضوع (عاجزی) کا التزام کرے، کیونکہ اس کے یہی لائق ہے۔ (فتح الباری: ۵/۲۲۳)

**مستنبط مسائل:**

اس حدیث پاک سے درج ذیل مسائل استنباط کیے گئے ہیں:

۱۔ اپنے غلاموں کو اپنا بندہ یا بندی کہنا ممنوع ہے۔

۲۔ غلام اپنے آقا کو اپنا رب نہ کہے اور نہ ہی غلام سے یوں کہا جائے کہ اپنے رب کو کھانا کھلاؤ......۔

۳۔ آقا کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے غلام کو اپنا بندہ کہنے کے بجائے اپنا لڑکا یا لڑکی یا غلام کہے۔

۴۔ اور غلام کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے مالک کو اپنا رب کہنے کی بجائے اپنا سید یا مولیٰ کہے۔

۵۔ اس حدیث میں اصل مقصود کی نشاندہی کر دی گئی کہ ظاہری الفاظ کے استعمال میں بھی توحید کے تقاضوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ (ماخوذ از توحید اله العالمین، ص: ٦٠٠)

# جنت میں سب سے پہلے جانے والے گروہ کی فضیلت

۸۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((اَوَّلُ زُمْـرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوَرُهُم عَلىٰ صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ، لَا يَبْصُقُوْنَ وَلَا يَـمْتَـخِـطُوْنَ ، وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ فِيْهَا ، اٰنِيَتُهُمْ وَ اَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ، وَ مَـجَـامِـرُهُمْ مِنَ الْاَلُوَّةِ ، وَ رَشْحُهُمُ الْمِسْكُ ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُرٰى مُـخُّ سَـاقِهَـا مِـنْ وَّرَآءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ ، لَا اِخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ ، وَلَا تَبَاغُضَ ، قُلُوْبُهُمْ عَلىٰ قَلْبٍ وَاحِدٍ ، يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا . ))

**تـرجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی۔ وہ (جنتی) نہ تو اس میں تھوکیں گے، نہ ناک صاف کریں گے اور نہ ہی رفع حاجت کریں گے، ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیوں (کا ایندھن) عودِ ہندی (خوشبو دار لکڑی) ہے۔ ان کا پسینہ کستوری کی مانند (خوشبودار) ہوگا اور ہر ایک جنتی کی دو دو بیویاں ہوں گی، جن کی پنڈلیوں کا گودا خوبصورتی کی وجہ سے گوشت کے بیچ سے نظر آئے گا۔ نیز جنتیوں کے درمیان کسی قسم کا نہ کوئی اختلاف ہوگا اور نہ کوئی بغض، سب کے دل ایک دل کی مانند ہوں گے۔ اور وہ صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہوں گے۔''

**شـرح الحديث**: ......اس فرمان نبوی ﷺ میں جنت میں داخل ہونے والی سب سے پہلی جماعت اور اس کی فضیلت کا تذکرہ ہوا ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ جنتی اتنے اعلیٰ مقام ومرتبے والے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں رنگا رنگ اور عمدہ ترین نعمتیں وسہولتیں میسر ہوں گی۔ اور ان نعمتوں کا وصف یہ ہوگا کہ وہ دنیاوی

(۸٦)...... صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جآء فی صفة الجنة و انها مخلوقة: ۳۲٤٥، حدثنا محمد بن مقاتل، اخبرنا عبداللّٰه، اخبرنا معمر عن همام بن منبه عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ......۔ صحيح مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها و أهلها، باب فی صفات الجنة و اهلها و تسبيحهم فيها بكرةً و عشياً، رقم: ۲۸۳٤/۱۷، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا به ابوهريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ......۔ سنن الترمذی، كتاب صفة الجنة، باب ما جآء فی صفة اهل الجنة، رقم: ۲٥۳۷۔ مسند احمد: ۸۳/۱٦، رقم: ۸۹/۸۱۸۳۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب الجنة و صفتها: ٤۱۳/۱۱۔٤۱٤۔ شرح السنة، باب صفة الجنة، و ما أعدالله للصالحين فيها: ۲۰۷/۱٥.

نعمتوں کی طرح عارضی اور وقتی نہیں، بلکہ ہمیشہ مستقل اور دائمی نعمتیں ہوں گی۔ اہل جنت ان نعمتوں میں صبح وشام اللہ کی تسبیح وتحمید اور تکبیر بیان کرتے رہے گے۔ انتہائے لطف یہ کہ اہل جنت کے مابین کسی قسم کا کوئی بغض وعناد اور اختلاف نہیں ہوگا، بلکہ سب کے دل ایک دل کی مانند ہوں گے۔

ابن ابی جمرۃ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اہل جنت کے دلوں کو اخلاقِ مذمومہ سے خوب پاک کردے گا۔ لہٰذا جنت میں افتراق کا جو سبب ہے یعنی دل میں بغض وکینہ کا پیدا ہونا، تو اس سے دلوں کو وہاں مکمل طور پر طہارت حاصل ہوگی، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ (الحجر: ٤٧)

''اور ہم ان کے سینوں سے کینہ کو یکسر نکال دیں گے۔'' ان کے دلوں میں مودت محبت پیدا ہو جائے گی۔'' (بهجة النفوس: ٤/٩)

اہل جنت صبح وشام اللہ کے نام کی تسبیح کریں گے۔ چنانچہ ابو العباس قرطبی رقمطراز ہیں: ''یہ ایسی تسبیح ہے جس میں (کسی قسم کی) تکلیف اور زبردستی نہیں ہے۔ کیونکہ جنت محلِ تکلیف نہیں، بلکہ محلِ جزاء ہے۔ اور اہل جنت کا تسبیح بیان کرنا ایک الہام وتیسیر کے طور پر ہوگا۔ اس کی تفسیر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ والی روایت کر رہی ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ ((يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَ التَّحْمِيْدَ وَالتَّكْبِيْرَ، كَمَا يُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ))

یعنی ''اہلِ جنت کی زبان، تسبیح، تحمید اور تکبیر اس طرح جاری ہوگی، جس طرح سانس آتا جاتا ہے۔''

(صحیح مسلم، رقم: ٢٨٣٥)

مزید یہ کہ انسانی سانس سے ذکرِ الٰہی کو تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ سانس لینے میں انسان کو نہ تو کوئی مشقت اُٹھانی پڑتی ہے اور نہ کوئی تکلیف ہے۔ (لہٰذا جس طرح انسان کے لیے سانس لینا آسان ہے) اس طرح اہل جنت کی زبان پر ذکرِ الٰہی جاری ہوگا۔'' (طرح التثريب: ٨/٢٧١، ٢٧٢)

تسبیح وتحمید کا عمل ثوابِ عظیم اور وزنِ کثیر کا حامل ہے۔ روز قیامت ان کلمات کا ثواب بندے کو حاصل ہوگا۔ یہ کلمات زبان پر بڑے ہلکے ہیں، آسانی سے جاری ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ)) (صحيح بخاری، كتاب التوحيد، رقم: ٧٥٦٣)

''دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت ہی پسند ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور قیامت کے دن اعمال کے ترازو میں بوجھل اور باوزن ہوں گے۔ وہ کلمات مبارکہ یہ ہیں: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))"

یہ کلمات بھی اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ اور اہل جنت بھی اللہ کے پسندیدہ مقرب بندے ہوں گے، تو یہ کلمات

مبارکہ ان کو بطور وظیفہ وغذا عطا کیے جائیں گے جو کہ اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم اور اظہار محبت ہے۔

**ہر ایک جنتی کے لیے دو دو بیویاں ہوں گی:**

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں مردوں کی نسبت عورتوں کی تعداد زیادہ ہو گی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جنت میں (مردوں کی نسبت) عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اس لیے کہ کم سے کم درجہ یہ بیان ہوا ہے کہ ایک آدمی کی دو بیویاں ہوں گی، اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ دونوں حدیثوں کی تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جنت میں بھی عورتوں کی تعداد (مردوں کی نسبت) زیادہ ہوگی اور جہنم میں بھی عورتوں کی تعداد (بنسبت مردوں کے) زیادہ ہوگی۔ اس کے علاوہ جنت میں ہر ایک آدمی کے لیے دو بیویوں کا ہونا، یہ بنی آدم کے اعتبار سے ہے وگرنہ حوریں تو اہل جنت میں سے ہر ایک کو کثیر تعداد میں میسر ہوں گی۔''

(طرح التثریب : ۸/ ۲۷۰)

مذکورہ حدیث سے مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت میں جماعت کی صورت میں بھی داخلہ ہوگا، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ (سورة الزمر: ۷۳)

''اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا وہ جماعت در جماعت جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔''

اور مزید جنت میں درجوں کے اعتبار سے بھی داخلہ ہوگا کہ جس کا مرتبہ زیادہ ہے وہ اولین طور پر جنت میں داخل ہوں گے اور جن کا مرتبہ کم ہے وہ بعد میں درجہ بہ درجہ جنت میں داخل ہوں گے۔

لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے یا کم از کم جنت میں داخل ہونے کے لیے نیک اور اچھے کام کرنے کی کوشش کرے، اور قرآنی تعلیمات کو اپنی زندگی کا زیور بنائے۔

**مستنبط فوائد ومسائل:**

۱۔ جنت کے محلات میں تمام برتن سونے اور چاندی کے ہوں گے۔
۲۔ جنتیوں کے محلات میں ہر وقت عود جلتی رہے گی جس کی خوشبو سے ان کے محلات معطر رہیں گے۔
۳۔ جنتیوں کے پسینہ سے مشک کی خوشبو آئے گی۔
۴۔ جنت میں بھوک، ناک اور رفع حاجت وغیرہ نہیں ہوں گے۔
۵۔ تمام جنتی باہم شیر وشکر ہوں گے کسی کے دل میں دوسرے کے خلاف کوئی حسد یا بغض نہیں ہوگا۔
۶۔ اہل جنت ہر سانس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح کریں گے۔
۷۔ اہل جنت کی بیویاں ہوں گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ وہ ان کی آمد کی ہر آن منتظر رہیں گی۔

(صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها، رقم: ۳۳/ ۲۸۳۸)

# حضور ﷺ کی اپنی امت پر شفقت

۸۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَّنْ تُخْلِفَنَاهُ ، اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ ، فَاَىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ ، اَوْ شَتَمْتُهٗ ، اَوْ جَلَدْتُهٗ ، اَوْ لَعَنْتُهٗ ، فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلٰوةً وَّ زَكٰوةً وَّ قُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں تجھ سے عہد لیتا ہوں، جس کی ہرگز تو خلاف ورزی نہیں کرے گا، میں تو ایک بشر (انسان) ہوں، چنانچہ میں نے جس کسی مومن کو تکلیف پہنچائی ہو، یا برا بھلا کہا ہو، یا سزا دی ہو، یا لعن طعن کی ہو، تو یہ (سب) اس کے لیے رحمت، پاکیزگی اور قرب کا ایسا ذریعہ بنا جس سے تو اسے روزِ قیامت اپنے قریب کر لے۔''

**شرح الحديث:** ...... یہ فرمان رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے حق میں بطورِ دعا فرمایا ہے، تاکہ یہ قبول ہو اور میری امت کے لوگ قیامت کے روز قربتِ الٰہی حاصل کر سکیں۔

اور دوسری بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے کسی فرد کو بھی چاہے وہ مؤمن و مسلم ہو یا غیر مؤمن و مسلم، بے وجہ نہ تکلیف پہنچائی، نہ سزا دی، نہ برا بھلا کہا اور نہ ہی کسی پر لعن طعن کی ہے۔ کیونکہ وہ تو امت کے لوگوں کے لیے رحمت وشفقت کا مجسمہ بن کر آئے تھے، بھلا ایسی عظیم شخصیت کے متعلق یہ گمان کون کر سکتا ہے؟

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی امت اسلامیہ پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ آپ ﷺ کی صفات عالیہ میں سے یہ صفت بھی تھی کہ آپ پر ہر وہ بات شاق گذرتی جس سے امت مسلمہ کو تکلیف پہنچتی۔ آپ دل سے تمنا کرتے کہ آپ کی امت جہنم میں نہ ڈال دی جائے، اور یہ بھی تمنا کرتے کہ دنیا وآخرت کی ہر بھلائی کی طرف اپنی امت کی رہنمائی کر دیں۔

---

(**۸۷**)...... صحيح بخارى، كتاب الدعوات، باب قول النبى ﷺ من آذيته فاجعله له زكوة و رحمة، رقم: ٦٣٦١۔ صحيح مسلم، كتاب البر و الصلة و الآداب، باب من لعنه النبى ﷺ أو سبه، او دعا عليه، وليس هو أهلاً، رقم: ٢٦٠١، ٢٦٠٣، ٢٦٠٤۔ مسند احمد: ١٦/ ٨٤، رقم: ٨١٨٤ ، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به ابو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: ......۔ شرح السنه، كتاب الدعوات، باب دعاء النبى ﷺ لمن لعنه من أمته أن يجعلها له قربة : ٥/٨۔٩، رقم: ١٢٣٩۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، من دعا عليه النبى ﷺ: ١١/ ١٩٠.

آپ اہل ایمان کے لیے انتہائی رحم دل تھے، اسی وجہ سے چاہتے تھے کہ وہ عمل صالح کریں اور گناہوں کا ارتکاب نہ کریں تا کہ اللہ کی جنت کے حقدار بنیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾﴾ (التوبة: ١٢٨)

''(مسلمانو!) تمہارے لیے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گذرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہشمند ہیں مومنوں کے لیے نہایت شفیق ومہربان ہیں۔''

ہاں، یہ بات الگ ہے کہ جہاں اللہ کی حدود پامال کی گئیں، وہاں رسول اللہ ﷺ نے انتہائی سختی سے کام لیا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، ہاں! جب اللہ کی قائم کی ہوئی حد کو توڑا جاتا تو آپ پھر بدلہ لیتے تھے۔

(صحيح بخاری، كتاب المحاربين من اهل الكفر والردة، رقم: ٦٨٥٢)

علامہ نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر کس قدر مشفق اور ان کی مصلحت و خیر خواہی کے لیے کس قدر کوشاں تھے، نیز ان کے لیے جو چیز نفع بخش ہوتی، اس کی خواہش کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا کسی مسلمان کے حق میں نقصان کی دعا کرنا جو اس کا اہل و مستحق نہ ہو، تو آپ کی یہی نقصان کی دعا مسلمان کے حق میں رحمت و پاکیزگی اور کفّارے کا ذریعہ بن جائے گی۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار و منافقین کے حق میں جو بددعا کی وہ ان کے لیے رحمت نہیں ہوئی۔''

اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر اہل و مستحق شخص کے لیے دعاءِ ضرر کیوں فرمائی؟

علامہ نووی رحمہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے کلماتِ زجر جو بیان فرمائے ہیں جیسے سب (برا بھلا کہنا) وغیرہ، تو ان سے حقیقت مقصود نہیں ہے، بلکہ وہ اہل عرب کے ان کلمات کی طرح ہیں، جنہیں وہ بغیر معنٰی کی نیت کیے بول دیتے ہیں۔ جیسے ''تَرِبَتْ يَمِينُكِ'' تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ وغیرہ اور ایسے کلمات کا صدور رسول اللہ ﷺ سے بہت کم ہوا۔ کیونکہ آپ ﷺ فاحش و متفحش نہ تھے، نہ (خواہ مخواہ) لعنت کرنے والے تھے اور نہ ہی اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام لینے والے تھے۔ (جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: قبیلہ دوس پر لعنت کریں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! دوس کو ہدایت دے۔ اور فرمایا: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے، کیونکہ وہ (میری حیثیت کو) کو نہیں جانتے۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ١٨٥٤، ١٨٥٣، طبع اولیٰ دار ابن حزم.)

## مستنبط مسائل وفوائد:

اس حدیث سے درج ذیل مسائل استنباط کیے گئے ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے بڑے رحم دل مہربان تھے۔

۲۔ آپ ﷺ حالت غضب وغصہ میں بھی حق بات فرماتے تھے۔

۳۔ معین گنہگار کو، جیسے کفار وغیرہ کو لعنت کرنا درست ہے۔

۴۔ اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہ لیا، حدود کے معاملے میں آپ ﷺ نے سختی فرمائی۔

# پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا

۸۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
(( لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِمَنْ كَانَ قَبْلَنَا ، ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰه رَاٰى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا ، فَطَيَّبَهَا لَنَا . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم سے پہلی امتوں کے لیے غنیمت کا مال جائز نہیں تھا (لیکن ہمارے لیے اس کی حلت کا سبب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور عاجزی کو دیکھ کر اس مال کو ہمارے لیے طیب (جائز) بنا دیا۔''

**شرح الحديث:** ......پہلی امتوں میں سے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ وہ لوگ غنیمتیں، صدقات وخیرات اور تمام قربانیاں میدان یا اونچی جگہ رکھ دیتے اور آسمان سے ایک آگ آتی اور ان کو کھا جاتی، ہاں! اگر کوئی خامی وخرابی یا نقص وغلول ہوتا تو اس کو دور کرنے تک آگ نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی کمزوری اور عجز و درماندگی دیکھ کر اس کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔ یہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی خصوصیت ہے۔ اس کی ابتداء غزوۂ بدر سے ہوئی۔ اسی کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ (الانفال: ٦٩)

''پس غنائم میں سے حلال اور طیب کو کھاؤ۔''

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطمینان ہوا اور فدیہ کے طور پر جو مال قیدیوں سے لیا تھا اسے استعمال کیا۔ (تیسیر الرحمن، ص ٥٤٤)

امام ابوداود نے اپنی سنن میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن اہل جاہلیت کا فدیہ چار سو مقرر فرمایا تھا۔ (سنن ابو داود، کتاب الجهاد، رقم: ٢٦٩١۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

**نوٹ:** ......مزید تفصیل حدیث نمبر ۱۲۴ کے تحت آ رہی ہے۔

(**۸۸**)...... صحيح بخارى، كتاب فرض الخمس، رقم: ٣١٢٤۔ صحيح مسلم، كتاب الجهاد، رقم: ١٧٤٧/٣٢، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ......۔ المشكاة، رقم: ٣٩٨٥، ٤٠٠١.

# بلی پر ظلم کرنے والی عورت کے لیے عذاب

۸۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

(( دَخَلَتِ الْمَرْأَةُ النَّارَ مِنْ جَرَّاءِ هِرَّةٍ لَهَا ، اَوْ هِرٍّ رَبَطَتْهَا ، فَلَا هِيَ اَطْعَمَتْهَا ، وَ لَا هِيَ اَرْسَلَتْهَا تَتَقَمَّمُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ ، حَتّٰى مَاتَتْ هَزْلًا . ))

**ترجمة الحديث:** ......''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک عورت اپنی بلی کو باندھنے کے جرم کے سبب داخلِ جہنم ہوئی، نہ تو اس نے اسے کچھ کھلایا اور نہ اسے آزاد چھوڑا کہ وہ حشرات الأرض کھا لیتی حتیٰ کہ وہ لاغر ہو کر مرگئی۔''

**شرح الحديث:** ...... یہ فرمان نبوی ﷺ اسلام کی صداقت اور عظمت کو بیان کر رہا ہے کہ جس طرح اسلام دوسری مخلوقات کے حقوق بجالانے کا حکم دیتا ہے، عین اسی طرح جانوروں کے حقوق کا بھی پورا پورا خیال رکھتا ہے، جیسا کہ زیر بحث حدیث سے واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پالتو جانور کو یا کسی اور جانور کو قید کر کے کھلائے نہ پلائے اور وہ جانور بھوک و پیاس کے سبب موت کا شکار ہو جائے، تو عین ممکن ہے کہ اس کے صاحب کو اس جرم کی پاداش میں داخل جہنم ہونا پڑے۔ اس کے برعکس جو صاحب کسی جاندار کو کھانا کھلا دے، یا پانی پلا دے تو یہی کھلانا اور پانی پلا دینا اس کی مغفرت کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

مولانا داؤد راز رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''اس حدیث کی مناسبت ترجمۂ باب سے یوں ہے کہ بلی کو پانی نہ پلانے سے عذاب ہوا، تو معلوم ہوا کہ پانی پلانا ثواب ہے۔ ابن منیر رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے یہ بھی نکلا کہ بلی کا قتل کرنا درست نہیں۔'' (شرح صحیح بخاری، داود راز: ۳/ ۵۰۵، ناشر مکتبہ قدوسیه)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی جا رہا تھا کہ اسے شدید پیاس لگی، اس نے ایک کنویں میں اتر کر پانی پیا، پھر باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور (شدت) پیاس کی وجہ

---

(۸۹)...... صحیح بخاری، کتاب الشرب والمساقاة، باب سقی الماء، رقم: ۲۳۶۵ و کتاب بدء الخلق، رقم: ۳۳۱۸، و کتاب احادیث الانبیاء، رقم: ۳۴۸۲، عن ابن عمر۔ صحیح مسلم، کتاب البر و الصله و الآدب، باب تحریم تعذیب الهرة و نحوها من الحیوان الذی لایؤذی، رقم: ۲۶۱۹/۱۳۵، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال......۔ مسند احمد: ۸۵/۱۶، رقم: ۹۲/۸۱۸۶۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب الرخص و الشدائد: ۲۸۳/۱۱، ۲۸۵۔ سنن الکبریٰ، کتاب النفقات، باب نفقة الدواب: ۱٤/۸.

سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔اس نے کہا: یہ بھی اس وقت ایسی ہی پیاس میں مبتلا ہے، جیسے ابھی مجھے لگی ہوئی تھی۔ (چنانچہ وہ پھر سے کنویں میں اترا اور) اپنے چمڑے کے موزے کو (پانی سے) بھر کر اسے اپنے منہ سے پکڑے ہوئے اوپر آیا۔اور (اس) کتے کو پانی پلایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس (آدمی) کے اس عمل کو قبول کیا اور اس کی مغفرت فرمادی۔ (اس پر) صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں چوپایوں پر بھی اجر ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر جاندار میں ثواب ہے۔(صحيح بخاري، رقم: ٢٣٦٣)

اس طرح کا واقعہ ایک زانیہ عورت کا بھی ہے جس نے پیاس سے مرتے ہوئے ایک کتے کو دیکھا تو اپنے دوپٹے کو رسی بنا کر اس میں جوتی کو ڈول کی مانند بنا کر ڈالا اور کنویں سے پانی نکال کر کتے کو پلایا تو اللہ عزوجل نے اس سبب سے اس کی مغفرت فرمادی۔(صحيح مسلم، كتاب السلام، رقم: ١٥٤/ ٢٢٤٥)

رہی یہ بات کہ مذکورہ حدیث میں جس عورت کا تذکرہ ہوا ہے، آیا وہ مسلمان تھی یا کافر؟ اس سے متعلق معتبر اور معقول بات یہ ہے کہ وہ عورت مسلمان تھی۔ چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صحیح بات یہ ہے کہ وہ عورت مسلمان تھی اور اس کا داخلِ جہنم ہونا گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے کی وجہ سے تھا۔''

(شرح مسلم للنووي، ص:١٦٦٧، طبعه دار ابن حزم.)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی رائے کی طرف مائل ہیں۔

## مستنبط مسائل وفوائد:

اس حدیث سے جو مسائل وفوائد مستنبط ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:

١۔ مالکِ حیوان پر واجب ہے کہ وہ اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرے، وگرنہ اسے آزاد کردے، تاکہ وہ چل پھر کر زمینی کیڑے مکوڑے کھالے۔

٢۔ پرندوں اور دیگر جانداروں کو قید و بند میں رکھنا جائز ہے، بشرطیکہ ان کے خوردونوش اور دیگر ضروریات کا پوری طرح خیال رکھا جائے۔اور اس کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں بلی کو قید میں رکھنے پر وعید نہیں ہے، بلکہ اسے بھوکا پیاسا رکھ کر مارنے پر وعید ہے۔

٣۔ موذی جانور کے شر سے بچنے کے لیے اسے مارنا جائز ہے۔لیکن یہ بات واضح رہے کہ اسے بھوکا اور پیاسا نہ مارا جائے۔کیونکہ صحیح بخاری کے الفاظ ((فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ)) (صحيح بخاري، كتاب المساقاة: ١/ ٣١٨) ''ہر تر جگر (کے ساتھ بھلائی کرنے) میں اُجر ہے۔'' عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

٤۔ مخلوقات کو بلاوجہ و ارادہ کے ساتھ کچھ بھی تکلیف و اذیت پہنچانا عنداللہ انتہائی سخت معیوب اور گناہ عظیم ہے۔

عصریات:

فی زمانہ بعض لوگ جانوروں سے محنت مشقت کا کام لیتے ہیں تو ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادتے ہیں یا بلا وجہ زدوکوب کرتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں یا بعض لوگ آتے جاتے تفریحاً کسی جانور کو مار پیٹ لیتے ہیں، یہ ان پر سراسر ظلم و زیادتی اور ان کی حق تلفی ہے۔ اس حدیث میں ایسے لوگوں کے لیے وعید ہے۔ البتہ موذی جانوروں جیسے سانپ، بچھو وغیرہ کو مارنے کا حکم ہے۔ (صحيح مسلم، كتاب الاسلام، باب قتل الحيات وغيرها)

# ایمان کے منافی اعمال

۹۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( لَا يَسْرِقُ سَارِقٌ وَّهُوَ حِيْنَ يَسْرِقُ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَزْنِيْ زَانٍ وَّ هُوَ حِيْنَ يَزْنِيْ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَشْرَبُ الْحُدُوْدَ اَحَدُكُمْ ...... يَعْنِي الْخَمْرَ ...... وَّهُوَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا مُؤْمِنٌ ، وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَا يَنْتَهِبُ اَحَدُكُمْ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ اِلَيْهِ الْمُؤْمِنُوْنَ اَعْيُنَهُمْ فِيْهَا وَهُوَ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ...... فَاِيَّاكُمْ ، وَ اِيَّاكُمْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چور بوقت چوری مومن نہیں ہوتا، زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں ہوتا اور شرابی بوقت شراب نوشی مومن نہیں ہوتا اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تم میں کوئی عزت دار شخص لوٹ مار کرتا ہے، جس کی طرف اہل ایمان اپنی نگاہیں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ شخص اس لوٹ مار کے وقت مومن نہیں ہوتا اور خیانت کرتے وقت خائن مومن نہیں ہوتا، پس تم ان (شنیعہ وقبیحہ عادات سے) ضرور اجتناب کرو! بچو۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمانِ نبوی ﷺ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مومن شخص کی حالتِ ایمان میں چوری، بدفعلی، شراب نوشی، لوٹ کھسوٹ اور دغا بازی وغیرہ کا صدور متوقع ہے۔

اس حدیث سے مرتکب کبائر کو دائرہ اسلام سے خارج اور غیر مومن کا مفہوم لینا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم ومطلب یہ ہے کہ ایسے کبائر کے ارتکاب کے وقت یا تو اس کے دل میں ایمان کی شمع نہیں ہوتی یا پھر اس کا ایمان کمزور وناقص ہوتا ہے۔ علامہ مہلب شافعی فرماتے ہیں: ''ایسے جرائم کے ارتکاب سے اس شخص کی اطاعتِ الٰہی

(۹۰)...... صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب النهی بغیر إذن صاحبه، رقم: ۲٤۷۵۔ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان نقصان الإیمان و نفیه عن المتلبس بالمعصیة علی إرادة نفی کماله، رقم: ۱۰۰، ۵۷/۱۰۳، حدثنا محمد بن رافع، اخبرنا عبدالرزاق، اخبر معمر عن همام بن منبه، عن ابی هریرة عن النبیﷺ، کل هولاء بمثل حدیث الزهری، غیر ان العلاء وصفوان ابن سلیم لیس فی حدیثهما "یرفع الناس الیه فیها ابصارهم" وفی حدیث همام "یرفع الیه المومنون اعینهم فیها، وهو۔ حین ینتهبها۔ مومن" وزاد: " ولا یغل احدکم حین یغل وهو: مومن، فایاکم ایاکم"...... مسند احمد۱٦/۸٦، رقم: ۹۳/۸۱۸۷۔ مصنف عبدالرزاق، باب لایزنی الزانی حین یزنی و هو مؤمن: ۷/٤۱٦۔ شرح السنه، کتا ب الإیمان، باب الکبائر: ۸۹/۱.

میں جو بصیرت حاصل ہوتی ہے، اس سے وہ خالی ہو جاتا ہے۔''

(شرح مسلم للنووی، صفحه: ١٦٤۔ طبعه دار ابن حزم)

ہاں! یہ بات الگ ہے کہ جو شخص ان گناہوں کو جائز اور حلال سمجھ کر ان کا ارتکاب کرے یا انہیں معمولی اور حرمت شرعی کو پامال کرتے ہوئے ان کا ارتکاب کرے، تو ایسے شخص سے متعلق معقول رائے یہی ہے کہ وہ مؤمن نہیں، بلکہ غیر مؤمن ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: ''اگر کوئی شخص ان افعال کا ارتکاب انہیں حرام سمجھ کر کرتا ہے تو وہ حالتِ ایمان پر رہے گا، اور اس کے برعکس یعنی جو شخص انہیں جائز اور حلال سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہے۔'' (تهذيب الآثار، صفحه: ٦٢٣)

علاوہ ازیں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس رائے کو راجح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل انتہائی عمدہ ہے۔'' (المفهم، ص: ٤٥.)

ان جرائم کے ارتکاب کی نیت ایک صاحب ایمان شخص نہیں کر سکتا۔ چنانچہ قاضی عیاض ان جرائم کی مذمت میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''بعض اہل علم نے اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں ہر قسم کے گناہ سے تنبیہ اور ان سے بچنے کی تحذیر بیان ہوئی ہے۔'' نیز ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''زنا ہر قسم کی شہوانیات کو متضمن ہے، چوری دنیا کی رغبت اور مالِ حرام کو متضمن ہے، شراب نوشی جملہ حقوقِ الٰہیہ سے غفلت اور اس کی یاد سے روکنے کا باعث ہے، اور لوٹ کھسوٹ حقوق العباد کے استخفاف کی تمام صورتوں کو متضمن ہے۔ (مثلاً حیاء، عزت و توقیر وغیرہ) (شرح مسلم للنووی، ص: ١٦٥، طبعه دار ابن حزم.)

حقیقت تو یہ ہے کہ ایک سچے مسلمان سے ایسے گھٹیا اور غیر اخلاقی جرائم کا ارتکاب بہت بعید بات ہے۔ لیکن بعض اوقات فرطِ شہوانیات کی وجہ سے وہ ایسے افعال کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے اور جب اسے احساس ہوتا ہے تو فوراً اپنے کیے پر نادم ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

معتزلہ اور خوارج وغیرہ کا کہنا ہے کہ کبائر کے ارتکاب سے ایک صاحبِ ایمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دلائل میں یہ حدیث سر فہرست ہے۔ نیز علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کا ظاہر خوارج اور معتزلہ وغیرہ کے لیے دلیل ہے، جو کہتے ہیں کہ کبائر کا ارتکاب ایمان سے خروج کا سبب ہے۔'' المفهم، ص: ٤٥.

لیکن درست بات وہی ہے جس پر اہل سنت کا اجماع ہے، کہ کبائر کے ارتکاب سے کوئی صاحبِ ایمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ ایسے شخص کا ایمان ناقص اور ادھورا ہو جاتا ہے، اور وہ اسی بنیاد پر فاسق و فاجر ٹھہرتا ہے۔

چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو قدرے تفصیل کے ساتھ یوں بیان کیا ہے: ''اہل حق کا اجماع ہے کہ

گناہِ کبیرہ کے مرتکبین کو اس ارتکاب کے سبب کافر قرار نہیں دیا جا سکتا سوائے شرک کے، بلکہ ایسے لوگ ناقص ایمان والے ہیں۔ لہٰذا اگر تائب ہو گئے تو ان کی سزا ساقط ہو جائے گی اور اگر اسی حالت میں وفات پائی تو ان کا معاملہ اللہ کی کے سپرد ہو گا۔ پس اگر اللہ نے چاہا تو انہیں معاف کر کے اولاً جنت میں داخل کر دے وگرنہ پہلے سزا دے گا اور بعد میں جنت میں داخل کرے گا۔'' (شرح مسلم للنووی ص: ١٦٤، طبعه دار ابن حزم.)

معزز قارئین! اس ساری تفصیل کا ما حاصل یہ ہے کہ جو شخص حالت ایمان میں کبائر کا ارتکاب کر بیٹھے تو ایسے شخص کو غیر مؤمن نہیں کہا جا سکتا، بلکہ ایسے شخص کا ایمان اس وقت ناقص اور ادھورا ہوتا ہے، گویا یہ کمالِ ایمان کی نفی ہے، حقیقتِ ایمان کی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ مذکورہ حدیث میں ایمان کے کامل ہونے کی نفی ہے یعنی جو شخص حالتِ ایمان میں ایسے غیر اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرے گا تو اس کا ایمان کامل نہیں ہو گا، جیسے کہا جاتا ہے: ''لَا عِلْمَ اِلَّا مَا نَفَعَ''۔ ''لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْآخِرَةِ'' ان دونوں مقولوں میں نفیٔ کمال ہے، نہ کہ نفیٔ جنس، کیونکہ جو علم نفع نہ دے اس سے متعلق یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ سرے سے علم ہے ہی نہیں، ظاہر ہے اس کا درست مفہوم یہی نکلے گا کہ اس میں کمال علم کی نفی ہے۔ اور اسی طرح دنیا بھی زندگی ہے لیکن اصل حقیقی زندگی جو دائمی ہے وہ اُخروی آخرت کی ہی زندگی ہے۔

# رسالت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں

۹۱......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ، مَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ، وَلَا یَھُوْدِیٌّ، وَّ لَا نَصْرَانِیٌّ، وَ مَاتَ وَ لَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ .))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت کا جو بھی شخص خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی میری بعثت کا سنے اور جس دین کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، اس پر ایمان لائے بغیر فوت ہو جائے، تو ایسا شخص دوزخی ہوگا۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ اس امت میں سے جو کوئی چاہے وہ یہودی ہو یا عیسائی پھر مذاہبِ عالم میں سے کسی ایک مذہب سے علاقہ رکھتا ہو، جب اس تک رسول اللہ ﷺ کی دعوت پہنچ جائے اور وہ دعوتِ اسلام سماعت کرنے کے باوجود اسے قبول نہ کرے اور اسی حالت میں فوت ہو جائے، تو ایسا شخص یقیناً اہل دوزخ میں شمار ہوگا۔ تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص میرا تذکرہ سماعت کرے اور جس دین کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، اس پر ایمان لائے بغیر فوت ہو جائے، تو یہ دوزخی ہوگا۔'' بہر حال اس حدیث کے سیاق وسباق سے عیاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس امت کی طرف رسول بنا کر بھیجی گئی ہے اور امت پر فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اپنے لیے رسول تسلیم کریں۔ چنانچہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ ''اس حدیث میں امت سے مراد وہ امت ہے جس کی طرف آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور امت پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیے رسول اللہ ﷺ کو حجت مانیں۔ خواہ کوئی آپ ﷺ کی تصدیق کرے یا نہ کرے۔

(المفهم، ص: ١٦٨ .)

---

(۹۱)...... صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينابمحمد ﷺ الى جميع الناس و نسخ الملل بملته، رقم : ٢٤٠/ ١٥٣ـ مسند احمد: ١٦/ ٨٦، رقم: ٨١٨٨/ ٩٤ـ شرح السنه، كتاب الإيمان، من مات لا يشرك بالله شيئا: ١٠٤/١ـ مسند ابى عوانه، كتاب الإيمان، بيان ثواب من آمن بمحمد ﷺ : ٧٩/١، حدثنا احمد بن يوسف السلمى، قالا حدثنا عبدالرزاق، انبا معمر، عن همام بن منبه، عن أبى هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ : ......

بنا بریں حافظ عراقی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''اس تعریف کی بنیاد پر یہ لفظ جمیع امت کو متضمن ہے، خواہ وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں موجود ہوں یا پھر روزِ قیامت تک پیدا ہوتے رہیں۔ ان تمام پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔'' (طرح التثریب: ۷/۱۵۸.)

**ایک لطیف نکتہ:** اس حدیث پر غور کرنے سے ایک لطیف نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ حدیث میں یہود ونصاریٰ کا ذکر کیا گیا ہے، جب کہ وہ خود اہل کتاب تھے، اس سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب ہونے کے باوجود، رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے، بجز اس کے ان کی (اخروی اور حقیقی) کامیابی کا اور کوئی چارہ نہیں تو جو لوگ ان کے علاوہ ہیں وہ تو اس تنبیہہ میں بطریق اولیٰ شامل ہوں گے۔ اسی کے قریب قریب علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے۔ (شرح مسلم للنووی، ص: ۲۳۷)

امت دراصل اس قوم وجمعیت کو کہا جاتا ہے جس کی طرف کوئی نبی آیا ہو۔ اس کی دو اقسام ہیں: (۱) اُمتِ اجابت (۲) اُمتِ دعوت۔

(۱) محمد ﷺ آخری نبی اور تمام مخلوقات کے لیے پیغمبر بن کر آئے ہیں جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت و رسالت کو مان لیا وہ امتِ اُجابت ہے۔

(۲) اور جن لوگوں نے نہ مانا وہ امتِ دعوت ہے اس لحاظ سے یہودی، عیسائی اور مجوسی و ہندو وغیرہ امت دعوت میں داخل ہیں۔

مذکورہ فرمان نبوی ﷺ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص تک دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو، وہ اس سے معذور ہے۔ شریعت کے آ جانے سے قبل اس کے متعلق کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''حدیث کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص تک اسلام کی دعوت نہ پہنچ پائی ہو وہ اس سے معذور ہوگا۔ اور یہ بات صحیح قول اور اس اصول کے مطابق ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ شریعت کے آجانے سے قبل اس شخص پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔'' علاوہ ازیں علامہ قرطبی رحمہ اللہ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ (الاسراء: ۱۵) ''ہم جب تک اپنا رسول نہیں بھیج دیتے ہیں (کسی قوم کو) عذاب نہیں دیتے ہیں۔'' سے استدلال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''جس شخص تک رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور معجزہ نہ پہنچا ہو گویا کہ اس کی طرف رسول (ہی) نہیں بھیجا گیا۔''

(لہٰذا) جس شخص تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو، اس پر کوئی عقاب نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا﴾ (سبا: ۲۸)

''ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (الاعراف : ۱۵۸)

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

اور صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ وَ بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً .))

(صحیح بخاری ، کتاب التیمم ، رقم: ۳۳۵۔ صحیح مسلم، رقم: ۱۱۶۳)

''(مجھ سے قبل) نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف عام رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

ان دلائل کی رو سے کوئی بھی شخص معذور نہیں ہے کہ اس تک دعوت رسالت نہیں پہنچی۔ المفھم، ص: ۱۶۹.

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلنَّصَٰرَىٰ وَٱلصَّٰبِـِٔينَ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾﴾ (البقرۃ: ۶۲)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی، نصرانی اور بے دین ہو گئے (ان میں سے) جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے، ان کو ان کے رب کے پاس اجر ملے گا۔ اور نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی غم لاحق ہوگا۔''

اب اس آیت مبارکہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل یہود، نصاریٰ اور صابئین (بے دین قسم کے لوگ) میں سے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں اور ساتھ ساتھ نیک اعمال کریں، تو ایسے لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر ہوگا۔ مقصود یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا ذکر نہیں کیا گیا جب کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ میرا تذکرہ سنیں اور جس دین کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اس پر ایمان لائے بغیر فوت ہو جائیں، تو وہ لوگ دوزخی ہوں گے۔

مذکورہ آیت اور فرمان نبوی ﷺ کے مابین بظاہر کچھ تعارض نظر آتا ہے۔ مگر حقیقتاً ان دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''(اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور) رسول اللہ ﷺ پر اور اس (دین) جس کو وہ اپنے ساتھ لائے ہیں، اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔'' (جامع البیان: ۲۵۴/۱)

اگر کوئی اہل کتاب اپنی کتاب و رسول کو تو مانے لیکن آج آخری نبی محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان نہ لائے تو اس کی نجات قطعاً نہ ہوگی، کیونکہ شریعت محمدیہ نے سابقہ شریعتوں کو ختم کر دیا ہے، لہٰذا اسلام کے ماسوا اور کوئی مذہب

قابل قبول نہیں ہے۔جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۸۵﴾

(آل عمران: ۸۵)

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا، وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔''

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو متضمن ہے، گویا دونوں لازم وملزوم ہیں۔لہٰذا اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

## مستنبط مسائل وفوائد:

اس حدیث سے یہ مسائل بھی ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ اسلام اور ایمان موت سے قبل نفع مند ہیں۔ چاہے تھوڑی دیر پہلے ہی بندہ اسلام قبول کر لے۔

۲۔ جو شخص رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتا، وہ کافر ہے اور جہنم میں داخل ہوگا۔

# امام کو غلطی پر خبردار کرنا

۹۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اَلتَّسْبِيْحُ لِلْقَوْمِ ، وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَآءِ ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز میں کوئی معاملہ درپیش ہو تو مردوں کے لیے "سبحان اللّٰہ" کہنا اور عورتوں کے لیے تالی بجانا مشروع ہے۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ میں مقتدی حضرات کے لیے ایک طریقۂ کار منتخب کیا گیا ہے کہ اگر دورانِ نماز امام سے غلطی سرزد ہو تو مرد مقتدی ''سبحان اللہ'' کہہ کر امام صاحب کو مطلع کریں اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ ''تالی بجا کر'' یعنی اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر مار کر امام کو مطلع کریں۔

لیکن یہ بات واضح رہے کہ نماز میں عورت کی تالی بجانا لہو ولعب اور کھیل تماشے کی طرز پر نہ ہو، وگرنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، جیسا کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

(شرح مسلم، للنووی، ص: ٤٥٣، طبعه دار ابن حزم.)

مولانا داؤد راز علامہ قسطلانی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ''عورت اس طرح تالی بجائے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے، اگر کھیل کے طور پر بائیں ہاتھ پر مارے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر کسی مرد کو مسئلہ معلوم نہ ہو اور وہ بھی تالی بجا دے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہ کو جنہوں نے نادانستہ تالیاں بجائی تھیں، نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔''

نیز فرماتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ امام بھول جائے اور اس کو متنبہ کرنا ہو تو مرد لفظِ (( سبحان اللہ )) بلند آواز سے کہیں، اور اگر کسی عورت کو لقمہ دینا ہو تو وہ (( تالی بجائے )) اس سے عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا بھی ثابت ہوا۔''

(شرح صحيح بخاری: ۲۹۳/۳.)

---

(**۹۲**)...... صحيح بخاری، كتاب العمل فی الصلوٰة، باب التصفيق للنساء، رقم: ۱۲۰۳، ۱۲۰٤۔ صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة، باب تسبيح الرجل و تصفيق المرأة اذا نابهما شئ من الصلوٰة، رقم: ٤٢٢/١٠٦، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام، عن ابی هريرة عن النبی ﷺ بمثله، وزاد "فی الصلاة"...... مسند احمد: ٨٧/١٦، رقم: ٨١٨٩/ ٩٥۔ سنن الكبریٰ، كتاب الصلوٰة، باب ما يقول إذا نابه شئ فی صلوٰة: ٢٤٧/١۔ مصنف عبدالرزاق، باب التسبيح للرجال و التصفيق للنسآء، رقم: ٤٠٦٩.

نماز کے دوران مرد کے تالی بجانے سے متعلق، امام ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''مرد کے لیے نماز میں تالی بجانا منع ہے۔ (اس کا حکم صرف عورتوں کے لیے ہے اور وہ بھی اس وقت جب نماز میں کوئی معاملہ در پیش آئے) لہٰذا جو مرد یہ بات جاننے کے باوجود نماز میں تالی بجائے گا، اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس نے ایسا کام کیا ہے جو نماز میں کرنا منع تھا۔'' (المحلی لابن حزم: ۱۲۱، دارالکتب العلمیه، بیروت.)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''گویا کہ عورتوں کو تسبیح کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ انہیں نماز کے دوران مطلقاً پست آواز رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ فتنہ بپا نہ ہونے پائے۔ اور (اس کے برعکس) مردوں کو تالی بجانے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ عورتوں کا طریقہ ہے۔''

(فتح الباری: ۳/۱۰۰، طبع دارالسلام، الریاض)

ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک کا ایک مشہور قول نقل کیا ہے کہ ''تالی بجانا یعنی عام حالات میں، عورتوں کا شیوہ ہے جو کہ مذموم ہے، اور نماز میں تالی بجانا مرد اور عورت دونوں کے نامناسب ہے۔''

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ عورت جب نماز میں تالی بجائے گی تو اس کی نماز میں فساد آ جائے گا۔'' (طرح التثریب: ۱/۲۴۳، ۲۴۴)

لیکن حماد بن زید عن ابی حازم والی روایت مذکورہ دونوں باتوں کی کھلی تردید کر رہی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (( إِذَا نَابَكُمْ أَمْرٌ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ۔ وَ لْيُصَفِّحِ النِّسَاءُ . ))

(صحیح بخاری، کتاب الأحکام ، رقم: ۷۱۹۰)

''جب (نماز میں) کوئی معاملہ پیش آ جائے تو مردوں کو چاہیے کہ وہ (با آواز بلند) تسبیح کہیں اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ تالی بجائیں۔''

# اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھایا ہوا زخم

۹۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( كُلُّ كَلْمٍ يَكْلَمُهُ بِهِ الْمُسْلِمُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا يَوْمَ طُعِنَتْ تَفْجُرُ دَمًا ، اَللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ ، وَالْعَرْفُ عَرْفُ مِسْكٍ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو اللہ کی راہ میں جو بھی زخم لگتا ہے، وہ روزِ قیامت اسی حالت پر ہوگا جس طرح کہ وہ لگا تھا، اس سے خون بہہ رہا ہوگا، جس کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور (اس کی) خوشبو مشک (کستوری) کی طرح ہوگی۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ میں مجاہدین کی فضیلت وعظمت اور مقام ومرتبہ بیان ہوا ہے کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقِ دل کے ساتھ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرتے ہیں، تو لڑائی کے دوران ان کے بدنوں پر جو زخم بھی لگتا ہے، قیامت کے روز وہ اسی حالت میں اٹھائے جائیں گے جب کہ ان کے بدنوں سے خون ٹپک رہا ہوگا۔

واضح رہے کہ روزِ قیامت شہداء کو اپنی حالت شہادت پر اٹھانا، ان کی عزت وتوقیر اور بلند مرتبہ کے لیے ہوگا، تاکہ اس روز تمام بنی آدم شہداء کو پہچان لیں۔

چنانچہ مولانا داؤد راز رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''اس حدیث کی علماء نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث سے یہ ثابت کرنا ہے کہ مشک پاک ہے، جو ایک جما ہوا خون ہوتا ہے۔ مگر اس کے جمنے اور اس میں خوشبو پیدا ہو جانے سے اس کا خون والا حکم نہ رہا، بلکہ وہ پاک صاف مشک کی شکل بن گئی، ایسے ہی جب پانی کا رنگ یا بو یا مزہ گندگی سے بدل جائے تو وہ اصل حالتِ طہارت پر نہ رہے گا، بلکہ ناپاک ہو جائے گا۔''

(**۹۳**)...... صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب مايقع من النجاسات و السمن و المآء، رقم: ۲۳۷، حدثنا احمد بن محمد قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا معمر عن همام بن منبه، عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال: ......۔ صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الجهاد و الخروج فى سبيل الله، رقم: ۱٤۷٦، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۱٦/ ۸۷، رقم ۸۱۹۰/ ۹٦۔ سنن الكبرىٰ، كتاب السير، باب فضل من يخرج فى سبيل اللّٰه: ۹/ ۱۱٦٥۔ مصنف عبدالرزاق، باب فضل الجهاد: ۲۵۳/۵۔ شرح السنه، كتاب السير و الجهاد، باب ثواب الشهادة، رقم: ۲٦۳۱ وقال: هذا حديث متفق على صحته.

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: ''مشک کے پاک ہونے پر اجماع ہے، بدن اور کپڑوں پر اس کا استعمال جائز ہے، نیز اس کی تجارت (بھی) جائز ہے۔'' (فتح الباری: ١/ ٣٤٥.)

علاوہ ازیں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''جو شخص باغیوں اور رہزنوں کے ہاتھوں زخمی ہو یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اقامت میں وفات پا جائے تو اس شخص کے لیے بھی یہی فضیلت ہے۔'' (دیکھئے! شرح مسلم للنووی، ص: ١٤٤٨، طبعه دارابن حزم.)

موجودہ دور میں جو مسلمان اپنے دشمنوں کے مظالم سے پسے اور کٹے جا رہے ہیں، وہ بھی اس زمرے میں آئیں گے اور ان کے لیے بھی وہ فضیلت ہوگی جو حدیث میں مذکور ہوئی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے، جس میں آیا ہے: ''ایک شخص حج کے دنوں میں حالتِ احرام میں اونٹنی سے گر کر وفات پا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص روزِ قیامت اسی طرح تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الحج، رقم: ٢٨٩١، ٢٨٩٢)

# رسول اللہ ﷺ کے لیے صدقے کی چیز منع تھی

۹۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اِنِّىْ لَاَنْقَلِبُ اِلٰى اَهْلِىْ فَاَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلٰى فِرَاشِىْ اَوْفِى بَيْتِىْ فَاَرْفَعُهَا لِاٰكُلَهَا ، ثُمَّ اَخْشٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ ، فَاُلْقِيْهَا . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جب اپنے گھر لوٹتا ہوں تو وہاں میں اپنے بستر پر (اپنے گھر میں) پڑی ہوئی کھجور پاتا ہوں اور اسے کھانے کے لیے اٹھا لیتا ہوں، پھر اس خدشہ سے کہ یہ کھجور صدقہ کی ہو، اسے پھینک دیتا ہوں۔''

**شرح الحديث:**......

## نبی کریم ﷺ کے لیے صدقے کا استعمال منع تھا:

نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ پر صدقے کا استعمال حلال نہ تھا، چہ جائیکہ وہ صدقہ فرضی ہو یا نفلی، اور نبی ﷺ پر صدقہ حرام ہونے میں حکمت یہ ہے کہ صدقہ حقیقت میں لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے جسے ادا کرنے کے بعد ان کے مال میں طہارت اور پاکی ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں تھا کہ نبی ﷺ ایسا صدقہ اپنے استعمال میں لائیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے اور آپؐ کے خاندان کے لیے اس کا استعمال منع فرمایا دیا۔ چنانچہ حافظ عراقی رقمطراز ہیں: ''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ پر صدقہ حرام تھا، اور حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کے حرام ہونے میں کوئی فرق نہیں خواہ صدقہ فرضی ہو یا نفلی دونوں حرام ہیں۔ البتہ فرضی صدقہ کی حرمت میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں، لیکن نفلی صدقہ کی حرمت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ نفلی صدقہ بھی نبی ﷺ کے لیے حرام تھا۔'' (طرح التثريب : ٤/ ٣٥.)

---

(**٩٤**)...... صحيح بخارى، كتاب اللقطة، باب إذا وجدتمرة فى الطريق، رقم: ٢٤٣٢، حدثنا محمد بن مقاتل، اخبرنا عبدالله، اخبرنا معمر، عن همام بن منبه، عن ابى هريرة رضي الله عنه عن النبىؐ قال: ......۔ صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، باب تحريم الزكوٰة على رسول الله ﷺ و علىٰ آله و هم بنو هاشم و بنو المطلب، رقم: ١٠٦٩/١٦٣، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن محمد رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال قال رسول الله ﷺ ......۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الزكوٰة، باب لاتحل الصدقة لآل محمد ﷺ : ٤/ ٥٢، رقم: ٦٩٤٤۔ شرح السنه، كتاب الزكوٰة، باب تحريم الصدقةعلى رسول الله ﷺ و على اهل بيته: ٦/ ٩٩، ١٠٠۔ مسند احمد: ١٦/ ٨٨، رقم: ٨١٩١/ ٩٧.

نیز امام ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام صدقات حرام تھے، خواہ وہ فرضی ہوں یا نفلی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقات سے اجتناب کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل وعلامات میں سے تھا۔ اور سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھدیہ لے لیتے تھے، مگر صدقہ کی چیز (کبھی) استعمال نہ فرماتے تھے۔

علاوہ ازیں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلے) پوچھتے کہ یہ صدقہ کا ہے یا ھدیہ کا؟ اگر جواب میں یہ کہا جاتا: صدقہ ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرماتے: کھاؤ! اور اگر جواب میں کہا جاتا: ھدیہ ہے، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تناول فرماتے، (نیز) سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا پر جو گوشت صدقہ کیا گیا، اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ، وَهُوَ لَنَا هَدْيَةٌ.)) یعنی یہ گوشت بریرہ رضی اللہ عنہا پر تو صدقہ ہے، لیکن ہمارے لیے ھدیہ ہے۔ اور مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ.)) ''ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔'' اس لیے کہ نبی مخلوق میں سب سے اشرف ہوتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ مقرر تھا۔'' (المغنی: ۲/ ٦٦٠.)

اور بعض اہل علم کا کہنا ہے: ''حدیث میں ''عَلَى فِرَاشِيْ أَوْ فِيْ بَيْتِيْ'' کے الفاظ کا مقصد یہ ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کا مال تقسیم کیا ہو اور گھر واپس لوٹتے ہوئے ان کے لباس کے ساتھ صدقہ کی کھجوروں میں سے کوئی ایک کھجور چپک گئی ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر گر پڑی ہو، اور بعض اہل علم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھجور نہ کھانے کے متعلق کہا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھجور کو ترک کر دینا تورع (مشتبہ اشیاء سے اپنے دامن کو بچانا) کے طور پر تھا نہ کہ وجوباً، اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ ہر چیز جو انسان کے گھر میں پائی جاتی ہے وہ اپنی اباحت پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اس پر تحریمی کی کوئی دلیل قائم ہو جائے۔'' (فتح الباری: ٤/ ٣٧٣، ٣٧٤.)

**استدلالات:**

۱۔ اس حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کم قیمت چیز اگر راستے میں یا گھر میں ملے تو اس کا کھا لینا درست ہے۔

۲۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی حقیر اور معمولی اشیاء کے لیے ان کے مالک کا تلاش کرانا اور ان کے لیے اعلان و منادی کرانا ضروری و لازمی نہیں ہے۔

۳۔ اس حدیث سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مشکوک اور مشتبہ اشیاء سے بچنا تقویٰ وورع ہے۔

اسی کے قریب قریب علامہ نووی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے۔ (شرح مسلم للنووی، ص: ٨٦٠ طبعه دار ابن حزم.)

# لوگوں کا سوال کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟

۹۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( لَا تَزَالُوْنَ تَسْتَفْتُوْنَ حَتّٰى يَقُوْلَ اَحَدُكُمْ : هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ہمیشہ اسی طرح سوال کرتے رہو گے، یہاں تک کہ تم میں سے ایک شخص (یہ بھی) کہہ دے گا کہ یہ اللہ ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، لیکن اللہ کو کس نے پیدا کیا؟''

**شرح الحديث:**......اس فرمان نبوی ﷺ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان کے دل میں ابلیسی قوتوں کے ذریعے ایسے خطرناک اور بھیانک قسم کے وساوس اُبھرتے اور پیدا ہوتے ہیں، جن کا مقابلہ کرنا ایک مسلمان کی طاقت وقوت میں نہیں ہے اور انہی وسوسوں سے مؤمن اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ مثلاً ابلیس کا مسلمان کے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرنا کہ مخلوق کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے، پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا مؤمن ومسلمان بندے کو چاہیے کہ ایسے خطرناک وساوسِ شیطانیہ پر غور وفکر اور ان کا تذکرہ کرنے کی بجائے ان سے اعراض کرے، تا کہ اپنے ایمان کو صحیح سلامت رکھ سکے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ایسے شیطانی خیالات سے محفوظ رہنے کے لیے ایک آسان اور خوبصورت ترین فارمولا بتایا ہے، چنانچہ صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (( فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَ لْيَنْتَهِ ))

(صحيح بخاری، كتاب بدء الخلق، رقم: ۳۲۷۶، صحيح مسلم، رقم: ۲۱٤.)

''جب کسی کو ایسا تردّد لاحق ہو جائے تو وہ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اپنی توجہ اس وسوسہ سے ہٹالے۔''

نیز ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایسا معاملہ درپیش آجائے تو اس سے اعراض کرتے ہوئے کلمۂ توحید کا ورد کرنا چاہیے، تا کہ اپنے ایمان کو سالم رکھا جا سکے، وہ کلمۂ توحید یہ ہے۔ (( آمَنْتُ بِاللّٰهِ )) یعنی ''میں اللہ

(۹۵)...... صحيح بخاری، كتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس و جنوده، رقم: ۳۲۷٦۔ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الـوسوسة فى الإيمان و ما يقول من وجدها، رقم : ۲۱۲، ۲۱۳/ ۱۳٤، ۲۱۵/ ۱۳۵۔ مسند احمد: ۱٦/ ۸۸، رقم: ۸۱۹۲/ ۹۸، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به ابو هريرة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، قال: ...... ۔

پر ایمان لایا۔'' (صحيح مسلم، كتاب الايمان، رقم: ٢١٢.)

لہٰذا اس ساری تشریح سے معلوم ہوا کہ شیطان مسلمانوں کے دل میں ایسے خطرناک وساوس پیدا کر کے انہیں اس گمراہی کے بھنور میں پھنسانا چاہتا ہے کہ جب ساری مخلوقات کا خالق اللہ ہے تو اس کی تخلیق کرنے والا بھی تو کوئی نہ کوئی ضرور ہونا چاہیے۔

مولانا داؤد راز رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''شیطان یہ وسوسہ اس طرح ڈالتا ہے کہ دنیا میں سب چیزیں علل اور معلومات اور مسببات ہیں یعنی ایک چیز سے دوسری چیز پیدا ہوتی ہے، وہ چیز دوسری سے۔ مثلاً بیٹا باپ سے، باپ دادا سے، دادا پردادا سے، اخیر میں انتہا خدا تک ہوتی ہے، تو شیطان یہ کہتا ہے پھر خدا کی بھی کوئی علت ہوگی، اس مردود کا جواب ''اعوذ باللّٰه'' پڑھنا ہے۔ اگر خواہ مخواہ عقلی جواب ہی مانگے تو جواب یہ ہے کہ اگر ازل میں برابر علل اور معلولات کا سلسلہ چلا جائے اور کسی علت پر ختم نہ ہو، تو پھر لازم آتا ہے کہ ''ما بالعرض'' بغیر ''ما بالذات'' کے موجود ہو اور یہ محال ہے۔'' (شرح صحيح بخاری: ٤/٥٩٥.)

مذکورہ تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کی انتہاء ایک ایسی ذات پر ہوتی ہے جو ''علت محضه'' ہے اور کسی کی معلول نہیں، بلکہ وہ موجود بالذات ہے اور اپنے وجود میں کسی کی کوئی محتاج نہیں۔ اور اسی ذات کا نام ''اللہ'' ہے جو سب کا خالق ہے اور اس کا کوئی خالق نہیں، وہ سب سے پہلے ہے اس سے پہلے کوئی نہیں، اس کا موجود ہونا ضروری ہے اور عدم محال ہے۔ پس ایک مسلمان شخص کو چاہیے کہ بجائے عقلیات میں پڑنے کے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے تاکہ وہ اس کی نصرت کر کے اسے شیطانی وساوس سے دور کر دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ﴾ (بنی آسرائیل: ٦٥)

''یعنی اے شیطان! میرے خاص بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہے۔''

## حدیث سے مستنبط مسائل وفوائد:

١۔ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ بلا ضرورت کثرت سے سوال نہ کیے جائیں، اور وہ بھی ایسے سوال جو ناجائز ہوں۔ (طرح التثريب: ٨/١٦٣.)

٢۔ اس حدیث میں ایک پیشین گوئی کی جا رہی ہے، جس کا ہونا یقینی ہے، جیسا کہ روایات حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

اس کی تائید میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح مسلم کی روایات پیش خدمت ہیں کہ واقعی لوگوں نے ایسے سوال کرنے شروع کر دیئے تھے:

## پہلی حدیث:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَزَالُ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَكُمْ عَنِ الْعِلْمِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَنَا فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ .))

''لوگ تم سے بحثیں کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے: ہمیں اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟''

راوی کہتے ہیں: حدیث بیان کرتے وقت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کسی شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: مجھ سے دو شخص یہی سوال کر چکے ہیں اور یہ تیسرا ہے یا کہا: مجھ سے ایک شخص یہ سوال کر چکا ہے اور دوسرا یہ ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۲۱۵/ ۱۳۵)

## عصریات:

۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صادق و مصدوق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات صداقت پر مبنی ہوتی ہے۔ آپ کا کوئی فرمان عالیشان جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا منکرین حدیث کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔

۲۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اظہار کرتے ہوئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمانا ((صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ)) ''اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سچ فرمایا۔'' اس بات کی برہان قاطع ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہیں: ((وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ۳،۴)

''اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں۔ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے۔''

اور سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء: ۱۱۳)

''اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کیا ہے۔'' یعنی قرآن و سنت۔

صاحب ''فتح البیان'' لکھتے ہیں: یہ آیت دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحی ہوتی تھی جو آپ کے دل میں ڈال دی جاتی تھی۔ (بحوالہ تیسیر الرحمن: ۲/ ۱۴۸۷)

یہ ایک جملہ معترضہ تھا جسے بیان کرنا انتہائی ضروری تھا اب آمدم برسر مطلب!

## دوسری حدیث:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَزَالُوْنَ يَسْئَلُوْنَكَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟))

''اے ابو ہریرہ! لوگ تم سے سوالات کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے کہ اللہ تو (خالق المخلوق) ہے لیکن اللہ کو کس نے پیدا کیا؟''

راوی کا کہنا ہے کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔اسی دوران کچھ دیہاتی آئے اور کہنے لگے: اے ابو ہریرہ! اللہ تو (خالق) ہے لیکن اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ سن کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مٹھی بھر کنکریاں ان کی طرف پھینکیں اور کہا: چلو یہاں سے اٹھو! میرے خلیل (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سچ فرمایا (کہ لوگ مجھ سے ایسے سوال کریں گے)

(صحيح مسلم، كتاب الايمان، رقم: ٢١٦/ ١٣٥)

# قسم کا کفارہ

۹۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( وَاللّٰهِ ، لَاَنْ يَّلِجَّ اَحَدُكُمْ بِيَمِيْنِهٖ فِيْ اَهْلِهٖ ، آثَمًاعِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يُّعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِيْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم میں سے کسی شخص کا قسم کی وجہ سے اپنے اہل وعیال سے ترکِ تعلقات پر اصرار کرنا، اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ کی بات ہے کہ (قسم توڑ کر) اس کا کفارہ ادا کیا جائے، جو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم کیا ہے۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ غلط کام پر قسم کھا کر اس پر ڈٹے رہنا کوئی اچھا کام نہیں، بلکہ ایسی قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دینا ہی بہتر ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر والوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا بیٹھے اور اس پر ڈٹا رہے تو اس کا قسم پر ڈٹے رہنا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ کی بات ہے کہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض ولازم کیا ہے۔

حدیث میں لفظ "يَلِجَّ" استعمال ہوا ہے۔ جو "لَجَّ يَلِجُّ لِجَاجَةً وَ لَجَاجَةً" سے ہے۔ جس کے معنیٰ کسی چیز پر اصرار کرنے یا اڑ جانے کے ہیں۔ جیسا کہ ''المصباح'' میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے اہل سے متعلق کھائی ہوئی قسم پر اصرار نہ کرے، یعنی ان سے قطع رحمی، رشتہ داری توڑنے اور بول چال ختم کرنے پر اصرار نہ کرے۔ اور پھر اس قسم کو توڑے بھی نہیں کہ بعد میں کفارہ ادا کرے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "لجاج" لغت میں کسی چیز پر اصرار کرنے کو کہتے ہیں۔
(شرح مسلم للنووی، ص: ۱۲۶۵)

---

(۹۶)...... صحیح بخاری، کتاب الإیمان والنذور، باب قول الله تعالیٰ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ رقم: ۶۶۲۵/۲۶، حدثنا اسحاق بن ابراهیم، اخبرنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا به ابوهريرة عن النبی ﷺ......۔ صحیح مسلم، کتاب الأیمان، باب النهی عن الإصرار علی الیمین، فیما یتأذی به اهل الحالف مما لیس بحرام، رقم: ۱۶۵۵، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق بن همام: حدثنا معمر، عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن محمد رسول الله ﷺ فذكر احادیث منها وقال: قال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۸۸/۱۶، ۸۹، رقم: ۸۱۹۳/ ۹۹۔ مصنف عبدالرزاق، باب الیمین مما یصدقك صاحبك، رقم: ۱۶۰۳۶۔ شرح السنه، کتاب الأیمان، باب من حلف علی الیمین فرأی غیر ها خیرًا منها یتحلل و یکفر، رقم: ۲۴۳۷۔ سنن الکبریٰ، کتاب الأیمان، باب من حلف علی یمین فرأی خیرا منها فلیات الذی هو خیرو لیکفر عن یمینه: ۳۲/۱۰.

مزید فرماتے ہیں: ''جب کوئی شخص اپنے اہل وعیال سے متعلق قسم کھا بیٹھے اور آپس میں قسم کے نہ توڑنے کے سبب ضرر وتکلیف پہنچے تو ایسے وقت میں قسم کا توڑ لینا گناہ نہیں، بلکہ اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ قسم توڑ ڈالے اور اس کا کفارہ ادا کردے۔ (اس کے برعکس) اگر وہ یہ کہے کہ میں گناہ میں ملوث ہونے کے ڈر سے اپنی قسم کو توڑنے کی بجائے پورا کروں گا، تو یہ اس کی فاش غلطی ہے، بلکہ اس کا قسم نہ توڑنا اور اپنے اہل وعیال کو تکلیف ونقصان پہنچانے پر اڑے رہنا قسم توڑنے سے زیادہ گناہ کی بات ہے۔''

نیز فرماتے ہیں: ''مختصر یہ کہ اس کے لیے قسم توڑنا لازم ہے اور قسم توڑنے سے وہ گناہ گار نہیں ٹھہرے گا۔''

اس تفسیر کے مطابق لفظِ ''آثـــــم'' کی توجیہہ یہ ہے کہ یہ لفظ قسم کھانے والے کے گمان اور وہم کے مقابلہ میں اطلاق کیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ اس کے وہم میں وہ قسم توڑنے پر گناہ گار ٹھہرے گا، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر وہ قسم توڑنے کی وجہ سے گناہ گار ٹھہرتا ہے تو قسم نہ توڑنے کی وجہ سے اس سے بھی زیادہ گناہ گار ٹھہرے گا۔'' (حوالہ ایضاً)

بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص یہ ارادہ رکھتا ہو کہ جب وہ کسی چیز پر قسم کھائے گا تو اس پر اڑا رہے گا اور وہ قسم اس کے اہل سے متعلق ہو، تو اس شخص کا اس پر اڑا رہنا اسے گناہ میں داخل کر دے گا اور (جب تک) وہ قسم توڑ کر کفارہ ادا نہیں کرے گا (تب تک) وہ گناہ کی طرف اور بڑھے گا۔ کیونکہ اس شخص نے بذریعۂ قسم اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے گھر والوں کے ساتھ نیکی نہ کرنے میں ڈھال بنا کر اس پر اصرار کرتا چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ﴾ (البقرة: ٢٢٤)

''اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کی ڈھال نہ بنایا کرو۔''

(فتح الباری: ٦٣٣/١١۔ إکمال إکمال المعلم: ٣٨٢/٤.)

حافظ ابن العراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قسم میں حانث ہونے سے پانچ قسم کے احکام منعقد ہوئے ہیں، جن سے کسی کام کا کرنا یا چھوڑنا ثابت ہوتا ہے، اور جس چیز سے متعلق قسم کھائی گئی ہے، اس کا حکم (بھی) تبدیل نہیں ہوگا۔''

**احکام خمسہ درج ذیل ہیں:**

١۔ اگر وہ قسم کسی فرض اور واجب کام کے کرنے یا حرام کام کے چھوڑنے پر کھاتا ہے تو اس کی یہ قسم اطاعت ہے، اور اس پر قائم رہنا واجب اور اسے توڑنا گناہ ہے، اور اس پر کفارہ بھی واجب ہے۔

٢۔ اگر وہ واجب (کام) کے ترک کرنے اور حرام کام کے کرنے پر قسم کھاتا ہے تو یہ معصیت اور گناہ ہے، اور اس (حالف) پر قسم توڑنا اور ساتھ کفارہ دینا بھی واجب ہے۔

۳۔ اگر وہ نفلی کام کے کرنے پر قسم کھاتا ہے جیسے نفلی نماز اور صدقہ وغیرہ، تو اس پر قائم رہنا اطاعت، اور اس کی مخالفت کرنا مکروہ ہے۔

۴۔ اگر وہ نفلی کام کے نہ کرنے پر قسم کھاتا ہے تو ایسی قسم کھانا بھی مکروہ اور اس پر قائم رہنا بھی مکروہ ہے۔ اور سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ قسم توڑ دے۔ چنانچہ ابو حامد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے متعلق بہت ساری چیزیں گنوائی ہیں۔ مثلاً اچھا کھانا نہ کھانے کی قسم، عمدہ لباس نہ پہننے کی قسم وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ اگر وہ مباح کام کے کرنے پر قسم کھاتا ہے مثلاً گھر میں داخل ہونے کی قسم، لباس پہنے کی قسم اور کھانا کھانے کی قسم وغیرہ، یا اس کے برعکس ان سارے کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھاتا ہے، تو اس میں قسم کھانے والے کے لیے فضیلت یہ ہے کہ وہ قسم پوری کرے یا پھر اسے توڑ ڈالے۔ اس کے لیے فضیلت اس بات میں ہے کہ وہ قسم کو پورا کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا﴾ (النحل: ۹۱)

''اور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد مت توڑو۔''

کیونکہ قسم نہ توڑنے میں اللہ کے نام کی تعظیم ہے۔ (طرح التثریب: ۷/۱٦٤، ۱٦٥.)

## کفارہ قسم:

کفارۂ قسم یہ ہے۔

(۱) دس مساکین کو درمیانی درجے کا کھانا کھلانا۔

(۲) دس مساکین کو درمیانے درجے کے کپڑے دینا۔

(۳) ایک غلام آزاد کرنا۔

(۴) تین دن کے مسلسل روزے رکھنا۔ اگر پہلی تینوں صورتیں نہ ہوں (المائدہ: ۸۹)

## مستنبط مسائل:

۱۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جائز اور نیک کام نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہیے، اگر ایسی قسم کھا لی ہو تو اس کا کفارہ دے دینا چاہیے۔ (کفارہ بیان ہو چکا)

۲۔ اس حدیث میں اگرچہ آدمی کے اہل (گھر والوں) کا ذکر ہے، لیکن اس کا حکم عام ہے خواہ اس قسم کا تعلق انہوں سے ہو یا بیگانوں سے، برابر ہے۔

# دو قسم کھانے والوں کے درمیان قرعہ اندازی

۹۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اِذَا أُكْرِهَ الْاِثْنَانِ عَلَى الْيَمِيْنِ فَاسْتَحَبَّاهَا فَاسْهِمْ بَيْنَهُمَا . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو آدمی قسم کھانے پر مجبور کیے جائیں اور وہ دونوں قسم کھانا پسند کرتے ہوں، تو ان دونوں کے درمیان قرعہ ڈالو۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ میں ''مقدمے'' کی پیشی سے متعلق ایک بنیادی اصول بیان ہوا ہے اور وہ یہ کہ جب دو آدمی (یا کوئی سے دو فریق) اپنے حقِ دعویٰ میں قسم اٹھانا چاہیں خواہ ان کا قسم اٹھانا رضا مندی سے ہو یا مجبوری سے، تو ان دونوں کے مابین حلف اٹھوانے کے لیے قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اور اس قرعہ اندازی میں جس آدمی کے نام قرعہ پہلے نکلے گا، وہ پہلے حلف اٹھائے گا اور پھر بعد میں دوسرا آدمی حلف اٹھائے گا۔ مطلب یہ کہ پورے عدل و انصاف اور مساوات کا معاملہ برتا جائے قطعِ نظر ترجیحات کے یعنی ایسا نہ ہو کہ ایک کو دوسرے پر فوقیت دے کر اس سے حلف اٹھوا لیا جائے۔

چنانچہ بعض اہل علم فرماتے ہیں: ''جب دو آدمیوں کے درمیان کسی چیز میں نزاع پڑ جائے لیکن وہ چیز ان دونوں کے پاس موجود نہ ہو اور نہ ہی وہ اس پر کوئی دلیل رکھتے ہوں، تو ایسی صورت میں ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی، جس کا قرعہ (پہلے) نکل آیا وہ قسم اٹھا کر اس چیز کو حاصل کر لے گا۔'' (طرح التثریب: ۸۷/۸.)

اور امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''حدیث میں "إکراہ" سے مراد حقیقی ''اکراہ''

(**۹۷**)...... صحيح بخارى، كتاب الشهادات، باب اذا تسارع قوم فى اليمين، رقم: ۲٦۷٤۔ سنن ابو داود، كتاب الأقضية، باب الرجلين يدعيان شيئا و ليس لهمابينة، رقم: ۳٦۱٦، حدثنا احمد بن حنبل، و سلمة بن شبيب، قالا حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر، عن همام بن منبه، عن ابى هريرة، عن النبى ﷺ قال: ...... وذكر ان رواية سلمة : "اذا اكره" ۔ مسند احمد: ۱٦/ ۸۹، رقم: ۸۱۹٤/ ۱۰۰۔ سنن الكبرىٰ، كتاب الدعوى و البينات، باب المتداعيين يتنازعان المال: ۲۵۵/۱۰۔ مصنف عبدالرزاق، باب الرجلين يدعيان السلعة يقيم كل واحدٍ منهما البينة: ۲۷۹/۸۔ شرح السنه، كتاب الإمارة و القضاء، باب اذا توجه اليمين على جماعة بقرع بينهم: ۱۰۹/۱۰.

نہیں ہے، اس لیے کہ کسی انسان کو قسم اٹھوانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب قسم کو ان پر پیش کیا جائے اور وہ دونوں قسم اٹھانے کو تیار ہو جائیں، اگرچہ وہ قلبی طور پر اسے مکروہ سمجھیں۔ اور استحباب کے معنیٰ ہیں، ایسی صورت میں وہ دونوں قسم اٹھانے کو دل سے اچھا سمجھ رہے ہوں، اور اب ان میں جھگڑا اس بات کا ہے کہ پہلے قسم کون اٹھائے گا، تو اس قسم کو اٹھانے کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے یہی مراد ہے۔'' (فتح الباری: ٥/٣٥٢۔ معالم السنن از خطابی: ٤/ ٣٩.)

# حدیث مصراۃ

۹۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( إِذَا مَا اشْتَرٰى اَحَدُكُمْ لُقْحَةً مُّصَرَّاةً اَوْ قَالَ: شَاةً مُصَرَّاةً ، فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلُبَهَا ، اِمَّا هِيَ ، وَ اِلَّا فَلْيَرُدَّهَا وَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مصرّاۃ (جس جانور کا تھنوں میں دودھ روک دیا گیا ہو) اونٹنی یا بکری خریدے، تو دودھ دوہنے کے بعد اسے دو چیزوں میں سے بہتر کے انتخاب کا اختیار ہے، چاہے تو اسے اپنے پاس رکھ لے یا پھر واپس کر دے، اور دودھ دوہنے کے عوض میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجوریں بھی دے۔''

**شرح الحديث:**...... مذکورہ بالا یہ فرمانِ نبوی ﷺ خرید وفروخت سے متعلق ہے اور اس میں خریدار کی آسانی وسہولت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی صاحب ایسے جانور کی خریداری کرے، جس کے تھنوں میں دودھ روک دیا گیا ہو (اور وہ ہو بھی اسے دھوکا دینے کے لیے) تو خریدار کو اختیار ہے کہ اگر وہ اپنے لیے اس جانور کو موزوں سمجھے تو رکھ لے، وگرنہ تین روز کے اندر اندر دودھ دوہ لینے کے بعد اس کے مالک کو لوٹا دے۔ اور ساتھ میں اس مالک کو دودھ دوھنے کے عوض ایک صاع کھجور بھی دے دے۔ چاہے وہ دودھ مقدار میں کم ہو یا زیادہ۔

یہ تھا اس حدیث کا مفہوم، جو ہم نے سطورِ بالا میں ذکر کر دیا ہے۔ احناف نے مذکورہ حدیث کو ''زیرِ عمل'' لانے کی بجائے بعض بے بنیاد اور فضول قسم کی توجیہات کرتے ہوئے ردّ کر دیا ہے۔ وہ اصول اور توجیہات درج ذیل ہیں:

---

(**۹۸**)...... صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب النهی للبائع ألا یحفل الإبل و البقر و الغنم و کل محفلة، رقم: ۲۱۵۰، ۲۱۴۸، ۲۱۵۱۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب حکم بیع المصراة، رقم: ۱۵۲۴/۲۸، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهریرة عن النبی ﷺ فذکر احادیث منها وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۹۰/۱۶، رقم: ۱۰۱/۸۱۹۵۔ سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جآء فی المصراة، رقم: ۱۲۵۱۔ سنن الکبریٰ، کتاب البیوع، باب الحکم فیمن اشتریٰ مصراة، رقم: ۱۰۷۱۳۔ شرح السنه، باب بیع المصراة وغیره، رقم: ۲۱۰۰۰ وقال: هذا حدیث صحیح.

۱۔ یہ حدیث خلافِ قیاس ہے۔

۲۔ اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو غیر مجتہد اور غیر فقیہہ ہیں، اور ایسے صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت اگر خلاف قیاس ہوتو قابل قبول نہیں ہوتی۔

۳۔ یہ حدیث مضطرب ہے کہ کبھی کھجور، دودھ، گندم وغیرہ کا ذکر ہے۔

۴۔ یہ حدیث منسوخ ہے۔

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ خریدار ''مصراۃ'' کو واپس نہیں لوٹا سکتا، اس لیے کہ دودھ روکنا عیب نہیں ہے، البتہ فروخت کارنے اس سے جو مکر وفریب کیا ہے اور اس وجہ سے خریدار کو عرفی قیمت سے زیادہ قیمت لگانے کا جو نقصان ہوا ہے، اس حوالہ سے وہ فروخت کار سے زیادہ قیمت واپس لے سکتا ہے۔'' (عمدة القاری: ۱۱/۲۷۰.)

یہ احناف کا مذہب ہے، جب کہ حدیث میں واضح لفظ ہیں کہ ایسی صورت میں خریدار کو اختیار ہے چاہے تو وہ جانور واپس کر دے، اور ساتھ میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجور دے یا پھر اس جانور کو اپنے پاس رکھ لے۔

اب اس حدیث میں دو حکم بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ جانور لوٹانے کا اختیار۔

۲۔ دودھ دوہنے کے عوض ایک صاع کھجور دینے کا حکم۔

لیکن احناف نے ان دونوں حکموں سے انکار کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ احناف نے اس حدیث کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے غیر فقیہہ ہونے کے سبب اور اس حدیث کے خلافِ قیاس ہونے کی وجہ سے رد کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جو صحابی غیر مجتہد ہو، اور اس کی روایت قیاس کے خلاف ہو تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوتی، جیسا کہ فقہ حنفی کے مشہور امام محمد بن احمد سرخسی نے لکھا ہے: ''(سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت قیاسِ صحیح کے خلاف ہو اس پر عمل نہیں ہوتا۔'' (المبسوط: ۱۴/۴۰.)

نیز علامہ ابو بکر جصاص اور صاحبِ ''اصول الشاشی'' وغیرہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق لکھتے ہیں: ''جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ عادل اور ضابط تھے، مگر فقیہہ اور مجتہد نہ تھے۔''

(الفصول فی الأصول: ۳/۱۳٦۔ اصول الشاشی، ص: ۲۷۵ .)

علامہ نسفی حنفی اور قوام الدین کا کی حنفی لکھتے ہیں: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات تب تک قابل قبول ہیں جب تک خلافِ قیاس نہ ہوں، اگر قیاس کے مخالف آ جائیں تو قیاس ان پر مقدم ہوگا۔''

(کشف الاسرار: ۲/۲٦۔ جامع الاسرار: ۳/٦٦۸.)

## کیا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ تھے؟

آیا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واقعتاً غیر فقیہہ اور غیر مجتہد تھے، جیسا کہ علماء احناف کا کہنا ہے، یا حقیقتِ حال اس کے برعکس ہے؟

سیدنا ابو ہریرہ کے اجتہاد و فقاہت کا انکار کرنا گویا علم حدیث اور علم روایت کے مطالعہ کی کمزوری اور نقص کا نتیجہ ہے، ورنہ جو شخص فرامین نبوی ﷺ پر نظر رکھتا ہو، اس کے لیے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور اجتہاد کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں دوسرے مفتیان صحابہ کی طرح برابر کے مفتی تھے۔ اور اس حقیقت کا اعتراف تو خود علماء حنفیہ نے بھی کیا ہے، جنہوں نے علم حدیث پڑھ کر جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کو عمیق نظر سے دیکھا، چنانچہ ہم ان سے بھی بعض عبارات کا (طوالت کے خوف سے) ذیل کی سطور میں صرف اردو ترجمہ پیش کرنے پر اکتفاء کر رہے ہیں۔

## ایک عبرت ناک واقعہ:

قاضی ابو طیب بیان کرتے ہیں کہ ہم جامع منصور میں ایک علمی مجلس میں تھے کہ ایک خراسانی نوجوان آیا اور مصراة کے مسئلے کے بارے میں سوال کیا اور دلیل طلب کی تو دلیل میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی۔

چونکہ وہ حنفی تھا، اس نے کہا کہ ابو ہریرہ کی حدیث قابل قبول نہیں، اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ مسجد کی چھت سے ایک بڑا سانپ گرا اور اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ وہ آگے آگے دوڑا جا رہا ہے اور سانپ اس کے پیچھے پیچھے۔ تو لوگوں نے اس سے کہا کہ توبہ کر، جب اس نے توبہ کی تو سانپ غائب ہو گیا۔''

(سير أعلام النبلاء: ٢/ ٦١٨ - ٦١٩ - العرف الشذی از مولانا انور شاه کشمیری: ١/ ١٤٨)

## سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت کے متعلق بعض احناف کے اقوال:

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اپنے پیچھے ایک لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر فوت ہوئے ہیں، جن میں فقہاء کی تعداد بیس سے زیادہ کو نہیں پہنچتی، مثلاً خلفاء اربعہ، عبادلہ اربعہ، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، انس، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور کوئی چند ایک، اور باقی سب کا رجوع انہی کی طرف تھا اور انہی سے فتویٰ دریافت کیا کرتے تھے۔''

(فتح القدير شرح هدايه: ٢/ ١٤١.)

علامہ عبدالعزیز بخاری حنفی نے تو اجتہاد و فقاہت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اقرار کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی تردید بھی کی ہے، جنہوں نے ان کی فقاہت و اجتہاد کا انکار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''ہم یہ بات نہیں مانتے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہہ تھے، بلکہ (ہم تو یہ کہتے ہیں کہ) وہ فقیہہ تھے، اور اجتہاد کے اسباب میں سے کوئی سبب ایسا نہ تھا جو ان میں نہ پایا جاتا ہو۔ نیز وہ دورِ صحابہ کے مفتی تھے، اور وہ ایسا دور تھا کہ جس میں، سوائے فقیہہ اور مجتہد کے اور

کوئی (شخص) فتویٰ صادر نہیں کرسکتا تھے۔''

نیز ان کی کچھ فضیلت بیان کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں: ''امام اسحاق حنظلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے پاس احکام میں کل تین ہزار احادیث ثابت ہوئی ہیں، جن میں سے ڈیڑھ ہزار جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں......لہٰذا ان سے مروی حدیث کو قیاس سے رد کرنا درست نہیں۔''

(کشف الاسرار، شرح اصول بزدوی: ۲/۷۰۳، مطبوعہ مصر)

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا حوالہ جات، جو فقہاء احناف کی معتبر کتب سے نقل کیے گئے ہیں، سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک عام فقیہہ نہیں، بلکہ ایک بلند پایہ فقیہہ اور مجتہد تھے۔ اور احناف کے جن فقہاء نے ان کے اجتہاد و فقاہت کا انکار کیا ہے، وہ محض علم حدیث میں کمزور ہونے کے سبب کیا ہے۔ آخر میں یہ بات واضح رہے کہ راوی کے فقیہہ ہونے کا یہ اصول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وضع کردہ نہیں، بلکہ عیسیٰ بن ابان کا وضع کردہ ہے، جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

چنانچہ صاحبِ نور الانوار رقمطراز ہیں: ''راوی کے فقیہہ اور عادل ہونے کا یہ فرق عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے اور اکثر متاخرین نے اس کی پیروی کی ہے، لیکن امام کرخی اور ہمارے اصحاب میں سے متبعین کے نزدیک راوی کی فقاہت شرط نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث قیاس پر مقدم ہے، بلکہ ہر ایک حدیث جو عادل راوی کی روایت سے ہو۔ قیاس پر مقدم ہوگی۔ جبکہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ مشہورہ کے مخالف نہ ہو۔'' (نور الانوار، ص: ۱۷۹، ۱۸۰.)

اس پر مستزاد علامہ عبدالعزیز بخاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''راوی کے فقیہہ ہونے کی یہ شرط سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات من گھڑت اور بدعت ہے۔''

(کشف الاسرار، شرح اصول بزدوی: ۲/۷۰۳، مطبوعہ مصر.)

بہرحال مذکوہ بالا حوالہ جات سے یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ (محدثین کے علاوہ) احناف بھی اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ راوی کے فقیہہ ہونے کا یہ اصول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقرر کردہ نہیں ہے، بلکہ عیسیٰ بن ابان کی ایجاد ہے۔ اور اس سے قبل کسی بھی امام نے یہ اصول بیان نہیں کیا۔

## یہ حدیث قیاس کے مخالف نہیں ہے:

**اوّلاً:** ''اصول شرعیہ'' بنیادی طور صرف دو ہیں۔ ۱۔ کتاب اللہ۔ ۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جہاں تک بقیہ دو مصادر شرعیہ یعنی اجماع اور قیاس کا تعلق ہے تو وہ دونوں ان کے تابع ہیں اور انہی کی طرف انہیں لوٹایا جاتا ہے۔ لہٰذا سنت (بنفسہ) اصل ہے اور قیاس اس کی فرع ہے، اور کسی چیز کی اصل کو اس کی فرع سے رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کوئی اصل اپنے ہی فرع کے خلاف ہو، یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

**ثانیاً:** ہم مذکورہ حدیث میں ''صـاعـاً من تمرٍ ''یعنی اگر خریدار جانور واپس کرنا چاہے تو ساتھ میں ایک صاع کھجور دے''۔ کا حکم بھی موجود ہے جو مقدار کا بیان ہے۔ اور یہ بات واضح رہے کہ مقادیر کا تقرر قیاس سے نہیں ہوا کرتا، بلکہ وہ ایک حکم شرعی ہے، جس کو صرف اللہ اور رسول مقرر کر سکتے ہیں۔ البتہ قیاس سے کسی حکمِ شرعی کی علت و حکمت کو تو سمجھا جا سکتا ہے، مگر احکام اور مقادیر شرعیہ کو اس سے مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ احکام اور مقادیر شرعیہ کو قیاس کے ذریعہ مقرر کیا جا سکتا ہے، تو پھر منصبِ تشریعی میں برابری عین لازم ہو جائے گی (العیاذ باللہ) اور یہ بات ہر دو فریق کے مابین مسلّم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کوئی شخص منصبِ رسالت پر فائز نہیں ہوسکتا۔

آخر میں ہم علمائے احناف سے یہ سوال کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک غیر فقیہہ صحابی کی روایت اگر مخالف قیاس آ جائے تو اس پر قیاس کو ترجیح ہوتی ہے، جبکہ ایک مجتہد او رفقیہہ صحابی کی روایت اگر مخالف قیاس آ جائے تو اسے قیاس پر ترجیح ہوتی ہے۔ تو اب اگر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے عین مطابق ایک اعلیٰ درجے کا مجتہد اور فقیہہ بھی یہی فتویٰ دے، تو پھر تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوری فقاہت کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اور یہ مذکورہ روایت قیاس کے مخالف بھی نہیں ہے؟

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کہ فقہاء احناف کے ہاں ایک بلند پایہ فقیہہ اور مجتہد صحابی مانے جاتے ہیں، سے بھی ایسا ہی فتویٰ منقول ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے احناف کا رد کرنے کے لیے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے معاً بعد جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کیا ہے:

(( مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا ، وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ اَنْ تُلْقَّى الْبُيُوْعَ . ))

''جو شخص ''مصراۃ'' بکری خریدے اور اسے واپس کرنا چاہیے تو (اصل مالک) کو اس کے ساتھ ایک صاع (کھجور) بھی دے۔ اور نبی ﷺ نے قافلہ والوں سے (جو مال بیچنے کو لائیں) آگے بڑھ کر خریدنے سے منع فرمایا۔'' (صحیح بخاری، کتاب البیوع ، رقم: ٢١٤٩.)

جو شخص تعصب کا چشمہ اتار کر اسے پڑھے گا، وہ حقیقت تسلیم کیے بغیر نہیں رہے گا کہ واقعتاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ فقیہہ اور مجتہد بھی تھے، نیز اس فتویٰ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد نہیں، بلکہ ایک جلیل القدر فقیہہ اور مجتہد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی ان کی تائید کر

رہا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کے ظاہر کو جمہور اہل علم نے لیا ہے، اور اسی حدیث کی بنیاد پر سیّدنا ابن مسعود اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا۔ اور صحابہ کی جماعت میں سے کوئی (بھی) ان کے مخالف نہیں۔ اور اسی کے مطابق تابعین اور بعد کے ائمہ نے (بھی) فتویٰ دیا، جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔''

(فتح الباری: ٤/ ٣٦٠)

البتہ جو شخص نگاہِ تعصب اور تقلیدی رنگ سے اسے پڑھے گا، اس کے لیے حقیقت تک رسائی مشکل ہے کیونکہ تقلید ایک ایسی مضبوط عمارت ہے جس کا بند دلائل و براہین کی قوتِ قاہرہ وساطعہ سے بھی بمشکل ٹوٹتا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ تقلید ''شرعی اصول'' کے سراسر مخالف ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ تقلید ''شرعی اصول'' کی ضد ہے اور قباحتِ تقلید کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تقلیدی شخص قرآن وسنت کو اپنا محورِ حیات سمجھنے کی بجائے، قولِ امام یا فہمِ امام کو اپنا محورِ حیات سمجھ بیٹھتا ہے، اگرچہ اس کا ظاہری دعویٰ اس سے متضاد ہی کیوں نہ ہو۔

## یہ حدیث مضطرب نہیں:

کیونکہ اس حدیث کی صحیح سندوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جس کی وجہ سے اسے مضطرب کہا جائے۔ اور ضعیف میں اضطراب ہے۔ پس ضعیف کی وجہ سے صحیح کو کیوں کر اضطراب کے زیرِ عتاب لایا جا سکتا ہے۔

## یہ حدیث منسوخ بھی نہیں:

اس حدیث کے منسوخ ہونے کی بات کرنا جہالت کی بات ہے۔ اس کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

## آخری گذارش:

یاد رہے کہ اصل صرف کتاب وسنت ہے اس کے برعکس فرع ہے۔ اصل کو فرع کے ساتھ رد کرنا بے وقوفی، مردود اور باطل عمل ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت قیاس کے عین مطابق اور اس کے راوی فقیہ الامۃ کے لقب سے ملقب ہیں۔ یہ حدیث مضطرب ہے اور نہ منسوخ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اعلام الموقعین: ٢/ ٢٢٠-٢٥٥)

# بوڑھے شخص میں طول عمر اور کثرت مال کی تمنا

۹۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اَلشَّيْخُ شَآبٌّ عَلٰى حُبِّ اثْنَتَيْنِ : طُوْلِ الْحَيٰوةِ وَكَثْرَةِ الْمَالِ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بوڑھا آدمی دو چیزوں کی محبت میں جوان ہوتا ہے: ا۔لمبی زندگی، ۲۔ مال کی کثرت۔''

**شرح الحديث**: ......اس فرمان نبوی ﷺ میں دو چیزوں کی مذمت بیان ہوئی ہے۔اول یہ کہ لمبی زندگی کی امید اور خواہش رکھنا۔ دوم: یہ کہ کثرتِ مال کی تمنا رکھنا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''بوڑھے آدمی کا دل مال و دولت کو کثرت سے چاہتا ہے اور اس مال میں وہ خودمختاری سے تصرف کرتا ہے، جیسا کہ ایک جوان آدمی اپنی جوانی میں خودمختاری سے مال خرچ کرتا ہے۔'' (جس طرح چاہتا ہے مال اڑاتا ہے، اور ساتھ ساتھ کثرتِ مال کا خواہش مند بھی ہوتا ہے)(شرح مسلم للنووی، ص: ۸۰۱ .)

اور بعض اہل علم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں بوڑھے شخص کی محبت کو (مذکورہ) دو چیزوں سے خاص کرنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں، جنہیں ابن آدم چاہتا اور پسند کرتا ہے۔اس کے علاوہ (ہر) بنی آدم ان دو چیزوں کی بقاء میں (پوری طرح) راغب ہوتا ہے۔اور مال کی محبت تو ابن آدم کی صحت کو دوام بخشنے کے لیے بڑے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے، جس سے اس کی عمر میں طوالت پیدا ہوتی ہے۔لہٰذا بوڑھا شخص جب محسوس کرتا ہے کہ وہ دونوں چیزیں اس سے ختم ہونے کو ہیں تو وہ ان کے حصول کی پوری رغبت کرتا ہے، اور اس (کے دل) میں ان اشیاء کی محبت اور تیز ہوتی ہے۔''(فتح الباری: ۱۱/۲۹۰.)

حافظ العراقی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ''اس حدیث میں لمبی زندگی کی امید رکھنے اور مال کے جمع میں حرص کرنے پر مذمت بیان ہوئی ہے۔اور یہ حدیث مال دار شخص کے لیے فضیلت صدقہ اور فقیر شخص کے لیے

(۹۹) ...... صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من بلغ ستین سنة فقد أعذر الله الیه فی العمر، رقم: ۶٤۲۰، ۶٤۲۱۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰة، باب کراهیة الحرص علی الدنیا، رقم: ۱۰٤۶/۱۱۳، ۱۰٤۷/۱۱۵۔ مسند احمد: ۱۶/۹۱، رقم: ۸۱۰۶/ ۱۰۲، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به أبوهریرة عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ، قال: ......۔ شرح السنه، باب طول الأمل و الحرص، رقم: ٤۰۸۸، ٤۰۸۹.

سوال سے بچنے کا تقاضا کرتی ہے۔'' (طرح التثریب : ٤/٨٢.)

## انسان کا منہ تو قبر کی مٹی ہی بھرے گی:

انسان بڑھاپے کے باوجود دنیا پرستی کی خواہش میں لگا رہتا ہے اور اس کی اس ہوس اور خواہش کو صرف قبر کی مٹی ہی پورا کر سکتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر انسان کے پاس ایک وادی سونے کی ہو تو وہ (اس پر قناعت نہیں کرے گا بلکہ) چاہے گا کہ اس کے پاس دو وادیاں ہوں، اس کا منہ تو (قبر کی) مٹی ہی بھرے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جو اس سے توبہ کرتا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، رقم: ٦٤٣٦۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، رقم: ١٠٤٩)

## نیکوکار لوگ اور لمبی زندگی:

مومن لوگوں کو موت کی آرزوں سے روکا گیا ہے، اس لیے کہ ایک مومن کے لیے عمر میں زیادتی ہر صورت میں مفید ہے۔ جتنی زیادہ عمر اس کو ملے گی، وہ نیکیوں میں اتنی ہی ترقی کرے گا، یا کسی معصیت میں مبتلا ہوگا تو شاید اس سے تائب ہونے کا اسے موقع مل جائے۔ پس مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنا دامن زیادہ سے زیادہ نیکیوں سے بھرلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَتَمَنَّى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ ، وَلَا يَدْعُ بِهِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّأْتِيَهُ ، اِنَّهُ اِذَا مَاتَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ ، وَاِنَّهُ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُهُ اِلَّا خَيْرًا . ))

(صحیح بخاری، کتاب المرضی، رقم: ٥٦٧٣۔ صحیح مسلم، رقم: ٢٦٨٢)

''تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے پہلے اس کی دعا کرے، اس لیے کہ جب یہ مرجائے گا تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور مومن کے لیے اس کی عمر میں اضافہ اس کے لیے بھلائی ہی میں اضافے کا باعث ہے۔''

# کسی مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو

۱۰۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( لَا يُشِيْرُ اَحَدُكُمْ إِلٰى اَخِيْهِ بِالسِّلَاحِ ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِىْ اَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِىْ يَدِهٖ ، فَيَقَعَ فِىْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، (کیونکہ) وہ نہیں جانتا کہ ممکن ہے شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار (اسلحہ) چھڑوا دے۔ (اور وہ کسی کو مار بیٹھے) جس کے سبب وہ (مارنے والا) جہنم کے گڑھے میں جا گرے گا۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام انسانوں کو خصوصاً مسلمانوں کو ایسی تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے جو ایک انسان کو جہنم کے گڑھے میں لے جانے والی ہوں۔ مثال کے طور پر جیسا کہ مذکورہ حدیث کا مفہوم بتا رہا ہے کہ کسی شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرے، خواہ وہ اشارہ کرنا حقیقتاً ہو یا مذاق کے طور پر، یا پھر ڈرانے اور دھمکانے کے طور پر ہو۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ ممکن ہے شیطان اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چھڑوا دے اور وہ کسی کو مار بیٹھے جس کی وجہ سے اسے جہنم کے گڑھے میں جانا پڑ جائے۔ بہر حال ہتھیار سے اشارہ کرنا منع وحرام ہے۔ اور اس پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت شاہد ہے، جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتَّى يَدَعَهُ . ))

''جو شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے، فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت کرتے رہتے

(۱۰۰) ...... صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ من حمل علینا السلاح فلیس منا، رقم: ۷۰۷۲، حدثنا محمد: اخبرنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام: سمعت اباهريرة عن النبی ﷺ قال: ......۔ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الآداب، باب النهی عن الإشارة، رقم: ۲۶۱۷/۱۲۶، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۹۱/۱۶، رقم: ۸۱۹۷/۱۰۳۔ مصنف عبدالرزاق، باب ذكر رفع السلاح، رقم: ۱۸۶۷۹۔ شرح السنه، باب النهی عن أن يشير إلی احدٍ بالسلاح، رقم: ۲۵۷۳.

ہیں، جب تک وہ یہ اشارہ کرنا ترک نہیں کر دیتا۔''

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم: ۲۶۱۶.)

اور رسول اللہ ﷺ کا لعنت کرنا اس کام کی حرمت کی دلیل ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ ہتھیار کے طول و عرض میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں ہے، بلکہ ہتھیار چھوٹا ہو یا بڑا بہر حال اس سے اشارہ کرنا منع اور حرام ہے۔ حافظ العراقی رحمہ اللہ کا بھی یہی کہنا ہے۔ (طرح التثریب: ۷/۱۸٤.)

اس پر مستزاد رسول اللہ ﷺ نے ننگی تلوار سونتنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ یعنی اگر کسی کو تلوار وغیرہ دینی ہو تو وہ ننگی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ نیام میں ہونی چاہیے، چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جسے امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُوْلًا .)) (سنن ترمذی، کتاب الفتن، رقم: ۲۱٦۳۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح کہا ہے۔)

''رسول اللہ ﷺ نے نیام سے خالی تلوار تھمانے سے منع فرمایا ہے۔''

''ننگی تلوار، پکڑوانے میں اندیشہ ہے کہ پکڑتے وقت ہاتھ سے چھوٹ جائے، جس سے ہاتھ یا پیر یا جسم کا کوئی اور حصہ زخمی ہو جائے۔ اسی طرح تیز چھری، چاقو وغیرہ ہے، اسے دھار والے رخ کی طرف سے نہیں پکڑنا چاہیے، اسلام نے انسانیت کے احترام میں کتنی باریک بینی سے کام لیا ہے۔''

(ریاض الصالحین: ۲/ ۵۵۸، طبع دارالسلام)

اس حدیث میں ''سدّ ذریعہ'' کا قانون بیان ہوا ہے۔ لہٰذا خطرناک امور میں بے احتیاطی نہیں کرنی چاہیے۔

**حدیث سے مستنبط مسائل وفوائد:**

۱۔ ''سلاح، ہتھیار سے مراد ہے، نیزہ، تیر، تلوار، خنجر، چھری، بندوق، پستول، کلاشنکوف اور موزر وغیرہ۔

۲۔ کسی کام میں بے احتیاطی نہ برتی جائے۔

۳۔ مسلمان بھائیوں کے علاوہ اسلامی مملکت میں رہنے والے ذمی بھی اس حکم میں آجاتے ہیں۔ لہٰذا انہیں بھی ڈرانا حرام ہے۔

۴۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان کی جان مال اور عزت کی حفاظت کرنی چاہیے۔

۵۔ اس حدیث سے سدِ ذریعہ کا بھی اصول وضع کیا جاتا ہے۔

٦۔ ہتھیاروں کی نمائش اور خوشی کے مواقع پر ہوائی فائرنگ کرنا بھی اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

# اللہ تعالیٰ کا ایک کافر قوم پر سخت غصہ

۱۰۱...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اِشْتَـدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ فَعَلُوْا هَنَاةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ) وَهُوَ حِيْنَئِذٍ يُشِيْرُ اِلٰى رَبَاعِيَتِهٖ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر انتہائی سخت غضب ہوا جس نے اس کے رسول کے ساتھ ایسا کیا جب کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے سامنے والے چار دندان مبارک (جو شہید کیے گئے تھے) کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔''

**شرح الحدیث** ......اس فرمان نبوی ﷺ میں غزوہ احد کی طرف اشارہ ہے، کہ اس میں اہل کفر نے نبی مکرم ﷺ کا رخ زیبا زخمی کر دیا اور آپ ﷺ کے سامنے کے چار دندان مبارک شہید کر دیئے۔ جس سے آپ ﷺ کو انتہائی دکھ پہنچا۔ ایسے کافرانہ اور گھٹیا فعل کا ارتکاب کرنے والا شخص عبداللہ بن قمئہ تھا، اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو۔

**حدیث کا تکمیلی مضمون:**

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ احد کے روز خون صاف کرتے ہوئے فرما رہے تھے: ((كَيْفَ يُـفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوْا نَبِيَّهُمْ وَ كَسَرُوْا رَبَاعِيَتَهُ وَ هُوَ يَدْعُوْهُمْ إِلَى اللّٰهِ ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ- عَزَّ وَ جَلَ ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ ))''وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے، جس نے اپنے نبی (ﷺ) کو زخمی کر دیا اور دانت شہید کر دیئے، جب کہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (آل عمران : ۱۲۸) ''(اے نبی!)''ان کافروں کے معاملہ میں

---

(۱۰۱)...... صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ماأصاب النبی من الجراح یوم أحد، رقم: ۴۰۷۳، حدثنا اسحق بن نصر، حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام، سمع ابا هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ : ...... صحيح مسلم، كتاب الجهاد و السير، باب اشتداء غضب الله على من قتله رسول الله ﷺ، رقم: ۱۷۹۳/۱۰۶، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ : ......۔ مسند احمد: ۹۲/۱۶، رقم: ۸۱۹۸/ ۱۰۴۔ شرح السنه، باب دعائه ﷺ المشركين، وصبره على أذاهم: ۲۳۵/۱۳، رقم: ۳۷۵۰.

آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، رقم: ١٧٩١.)

جن لوگوں نے غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کو زخمی کر کے تکلیف پہنچائی، ان لوگوں کے ناموں کی تعیین کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ابن ھشام ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کرتے ہیں: عتبہ بن ابی وقاص وہ شخص ہے جس نے نبی ﷺ کے دانتوں کو شہید کیا اور عبداللہ بن شہاب الزھری وہ شخص ہے جس نے نبی ﷺ کی پیشانی مبارک کو زخمی کیا اور عبداللہ بن قمئہ وہ شخص ہے، جس نے نبی ﷺ کے رخساروں پر زخم لگائے۔'' (فتح الباری: ٧/ ٣٥٦۔ ٣٥٧.)

عبداللہ بن قمئہ نے لپک کر آپ کے کندھے پر ایسی سخت تلوار ماری کہ آپ ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک اس کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔ البتہ آپ کی دوہری زرہ نہ کٹ سکی۔ اس کے بعد اس نے پہلے ہی کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری۔ جو آنکھ سے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں ساتھ ہی اس نے کہا: اسے لے! میں قمئہ (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تجھے توڑ ڈالے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا سن لی، چنانچہ ابن عائذ سے روایت ہے کہ ابن قمئہ جنگ سے گھر واپس جانے کے بعد اپنی بکریاں دیکھنے کے لیے نکلا تو یہ بکریاں پہاڑ کی چوٹی پر ملیں۔ یہ شخص وہاں پہنچا تو ایک پہاڑی بکرے نے حملہ کر دیا اور سینگ مار مار کر پہاڑ کی بلندی سے نیچے لڑھکا دیا۔ (فتح الباری: ٧/ ٣٧٣)

اور طبرانی کی روایت ہے کہ اللہ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا جس نے سینگ مار مار کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (فتح الباری: ٧/ ٣٦٦)

طبرانی میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس روز فرمایا:

''اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کر دیا''

پھر تھوڑی دیر رک کر فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ))

''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتی۔'' (فتح الباری: ٧/ ٣٧٣)

صحیح مسلم کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپ بار بار دہرا رہے تھے:

((رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)) (صحيح مسلم، باب غزوة أحد، رقم: ٤٦٤٦)

اور ''الشفاء'' میں یہ الفاظ ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ)) (كتاب الشفاء للقاضي عياض: ١/ ٨١)

''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ وہ نہیں جانتی۔''

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر بھی دعائیں دیں

## استدلالات محدثین:

بہر حال اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو طرح طرح کی تکالیف سے دو چار ہونا پڑا لیکن وہ تکالیف و مصائب میں مبتلا ہونے کے باوجود انتہائی صبر و استقامت سے کام لیتے رہے اور اپنی قوم کے لیے بخشش کی دعا مانگتے رہے، یہاں تک کہ الٰہی فیصلہ آ پہنچا۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کو بھی چاہیے کہ وہ تکالیف و مصائب میں پوری استقامت و مستقل مزاجی سے کام لیں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجرِ عظیم کے مستحق ٹھہریں۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی شان و شوکت کے مطابق اجر کے مستحق ٹھہرے۔ چنانچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام پر تکالیف آنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی امتیں جان لیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی بشر (انسان) تھے اور انہیں بھی دنیاوی مشقتوں سے دو چار ہونا پڑا۔ نیز ان کے اجسام کو بھی وہ تکالیف آئیں جو ایک انسان کے جسم کو آتی ہیں، تا کہ وہ لوگ یقین کر لیں کہ انبیاء بھی مخلوق ہیں۔'' (طرح التثریب: ۷/۲۱۲، ۲۱۳.)

لیکن صد افسوس کہ امت کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو بجائے انسانی مخلوق سمجھنے کے نورانی مخلوق تصور کرتا ہے، ایسے گروہ کی عقلوں پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ الامان والحفیظ.

# اللہ تعالیٰ کا اس شخص پر سخت غصہ جسے رسول اللہ ﷺ نے قتل کیا

**۱۰۲**...... وَقَالَ :

(( اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهُ عَلٰی رَجُلٍ يَّقْتُلُهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . ))

**ترجمة الحديث**: ...... ''اور (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر انتہائی غضب ناک ہوا، جسے اللہ کے رسول (ﷺ) نے اللہ کی راہ میں قتل کیا۔''

**شرح الحديث**: ......اس حدیث کا تعلق بھی گذشتہ حدیث کی طرح غزوۂ احد سے ہے، لیکن اس سے سردارِ قریش اُبی بن خلف کے قتل کی طرف اشارہ ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے خود قتل کیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ اپنے دستِ مبارک سے کسی شخص کو قتل کرنا مناسب نہیں سمجھتے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں اُبی بن خلف کا قتل ہونا، اس کی نامرادی اور تباہی کی کھلی دلیل ہے کہ وہ سرورِ دو عالم ﷺ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔

### ابی بن خلف کے قتل کا واقعہ:

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لا چکے تو ابی بن خلف یہ کہتا ہوا آیا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہے؟ یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی اس پر حملہ کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اسے آنے دو، جب قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لیا۔ اور لینے کے بعد جھٹکا دیا تو اس طرح لوگ ادھر ادھر اڑ گئے۔ جیسے اونٹ اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہے تو مکھیاں اڑ جاتی ہیں' اس کے بعد آپ ﷺ اس کے سامنے آ پہنچے۔ اس کی خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی جگہ کھلی دکھائی دی۔ آپ ﷺ نے اس پر ٹکا کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی

---

(**۱۰۲**)...... صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبی ﷺ من الجرح یوم أحد، رقم: ٤٠٧٣ حدثنا اسحاق بن نصر، حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام، سمع ابا هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ : ......۔ صحيح مسلم، كتاب الجهاد و السير، باب اشتداد غضب الله على من قتله رسول الله ﷺ، رقم: ١٧٩٣/١٠٦، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ : ......۔ مسند احمد: ٩٢/١٦، رقم: ٨١٩٨/١٠٥۔ شرح السنه، باب دعائه ﷺ المشركين، وصبره على أذاهم، رقم: ٣٧٥٠.

بارلڑھک لڑھک گیا۔ جب قریش کے پاس گیا۔ درآں حالیکہ گردن میں کوئی بڑی خراش نہ تھی۔ البتہ خون بند تھا اور بہتا نہ تھا تو کہنے لگا، مجھے واللہ! محمد (ﷺ) نے قتل کر دیا، لوگوں نے کہا، اللہ کی قسم تم نے دل چھوڑ دیا ہے ورنہ تمہیں واللہ کوئی خاص چوٹ نہیں ہے۔ اس نے کہا؟ وہ مکے میں مجھ سے کہہ چکا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ اس لیے اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوک دیتا تو بھی میری جان چلی جاتی۔ بالآخر اللہ کا یہ دشمن مکہ واپس ہوتے ہوئے مقام سرف پہنچ کر مر گیا۔

ابوالاسود نے عروہ سے روایت کی ہے کہ یہ بیل کی طرح آواز نکالتا اور کہتا تھا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو تکلیف مجھے ہے اگر وہ ذی المجاز کے سارے باشندوں کو ہوتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔

(سيرة ابن هشام: ٢/ ٨٤ـ زاد المعاد: ٢/ ٩٧ـ دلائل النبوة: ٣/ ٢٥٨ـ ٢٥٩ـ شرح المواهب اللدنيه: ٢/ ٤٥ـ مختصر سيرة الرسول للشيخ عبدالله، ص: ٢٥٠ـ الرحيق المختوم، ص: ٣٧٤)

اس حدیث نبوی ﷺ سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ حدیث میں ''فی سبیل اللہ'' کی قید لگا کر ان لوگوں سے احتراز کیا گیا ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ بطور حد یا قصاص قتل کریں۔ (طرح التثريب: ٧/ ٢١٣)

# انسانی اعضاء کا زنا

۱۰۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( عَلٰى اِبْنِ اٰدَمَ نَصِيْبٌ مِّنَ الزِّنَا ، اَدْرَكَ ذَالِكَ لَا مَحَالَةَ ، قَالَ : فَالْعَيْنُ زِنْيَتُهَا النَّظَرُ ، وَتَصْدِيْقُهَا الْإِعْرَاضُ ، وَاللِّسَانُ زِنْيَتُهُ الْمَنْطِقُ ، وَالْقَلْبُ زِنْيَتُهُ التَّمَنّٰى ، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ مَا ثَمَّ اَوْ يُكَذِّبُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم پر زنا کا کچھ حصہ مقرر کیا گیا ہے، جسے وہ بہر صورت پائے گا، آنکھ کا زنا (حرام چیز کو) دیکھنا ہے، اور اس کی تصدیق نظر ہٹا لینا ہے (اگر اس شخص نے اپنی پہلی نظر کے بعد اعراض کیا اور محرمات کو دیکھتے ہی اپنی نظروں کو جھکا لیا، تو یہ سچی نظر ہے وگرنہ نہیں) زبان کا زنا (فحش) بات کا کہنا ہے، دل کا زنا تمنا اور خواہش کرنا ہے اور شرمگاہ گناہ کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔''

**شــرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ میں زنا اور اس کی طرف راغب کرنے والے تمام اسباب و محرکات اور اسباب سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، تا کہ انسان زنا جیسے گھٹیا اور غیر اخلاقی جرم کے ارتکاب سے بچ کر اپنے ایمان اور جسمانی صحت کو برقرار رکھ سکے۔

نیز اس حدیث میں زنا اور اسباب زنا سے منع کیا گیا ہے چاہے، وہ زنا حقیقی ہو یا مجازی ہر قسم کا زنا منع ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ ابن آدم پر اس کے زنا کا ایک حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض ان میں سے حقیقی زنا کرتے ہیں، یعنی اپنی شرم گاہ کو دوسرے کی شرم گاہ میں داخل کرتے ہیں۔ (جو حرام ہے) اور بعض مجازی زنا کرتے ہیں یعنی محرم اشیاء کو دیکھتے ہیں، یا لمس کرتے ہیں یا پھر انہیں سنتے ہیں، مثال کے طور پر کسی نا واقف عورت کو چھونا، یا اسے بوسہ دینا، چومنا یا اس کے پاس زنا کی غرض سے چل کر جانا، یا اسے دیکھنا اور (اسی

---

(۱۰۳)...... صحیح بخاری، کتاب الإستئذان، باب زنا الجوارح دون الفرج، رقم: ٦٣٤٣ وكتاب القدر، رقم: ٦٦١٢۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حفظه من الزنا وغيره، رقم: ٢٠/ ٢٦٥٧۔ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب ما يؤمر به من غض البصر، رقم: ٢١٥٢، ٢١٥٣، ٢١٥٤۔ مسند احمد: ١٦/ ٩٢، رقم: ٨١٩٩، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ......

طرح) دل میں کوئی (برا پر عزم) خیال سوچنا وغیرہ۔ یہ سب مجازی زنا کی اقسام ہیں۔

(دیکھئے!شرح مسلم للنووی، ص: ۱۸۸۰.)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن بطال کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لیے لکھی ہے، وہ اللہ کے علم میں ہے، اور بنی آدم بہر صورت اس کا مرتکب ہوتا ہے، اس لیے کہ تقدیرِ الٰہی کا مٹنا انسانی قوت سے باہر ہے۔ البتہ انسان اگر ایسے فعل کا ارتکاب کر بیٹھے جس فعل کے ارتکاب سے اسے روکا گیا ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرے اور اطاعت کو مضبوطی سے پکڑ لے۔'' نیز فرماتے ہیں: اس نظریہ میں (فرقۂ) قدریہ اور مجبرہ، کا رد ہے۔'' (فتح الباری: ۱۱/۶۱۳.)

## مستنبط مسائل:

اس حدیث پر غور کرنے سے دو چیزیں سمجھ آتی ہیں، جو ذیل کی سطور میں ہیں۔

۱۔ ان تمام اشیاء، آنکھوں کا محرمات کو دیکھنا، زبان سے فحش بات کا کہنا وغیرہ وغیرہ کا زنا حقیقی زنا نہیں، بلکہ مجازی زنا ہے اور مذکورہ حدیث سے بھی یہی مراد ہے۔ اوران اشیاء پر زنا کا اطلاق کرنا اس لیے ہے کہ یہ تمام اشیاء زنا کے مقدمات اور اسباب ہیں۔

۲۔ شریعت نے ہمیں اس بات سے مطلع کیا ہے کہ کسی شخص کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ زنا (یعنی زنا بالنظر وغیرہ) سے بچنے اور محفوظ رہنے کی استطاعت وقوت نہیں رکھتا، بلکہ اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ مجھے اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ زنا سے اجتناب کی قوت اس کے اندر موجود ہے، ہاں البتہ اس بات سے وہ شخص نابلد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے مقدر میں کیا لکھا ہے؟

مثال کے طور پر ہر شخص اپنے اندر محرمات کو ایک نظر دیکھنے سے بچاؤ کی طاقت نہیں رکھتا (بے ارادہ نظر پڑ جاتی ہے)، لہٰذا اس وجہ سے اس پر کوئی محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسری نظر کی وہ طاقت رکھتا ہے کہ اسے دیکھنے سے بچ جائے، لہٰذا اس پر محاسبہ بھی کیا جائے گا۔

لیکن یہ بات واضح ہے کہ جس پہلی نظر کا جواز ہے اس سے مراد وہ نظر ہے جو شہوت ولذت کے سوا ہو، اگر شہوت ولذت کی نگاہ سے دیکھا، تو اس کا بھی وہی گناہ ہوگا جو دوسری نظر (اپنے ارادہ سے) کا ہے، جیسا کہ علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔ (عمدة القاری: ۱۸/۲۹۶.)

قرآن میں زنا کے اسباب ومحرکات اور اس کی تمہید والے کاموں وغیرہ سے بھی اجتناب کا حکم ہے۔ فرمان

باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا ۝۳۲﴾ (سورة بنی اسرائیل: ۳۲)

''اور تم زنا کے قریب نہ جاؤ، وہ بے حیائی کا کام اور برا راستہ ہے۔''

حقیقی شرمگاہ کے زنا کے ثابت ہونے کے بعد شادی شدہ کے لیے حد رجم سنگسار کرنا ہے اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے حد قرآن میں مقرر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر شخص کو فواحش اور غیر اخلاقی کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے، اور اپنے نفس کو ان سے دور رکھنا چاہیے، تا کہ اللہ کی ناراضگی سے بچا جا سکے۔

# ایک نیکی کا سات سو گنا تک بڑھنا

۱۰۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((إِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهُ، فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے اسلام کو (نیکی واطاعت سے) اچھا بناتا ہے تو اس کی ہر نیکی جس پر وہ عمل پیرا ہوتا ہے، دس سے لے کر سات سو گنا تک لکھی جاتی ہے اور اس کا ہر گناہ جس پر وہ عمل میں لاتا ہے اس گناہ کی مثل (یعنی صرف ایک گناہ) لکھا جاتا ہے۔ جہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملتا ہے۔''

**شرح الحديث:** ......جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ سے واضح ہے کہ جو شخص اخلاص اور صدق دل کے ساتھ اسلام قبول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر ایک نیکی کے عوض دس سے سات سو گنا تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایک نیکی کے عوض اللہ تعالیٰ کا اتنا وافر اجر عطا فرمانا، اس کے احسانِ عظیم اور رحمتِ خاصہ کا نتیجہ ہے، اور اس کے برعکس جو شخص برائی کا ارتکاب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے صرف ایک ہی برائی لکھتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ کا اس شخص کے لیے ایک نیکی کے بدلہ دس سے سات سو گنا تک اجر لکھنا یہ بابِ تکثیر اور تضعیف سے ہے یعنی دو گنا اور بڑھا چڑھا کر اجر دینا مراد ہے نہ کہ خاص عدد مراد ہے۔''

اس حدیث کے مضمون پر مشتمل قرآنی آیت ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝﴾ (الانعام: ١٦٠)

(١٠٤)...... صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب حسن اسلام المرء، رقم: ٤٢، حدثنا اسحاق بن منصور، قال اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن همام، عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ......۔ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت و إذا هم بسيئة لم تكتب، رقم: ٢٠٥/ ١٢٩، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن محمد رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها قال: قال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ٩٣/١٦، رقم: ٨٢٠١/١٠٨۔ شرح السنه، كتاب الرقاق، باب ثواب من عمل حسنة او هم بها، رقم: ٤١٤٨.

''جو شخص نیکی لائے گا اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا، اور جو شخص برائی لے کر آئے گا اسے اس برائی کے برابر بدلہ ملے گا اوران کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جائے گی۔''

ذیل میں دیئے گئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ (بقرہ: ٢٦١)

''ان کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں اس دانے کی ہے، جس نے سات خوشے اُگائے، ہر خوشے میں سو دانے تھے۔''

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (التوبہ: ٨٠)

''(اے نبی!) اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کریں گے، تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔''

مذکورہ آیت سے یہ مراد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے لیے ستر سے زائد مرتبہ دعائے مغفرت کی تو اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخش دیں گے، بلکہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اے نبی! اگر آپ منافقین کے لیے جتنی مرتبہ بھی دعائے مغفرت کریں اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا، اور اہلِ عرب (لفظ) ''تسبیع'' کو دگنا اور اس سے بھی زیادہ پر استعمال کرتے ہیں۔'' (شرح السنہ: ١٤/٢٣٨، ٢٣٩)

امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: ((إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ)) میں اہل علم کے نزدیک صحیح اور مختار مذہب کی تصریح ہے کہ دوگناہ اجر سات سو پر موقوف نہیں۔ (بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر مل سکتا ہے) اور ماوردی رحمہ اللہ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ دوگناہ اجر سات سو سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ جو اس حدیث کی رو سے درست نہیں ہے۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ٢١٨.)

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّأَتِ، ثُمَّ بَيَّنَ ذَالِكَ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ عِنْدَهُ حَسَنَةً، وَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ.))

''اللہ تعالیٰ نیکیوں اور برائیوں کو لکھ لیتا ہے، پھر ان کی تفصیل بیان فرمائی: جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک کامل نیکی لکھ دیتے ہیں۔ اور جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو عملی جامہ (بھی) پہنائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی دس سے لے کر سات سو تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ گنا تک لکھ دیتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: ۱۳۱.)

یہ بات واضح ہو گئی کہ جو شخص اخلاص اور صدقِ دل کے ساتھ اسلام قبول کرتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ بے پناہ اجر لکھ دیتا ہے۔

## ایک نیکی کے دس گنا ثواب کی مثال:

سیّدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ ''نماز میں جو شخص رفع الیدین کرتا ہے اس کے لیے ہر ایک اشارے کے بدلے ایک انگلی پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے۔'' (الفوائد للبحیری: ق ۲/۳۹۔ مسند الفردوس، للدیلمی ۹: ۳۴۴/۴۔ معجم الکبیر للطبرانی: ۲۹۷/۷۔ مجمع الزوائد: ۱۰۳/۲۔ سلسة الصحیحة، رقم: ۳۲۸۶)

سیّدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''آدمی اپنی نماز میں اپنے ہاتھ کے ساتھ جو اشارہ کرتا ہے اس کے عوض اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہر انگلی کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔''

(معجم کبیر للطبرانی: ۲۹۷/۱۷۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۳۲۸۶.)

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف کی تلاوت کی، اس کو اس کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی اور نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔ میں نہیں کہتا ہوں۔ "الـــم" ایک حرف ہے، بلکہ الف (ایک) حرف ہے، لام (دوسرا) حرف ہے اور میم (تیسرا) حرف ہے۔'' (سنن ترمذی، کتاب ثواب القرآن، رقم: ۲۹۱۰۔ سنن دارمی: ۵۳۳/۲، رقم: ۳۳۰۸۔ المشکاة، رقم: ۲۱۳۷۔ امام ترمذی نے اسے ''حسن صحیح غریب'' اور علامہ البانی نے ''صحیح'' کہا ہے۔)

## برائی پر ایک برائی کا گناہ:

لیکن کیا جو شخص برائی کا مرتکب ہوتا ہے، اس کی برائی بھی دوگنا اور اس سے زیادہ لکھی جاتی ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے شخص کی برائی میں اضافہ نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث سے واضح ہے، البتہ امہات المؤمنین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ﴾

(الاحزاب: ۳۰)

''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی واضح بے حیائی کی مرتکب ہو گی، اسے دوگناہ عذاب دیا جائے گا۔''

بہر حال یہ آیت امہات کے لیے شرف و مرتبت کو ثابت کرتی ہے کہ ایسا فحش کام ان سے غیر متوقع ہے، نیز حرم یعنی بیت اللہ، میں بھی برائی کا ارتکاب کرنا دوہرے عذاب کو متضمن ہے، جیسا کہ اس کی بحث پیچھے گذر چکی ہے۔

## ایمان کا کم اور زیادہ ہونا:

علاوہ ازیں اس حدیث سے ایمان کی زیادتی اور کمی کا ثبوت بھی ملتا ہے، مولانا داؤد راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام المحدثین رحمہ اللہ نے اپنی خداداد بصیرت کی بناء پر یہاں بھی اسلام و ایمان کے ایک ہونے اور اس میں کمی و بیشی کے صحیح ہونے کے عقیدہ کا اثبات فرمایا ہے۔ اور بطورِ دلیل ان احادیث پاک کو نقل فرمایا ہے جن سے صاف ظاہر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب جب سات سو گناہ تک لکھا جاتا ہے، تو یقیناً اس سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے، اور کتاب و سنت کی رو سے یہی عقیدہ درست ہے جو لوگ ایمان کی کمی و بیشی کے قائل نہیں ہیں، اگر وہ بنظرِ عمیق کتاب و سنت کا مطالعہ کریں گے تو ضرور ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔''

(شرح صحیح بخاری: ۲۲/۱۔ مطبوعه مکتبه قدوسیه.)

# امام نماز میں تخفیف کرے

**۱۰۵**...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( إِذَا مَا اَمَّ اَحَدُكُمُ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفِ الصَّلٰوةَ ، فَإِنَّ فِيْهِمُ الْكَبِيْرَ ، وَفِيْهِمُ الضَّعِيْفَ ، وَفِيْهِمُ السَّقِيْمَ ، وَإِنْ قَامَ وَحْدَهٗ ، فَلْيُطِلْ صَلٰوتَهٗ مَا شَآءَ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے، اسے چاہیے کہ وہ نماز میں اختصار کرے، کیونکہ مقتدیوں میں بعض بوڑھے، بعض کمزور اور بعض بیمار ہوتے ہیں اور اگر وہ تنہا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے لمبی نماز پڑھے۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی علی صاحبها الصلاۃ والسلام کا مفہوم یہ ہے کہ دین اسلام میں سہولیاتِ کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے، چنانچہ شریعت نے جملہ امور شرعیہ کی طرح نماز میں بھی انسانی سہولت کو پیش نظر رکھا ہے، تا کہ نمازی کو اپنی قوت واستطاعت سے بڑھ کر بوجھ نہ اٹھانا پڑے۔ چنانچہ اس بات کی تائید رب کے کلام اور ترجمانِ وحی رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ہوتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (بقرة: ٢٨٦)

''اللہ ہر نفس کو اسکی طاقت کے مطابق تکلیف دیتا ہے۔''

چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ ، وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ ، فَسَدِّدُوْا ، وَ قَارِبُوْا ، وَاَبْشِرُوْا ، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَ شَيْئٍ مِنَ الدُّلْجَةِ . ))

''بلا شبہ دین آسان ہے، اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا، دین اس پر غالب آ جائے گا، سیدھے راستے پر چلو اور راہ حق کے قریب رہو۔'' (صحيح بخاری، كتاب الايمان، رقم: ٣٩ .)

---

(**١٠٥**)...... صحيح بخاری، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشآء، رقم: ٧٠٣ـ صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلوٰة فى تمام، رقم: ١٨٤/٤٦٧، حدثنا ابن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن محمد رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها، وقال: قال رسول الله ﷺ: ......ـ مسند احمد: ٩٤/١٦، رقم: ٨٢٠٢/ ١٠٩ـ مصنف عبدالرزاق، باب تخفيف الإمام، رقم: ٣٧١٢ـ شرح السنه، باب الإمام يخفف للصلوٰة، رقم: ٨٤٢.

مذکورہ بالا قرآنی آیت اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی استطاعت وقوت کے مطابق مکلّف ٹھہراتا ہے۔ تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہیے کہ ان کا خیال رکھتے ہوئے اختصار سے کام لے، تاکہ انہیں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے، اس لیے کہ مقتدیوں میں بعض بزرگ، بعض کمزور، بعض بیمار اور بعض صاحب حاجت بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ''صحیح مسلم'' کی احادیث سے واضح ہے۔

نیز سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آخری نصیحت جو فرمائی تھی وہ یہ ہے کہ:

(( إِذَا أَمَّمْتَ قَوْمًا فَأَخِفَّ بِهِمُ الصَّلٰوةَ . ))

''جب تم لوگوں کی امامت کراؤ، تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔''

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم: ١٨٧ / ٤٦٨ .)

چنانچہ حافظ ابن عراقی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے رقمطراز ہیں: ''یہ حدیث ائمہ حضرات کے ساتھ خاص ہے کہ جب وہ امامت کروائیں تو مقتدیوں کی حالت کا خیال رکھتے ہوئے نماز میں اختصار کیا کریں۔''

نیز ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''اس بات پر اجماع ہے کہ نماز میں اختصار کرنے کا حکم ہر امام کے لیے ہے، اور اہل علم کے نزدیک ایسا کرنا مستحب ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اہل علم کے نزدیک اس امر میں اختلاف نہیں پاتا کہ کسی نے امام کے لیے نماز کے اختصار کو مستحب نہ سمجھا ہو، مگر اس شرط پر کہ اتنا اختصار ہو کہ نماز کے ارکان کو (پوری طرح) ادا کیا جائے جو کم از کم کو کفایت کر جائیں۔'' (طرح التثريب : ٢/٣٤٦ .)

علاوہ ازیں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جمہور اہل علم نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ امام (دورانِ نماز) ضعیف پر خوفِ مشقت اور صاحبِ حاجت (ضروری کام والے) کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز کو لمبا نہ کرے، ہاں! اگر تمام مقتدی اس بات پر رضا مند ہوں کہ نماز کو لمبا کر کے پڑھا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔''

(شرح السنه: ٢/٤٠٩ .)

### استدلالات محدثین:

۱۔ بہر حال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام صاحب کو چاہیے کہ وہ دورانِ نماز مقتدیوں کی حالت کا خیال رکھتے ہوئے نماز میں اختصار سے کام لے۔
۲۔ اور لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرے۔

# ترک گناہ پر نیکی کا ثواب

۱۰۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ: ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيْدُ اَنْ يَّعْمَلَ سَيِّئَةً، وَهُوَ اَبْصَرُ بِهٖ، فَقَالَ: ارْقُبُوْهُ، فَاِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ بِمِثْلِهَا، وَاِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ حَسَنَةً، اِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّاىَ.))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب! تیرا (فلاں) بندہ برائی کا ارادہ رکھتا ہے، دراں حالیکہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا اچھی طرح علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس کی نگرانی رکھو، اگر وہ برائی کا ارتکاب کر لے تو اس کے لیے ایک برائی لکھ دو، اور اگر اسے ترک کر دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو، کیونکہ اس بندے نے میرے ڈر سے (یہ) برائی ترک کی ہے۔''

**نوٹ:** یہ حدیث قدسی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص نیکی اور برائی کا ارادہ کرنے میں آزاد ہے، اور فرشتے بھی اس انسانی ارادہ سے باخبر ہو جاتے ہیں جو اعمال لکھنے پر مقرر ہیں، فرشتے حکمِ الٰہی کے ماسوا کوئی کام نہیں کرتے۔ مزید اس حدیث میں اللہ کی رحمت اور بندوں سے خصوصی محبت وشفقت کا پتا چلتا ہے کہ اللہ برائی کا ارادہ چھوڑ دے تو پھر بھی اسے نیکی ملتی ہے۔ حضرات قارئین! اس حدیث کی مفصل شرح حدیث نمبر ۵۴ کے ذیل میں گزر چکی ہے، استفادہ کے لیے وہاں رجوع کریں۔

---

(**۱۰۶**)...... صحيح بخارى، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰه**، رقم: ۷۵۰۱، ۶۴۹۱۔ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتب و إذا هم بسئية لم تكتب، رقم: ۲۰۵ / ۱۲۹، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن محمد رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها، قال: قال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۱۶/۹۵، رقم: ۸۲۰۳/ ۱۱۰۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب الرخص و الشدائد: ۱۱/۲۸۷۔ شرح السنه: باب ثواب من عمل حسنة أوهم بها، رقم: ۴۱۴۸.

# اللہ تعالیٰ کو برا بھلا مت کہو

۱۰۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالىٰ:(( كَذَّبَنِيْ عَبْدِيْ وَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ ، وَ شَتَمَنِيْ عَبْدِيْ وَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ ، اَمَّا تَكْذِيْبُهٗ اِيَّايَ اَنْ يَّقُوْلَ: لَنْ يُّعِيْدَنَا كَمَا بَدَئَنَا ، وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِيَّايَ اَنْ يَّقُوْلَ : اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ، وَاَنَا الصَّمَدُ ، لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ ، وَلَمْ يَكُنْ لِّيْ كُفُوًا اَحَدٌ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے نے میری تکذیب کی حالانکہ اسے یہ زیب نہیں دیتا، اور میرے بندے نے مجھے گالی دی جب کہ یہ اس کے شایانِ شان نہیں ہے۔ (بہر حال) اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کرے گا، جیسے اس نے ہمیں ابتدا پیدا کیا ہے۔ اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ میں بے نیاز ہوں، نہ میری کوئی اولاد ہے، اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور میرا کوئی ہمسر نہیں۔''

**شرح الحديث:** ...... یہ بھی حدیث قدسی ہے اور شرک کی عظیم تر صورت کسی کو اللہ کا بیٹا قرار دینا ہے کی تردید کر رہی ہے، جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودیوں نے عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا یہی اللہ کی ذات کو برا بھلا کہنا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں اس میں مخصوص اہل کفر کا تذکرہ ہوا ہے جو اس بات کے منکر ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اجسام انسانی (وغیرہ) میں روح نہیں لوٹائے گا۔ یا اسے یوں سمجھئے کہ یہ حدیث ان لوگوں سے متعلق ہے جو مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جانے کے منکر ہوں، اور ساتھ میں اس بات کی تکذیب بھی کرنے والے ہیں جس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیامبروں کی زبانی لوگوں تک پہنچائی کہ قیامت بپا ہوگی اور انسانی ارواح کو ان کے اجسام میں لوٹایا جائے گا۔ حافظ ابن عراقی نے بھی اس کے قریب قریب لکھا ہے۔ (طرح التثريب : ۱۶۱/۸.)

چنانچہ اس ضمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱۰۷)...... صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب قوله **اللّٰه الصمد**، رقم: ۴۹۷۵، حدثنا اسحاق بن منصور، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام، عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ : ......۔ مسند احمد : ۹۵/۱۶، رقم: ۸۲۰۴/۱۱۱۔ شرح السنه، باب الكبائر من كتاب الإيمان، رقم: ۴۱ .

﴿وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ ۝۷۸ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝۷۹ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰ اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝۸۱ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۸۲ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۳﴾ (یٰس : ۷۸۔ ۸۳)

''اور ہمارے لیے مثال بیان کرتا ہے، اور اپنی تخلیق کی حقیقت کو بھول گیا ہے، کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو گل سڑ جانے کے بعد کون زندہ کرے گا۔ آپ (ﷺ) دیجئے! کہ انہیں وہ اللہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ اپنی تمام مخلوقات کے بارے میں پورا علم رکھتا ہے، وہ اللہ جس نے ہرے درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کی ہے، جس سے تم اپنے چولہے روشن کرتے ہو، کیا وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کرے؟ ہاں (وہ یقیناً قادر ہے) اور وہ بڑا پیدا کرنے والا، ہر بات جاننے والا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ''ہو جا'' اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت ہے، اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

قارئین کرام! ان آیات قرآنیہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہر خاص و عام کے لیے اس حقیقت کو جان لینا چنداں مشکل نہیں کہ قیامت کے روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کے درمیان پورے عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارک کے لیے اولاد کا ہونا ثابت کرتے ہیں، ان کا یہ دعویٰ عقل ونقل اور اصول فلسفہ کے صریح مخالف ہے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ واجب الوجود اور قدیم الذات ہے، اور اس کا وجود مبارک تمام اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل قائم و دائم ہے، جبکہ ہر پیدا ہونے والی چیز حادث اور ختم ہونے والی ہے، پس ثابت ہوا کہ اللہ کا واجب الوجود اور قدیم قائم بالذات ہونے میں نہ کوئی مشابہہ ہے اور نہ کوئی مماثل، بلکہ ہر چیز حادث اور فناء ہونے والی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد اور بیوی کا ہونا غلط اور باطل ثابت ہوا۔

یہ حدیث حقیقتاً سورۂ اخلاص کی تفسیر ہے، جس میں مشرکین کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک کرتے ہیں، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ''سورۂ اخلاص'' کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا

اَحَدٌ ﴿۴﴾ (الاخلاص ۱۔٤)

''اے میرے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، اس نے کسی کو پیدا نہیں کیا ہے۔ اور نہ وہ پیدا کیا گیا ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔''

مولانا داؤد راز رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''یہ سورۂ اخلاص ہے اس میں توحید خالص کا بیان اور مشرکین کی تردید ہے جو اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں۔ بعض دو خداؤں کے قائل ہیں۔ بعض اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ بعض لوگ پیروں فقیروں، انبیاء واولیاء کو عبادت میں اللہ کا شریک بناتے ہیں۔ اللہ نے اس سورۂ شریفہ میں ان سب کی تردید کی ہے اور توحید خالص پر نشاندھی فرمائی ہے۔ مشرکین مکہ نے اللہ کا نسب نامہ پوچھا تھا ان کے جواب میں یہ سورۂ شریفہ نازل ہوئی۔ کفو سے ہم ذات ہونا مراد ہے۔'' (شرح صحیح بخاری: ٦/٥١٢)

مزید لکھتے ہیں:

''موت کے بعد اخروی زندگی کا تصور وہ ہے جس پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اتفاق رہا، تورات، زبور، انجیل، قران حتیٰ کہ اس ملک (ہندوستان) کی مذہبی کتب میں بھی مرنے کے بعد ایک نئی زندگی کا تصور موجود ہے۔ اس کے باوجود کفار نے ہمیشہ اس عقیدے کی تکذیب کی اور اسے ناممکن قرار دیا ہے اور اس پر بہت سے استحالات پیش کرتے چلے آرہے ہیں جو سب باطل محض اور توہماتِ فاسدہ ہیں۔ اس حدیث میں اس عقیدہ پر وضاحت کی گئی ہے کہ آخرت کی زندگی کا انکار کرنا اللہ پاک کو جھٹلانا ہے۔ جس اللہ نے انسان کو پہلا وجود عطا فرمایا، اس کے لیے دوبارہ انسان کو پیدا کرنا کیوں مشکل ہوسکتا ہے۔ ایسا ہی باطل عقیدہ عیسائیوں کا ہے جو اللہ کے لیے ابنیت ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شان باری تعالیٰ کے اوپر بہت ہی بیہودہ الزام ہے، وہ اللہ ایسے الزامات سے مبرا ہے اور ایسی بے ہودہ بات منہ سے نکالنا...... بہت ہی بڑا جھوٹ ہے۔ جو سراسر بعید از عقل و بے ہودگی ہے۔

(شرح صحیح بخاری: ٤/ ٥٤٧)

# گرمیوں میں نماز ظہر کو ٹھنڈی کر کے پڑھنا

۱۰۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اَبْرِدُوْا الْحَرَّ عَنِ الصَّلٰوةِ ، فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گرمی میں نماز ٹھنڈے وقت میں ادا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ ہے۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث میں بھی انسانی سہولت کا بیان ہے، لیکن ان لوگوں کے لیے جو ''فریضۂ صلوٰۃ'' کی ادائیگی کرنے والے ہیں، انہی لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا۔ نمازِ (ظہر) گرمی میں ٹھنڈے کرنے کا یہ مطلب ہے کہ زوال کے بعد فوراً نہ پڑھے، تھوڑی دیر کر لے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے، زوال ہونے پر فوراً پڑھ لینا یہ تعجیل ہے، اور ذرا دیر کر کے، تاکہ موسم گرما میں کچھ خشکی آ جائے پڑھنا، یہ ابراد (ٹھنڈا کر کے پڑھنا) ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم کی ایک جماعت کا مذہب مختار یہی ہے کہ گرمی کی شدت میں ظہر کی نماز ذرا دیر سے پڑھی جائے۔ عبداللہ بن المبارک، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی فتویٰ ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ظہر کو عصر کے اول وقت ایک مثل تک کے لیے مؤخر کر دیا جائے، جب کہ قوی دلائل کے ساتھ ثابت ہے کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ ہو جانے کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ خود امام بخاری نے بھی اسی مقام پر متعدد روایات سے عصر کا اول وقت بیان فرمایا ہے۔ جو ایک مثل سایہ ہونے پر شروع ہو جاتا ہے جو کہ مختار مذہب ہے۔''

(شرح صحيح بخارى: ١/٥٤٤.)

معلوم ہوا کہ ظہر کا آخری وقت ایک مثل سایہ ہونے تک ہے، اور اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، جیسا کہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام داؤد ظاہری رحمہم اللہ کے نزدیک ظہر کا وقت زوالِ شمس سے لے کر ایک مثل

---

(**۱۰۸**)...... صحيح بخارى، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب الإبراد بالظهر فى شدة الحر، رقم: ٥٣٣، ٥٣٤، ٥٣٥، ٥٣٧۔ صحيح مسلم، كتا ب المساجد و مواضع الصلوٰة، باب استحباب الإبراد بالظهر فى شدة الحر لمن يمضى إلى جماعة، و يناله الحر فى طريقه، رقم: ١٨٣/٦١٥، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق قال، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ٩٥/١٦، رقم: ٨٢٠٥/ ١١٢۔ مصنف عبدالرزاق، باب وقت الظهر، رقم: ٢٠٥٠، ٢٠٥١.

سائے تک رہتا ہے۔'' (مغنی ابن قدامه: ۱/۲۲٦۔ مطبوعه دارالفکر بیروت.)

ایک مرتبہ گرمی میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھنڈ ہو جانے دو، ٹھہر جاؤ۔ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے، گرمی کی شدت میں اس وقت تک ٹھہرو کہ ٹیلوں کے سائے نظر آنے لگیں۔'' (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، رقم: ۵۳۹، ٦۲۹)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سردی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ نماز ظہر پڑھنے میں جلدی کرتے۔ (سورج ڈھلتے ہی پڑھ لیتے)۔

(صحیح بخاری، کتاب الجمعة، رقم: ۹۰٦۔ سنن نسائی، کتاب المواقیت، رقم: ٤۹۸)

فتاویٰ قاضی خان (۱/ ۳٦) پر ہے کہ سردیوں میں ظہر کی نماز جلدی پڑھنا مستحب ہے جبکہ گرمیوں میں تاخیر۔ یہی حکم جمعہ کا ہے۔ یہ بات نہ عقلِ سلیم کے خلاف اور نہ حدیث پر شبہ وارد کرنے کی وجہ ہے کیونکہ اب تو بیالوجی والے بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تھوڑے فاصلے پر زمین میں ایسی گرمی ہے کہ وہاں تمام عناصر پانی کی مانند پگھلے رہتے ہیں۔

## خلاصۂ کلام:

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ گرمی کی شدت میں نمازِ ظہر ٹھنڈے وقت میں ادا کرنا چاہیے، تاکہ گرمی کی تپش اور لو وغیرہ لگنے سے بچا جا سکے سورج کی شاعیں کچھ مزید ترچھی ہو جائیں۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ چار بج جائیں، بلکہ اس سہولت دینے کا مطلب یہ ہے کہ گرمی کی شدت میں سورج ڈھلتے ہی فوراً نمازِ ظہر ادا نہ کی جائے۔ کچھ دیر اپنے آپ کو روک لیا جائے، چاہے وہ نماز با جماعت ہو یا اکیلے میں۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو واقعتاً گرمی کی شدت میں نمازِ ظہر ادا کرنے والے ہوں۔ نہ کہ ان لوگوں کے لیے جو ٹھنڈے اور سرد علاقوں میں رہنے والے ہوں، جہاں گرمی نہ ہو۔

## بقیہ نمازوں کے اوقات:

مناسب ہے کہ باقی نمازوں کے اوقات بھی بطور تتمہ ذکر کر دیے جائیں تا کہ نمازوں کے اصل اوقات اور اوّل اوقات میں نماز پڑھ کر زیادہ ثواب حاصل کیا جا سکے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا ثبوت دیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء: ۱۰۳)

''بے شک نماز مقررہ اوقات میں مومنوں پر فرض کر دی گئی ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''اوّل وقت نماز پڑھنا افضل عمل ہے۔''

(السنن الکبری للبیهقی: ۱/ ٤۳٤)

### نمازِ فجر کا وقت:

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ فجر پڑھتے تھے، عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی لوٹتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔''

(صحیح بخاری ، کتاب الأذان، رقم: ٨٦٧۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، رقم: ٦٤٥.)

### نمازِ عصر کا وقت:

سیّدنا بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر قائم کی حالانکہ آفتاب بلند، سفید اور صاف تھا۔'' (صحیح مسلم، کتاب المساجد، رقم: ٦١٣)

### نمازِ مغرب کا وقت:

سیّدنا سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آفتاب غروب ہوتے ہی نمازِ مغرب ادا کرلیا کرتے تھے۔'' (صحیح بخاری ، کتاب مواقیت الصلوٰۃ ، رقم: ٥٦١.)

### نمازِ عشاء کا وقت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں کبھی تاخیر کرتے اور کبھی اوّل وقت پڑھتے۔ جب لوگ جلدی جمع ہو جاتے تو جلد پڑھتے اور اگر لوگ دیر سے آتے تو آپ تاخیر فرماتے۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، رقم: ٦٤٦.)

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازِ عشاء کے لیے انتظار کرتے رہے۔ جب تہائی رات گزر گئی تو آپ تشریف لائے اور فرمایا: ''اگر میری اُمت پر گراں نہ ہوتا تو میں اس وقت عشاء کی نماز پڑھاتا۔'' پھر موذن نے تکبیر کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، رقم: ٦٣٩)

# بغیر وضو نماز نہیں ہوتی

**۱۰۹**...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ اَحَدِكُمْ اِذَا اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز تب تک قبول نہیں ہوتی، جب تک وہ وضو نہ کر لے۔''

**شرح الحديث**: ......اس فرمان نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو، اسے چاہیے کہ اولاً وہ وضوء بنا لے یعنی طہارت اور پاکی حاصل کر لے اور بعد میں نماز ادا کرے۔ کیونکہ جو نماز طہارت اور پاکی حاصل کیے بغیر ادا کی جائے، وہ دربارِ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی، اس لیے کہ نماز کی ادائیگی کے لیے طہارت کا حاصل کرنا شرط ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ﴾ (المائدہ: ٦)

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو، تو اپنے چہروں کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو، اور اپنے سروں کا مسح کر لو، اور اپنے پاؤں دونوں ٹخنوں تک دھو لو، اور اگر تم ناپاک ہو تو پاکی حاصل

---

(**۱۰۹**)...... صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لاتقبل صلوٰۃ بغیر طهورٍ، رقم: ۱۳۵، حدثنا اسحاق بن ابراهیم الحنظلی قال اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن همام بن منبه انه سمع اباهريرة يقول: قال رسول الله ﷺ : ......۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلوٰة، رقم: ۲۲۵/۲، حدثنا محمد بن رافع، قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر بن راشد عن همام بن منبه اخی وهب بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها، وقال رسول الله ﷺ : ......۔ سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، رقم: ۵۹۔ سنن الترمذی، ابواب الطهارة، باب ما جآء فی الوضوء من الرّيح، رقم: ۷۴۔ سنن الكبریٰ، کتاب الطهارة، باب انتقاض الطهر، بعمد الحدث وسهوه، رقم: ۸۲۰۶۔ مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من الحدث، رقم: ۵۳۰۔ شرح السنه، باب ما يوجب الوضوء، رقم: ۱۵۶۔ مسند احمد: ۹۶/۱۶، رقم: ۱۱۳/۸۲۰۶.

کرو، اور اگر تم بیمار یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کو آئے، یا تم نے بیویوں سے مباشرت کی ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، پس اپنے چہروں اور دونوں ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو، اللہ تعالیٰ تمہیں کسی تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا ہے، بلکہ تمہیں پاک کرنا چاہتے ہے۔''......الخ

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ أَحَدِ كُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَأَ . ))

''تم میں سے کسی شخص کی بلا وضو نماز قبول نہ ہوگی، تاوقتیکہ وہ شخص وضو نہ بنا لے۔''

یہاں یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ مذکورہ حدیث میں ((صَـلٰـوةُ أَحَدِ كُم)) کے الفاظ مستعمل عموم پر دلالت کرتے ہیں، لہٰذا کسی فرضی نماز کی کوئی تقیید وتعیین نہیں ہے، بلکہ ہر نماز چاہے وہ فرض ہو، نفل ہو، جنازہ کی نماز ہو، سب کو شامل ہیں کہ ان کی ادائیگی سے قبل طہارت حاصل کرنی یعنی وضو کر لینا چاہیے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ پاکی حاصل کئے بغیر نماز ادا کرنا حرام ہے، چاہے وہ پاکی پانی سے (وضو سے) حاصل کی جائے یا مٹی سے (تیمّم سے) اور فرضی نماز، نفلی نماز اور جنازہ کی نماز کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کے لیے باوضو ہونے کے بارے نص قطعی درکار ہے، جو مفقود ہے، لہٰذا ان کی ادائیگی کے لیے وضو کا شرط قرار دینا تکلف ہے۔ البتہ امام شعبی اور امام محمد بن جریر طبری کا کہنا ہے: نمازِ جنازہ طہارت حاصل کیے بغیر ادا کرنا جائز ہے اور یہ مذہب باطل ہے اور اہل علم کا اس مذہب کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔''(شرح مسلم للنوی، ص: ٣١٤ـ مطبوعه دار ابن حزم.)

نیز جو شخص ارادۃً (بغیر عذر) بغیر وضو کے نماز ادا کرے، اس کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمارے اور جمہور کے نزدیک جو شخص ارادتاً بغیر عذر پاکی حاصل کیے بغیر نماز ادا کر لے وہ گناہ گار ٹھہرے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایسا شخص اپنے اس باطل فعل کی وجہ سے کافر ٹھہرے گا۔''(طرح التثريب: ٢/ ٢١٨)

## وضوء کا طریقہ:

❀ وضوء کے ابتدا میں ''بسم اللہ'' پڑھیں۔

(صحيح سنن نسائی: ١/ ١٨، رقم: ٧٦ـ مسند احمد: ٣/ ١٦٥، رقم: ١٢٦٩٤.)

❀ سیّدنا حمران سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ ''انہوں نے سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دکھا...... آپ نے اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا، پھر انہیں دھویا۔ اس بعد اپنا داہنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور (پانی لے کر) کلی کی اور ناک صاف کیا، پھر تین بار اپنا چہرہ دھویا اور کہنیوں تک تین بار

دونوں ہاتھ دھوئے۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر (پانی لے کر) ٹخنوں تک تین مرتبہ اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری طرح ایسا وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے جس میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کرے۔تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''
(صحيح بخارى ، كتاب الوضوء ، رقم: ١٥٩)

## تنبیہات:

۱۔ جب وضو کریں تو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کریں۔

(سنن ترمذى ، كتاب الطهارة ، رقم: ٣٩ـ سلسلة الصحيحة ، رقم: ١٣٠٦)

۲۔ سر کا مسح اس طرح کریں کہ دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصے سے گدی تک لے جائیں، پھر وہیں سے آگے کی طرف واپس لے آئیں جہاں سے (مسح) شروع کیا تھا۔

(صحيح بخارى ، كتاب الوضوء ، رقم: ١٨٥، ١٨٦ـ صحيح سنن نسائى : ٢٣٨)

۳۔ کانوں کے مسح کے لیے دوبارہ نئے سرے سے پانی لینے کی ضرورت نہیں، سر کا مسح کرنے کے بعد اس پانی سے کانوں کا مسح کرلیں۔

کانوں کے مسح کا طریقہ یہ ہے کہ شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخوں سے گزار کر کانوں کی پشت پر انگوٹھوں کے ساتھ مسح کریں۔(صحيح سنن نسائى ، كتاب الطهارة ، رقم: ٩٩)

## خلاصہ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو نماز کا اہتمام کار ہے، اسے چاہیے کہ نماز پڑھنے سے قبل اچھی طرح یعنی فرائض سنن کا اہتمام کرتے ہوئے وضو بنا لے، اور اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک اور طیب مٹی سے تیمّم کر کے نماز ادا کرے، اور جو شخص ارادتاً بلا وضوء نماز ادا کرے گا، وہ اپنے اس فعلِ باطل کے سبب اللہ اور رسول ﷺ کی حکم عدولی کرے گا۔لہٰذا جو شخص اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کرتا ہے، وہ انتہائی نامراد شخص ہوتا ہے۔

آخر میں یہ یادر ہے کہ وضوء ہونے کی صورت میں ہر نماز کے لیے تجدیدِ وضوء ضروری نہیں، بلکہ مستحب باعثِ ثواب ہے، ہاں اگر وضوٹوٹ گیا ہو تو الگ بات ہے، اور اس پر اہلِ فتویٰ کا اجماع ہے، جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔اور اگر نماز پڑھتے ہوئے وضوٹوٹ جائے تو نماز ختم کر کے وضو کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر نماز میں وضوٹوٹ جائے تو ناک پر ہاتھ رکھ کر لوٹو، وضو کرو اور پھر نماز پڑھو۔(سنن ابو داؤد، ابواب الجمعة، رقم: ١١١٤ـ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔)

# نماز کے لیے مسجد کی طرف اطمینان سے آؤ

۱۱۰...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((اِذَا نُـوْدِيَ بِـالـصَّـلـٰوةِ فَأْتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَمْشُوْنَ ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ ، فَمَآ اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا ، وَمَا سُبِقْتُمْ فَاَتِمُّوْا . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کی اذان کہی جائے تو نماز کے لیے سکون اور اطمینان سے چلتے ہوئے آؤ، پھر جو نماز تم پا لو، اسے پڑھ لو اور جو رہ جائے، اسے (بعد میں) پورا کرلو۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جب اذانِ نماز کہی جائے تو نماز ادا کرنے آرام وسکون اور اطمینان و وقار سے چل کر آنا چاہیے، نہ کہ بے تحاشا بھاگتے اور جلدی کرتے ہوئے، جس سے لوگوں کی نگاہِ تعجب وتمسخر اس نمازی پر پڑیں اور اس کی عزت مجروح ہو، بہر حال مسجد میں پہنچتے ہی جو رکعتیں پالیں، انہیں امام کی اقتداء میں ادا کرلیا جائے اور جو رہ جائیں انہیں امام کے سلام پھیرتے ہی فوراً پورا کرلیا جائے۔

اس حدیث میں بنیادی طور پر دو امور بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

**امر اول:** نماز ادا کرنے دوڑ کر آنا چاہیے یا نہیں؟

**امر ثانی:** مسبوق (وہ شخص جس نے پوری جماعت نہ پائی ہو) کا امام کی اقتدا میں کچھ رکعات پالینا، اس کے لیے وہ رکعات آخرِ نماز شمار ہوں گی یا اولِ نماز؟

**امر اول:** نماز کے لیے دوڑ کر آنا شریعت نے منع فرمایا ہے، چاہے وہ دوڑنا تکبیر تحریمہ فوت ہونے کے خوف سے ہو یا کسی اور خوف وخطرے سے (رکعت وغیرہ سے)۔ نیز پنج گانہ نماز ہو یا نمازِ جمعہ، ہر ایک کے لیے دوڑ کر آنا

(۱۱۰)...... صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب قول الرجل، فاتتنا الصلوٰة، رقم: ۶۳۵، ۶۳۶، ۹۰۸۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، باب استحباب إتيان الصلوٰة بوقار و سكينة، و النهى عن إتيانها سعيا، رقم: ۱۵۳/ ۶۰۲، حدثنا محمد بن رافع، قال حدثنا عبدالرزاق، قال اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ: ......۔ سنن الكبرىٰ، كتاب الصلوٰة، باب المسبوق ببعض صلوٰته يصنع ما يصنع الإمام، فإذا سلم الإمام قام فأتم باقى الصلوٰة: ۲/۲۹۵، ۲۹۸۔ مسند احمد: ۱۶/ ۹۷، رقم: ۸۲۰۷۔ مصنف عبدالرزاق، باب المشى إلى الصلوٰة، رقم: ۳۴۰۳.

منع ہے، اور حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہو چکا کہ ''جب اذان کہی جائے تو نماز ادا کرنے سکون سے چلتے ہوئے آؤ، جو رکعات پالو انہیں پڑھ لو، اور جو رہ جائیں انہیں (بعد میں) پورا کرلو۔''

حافظ ابن العراقی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ نماز کے لیے دوڑ کر آنا منع ہے، چاہے وہ تکبیرِ تحریمہ فوت ہونے کے خوف سے ہو، ایک رکعت فوت ہو جانے کے خوف سے ہو یا پھر پوری جماعت کے فوت ہونے کا خطرہ ہو، نیز نمازِ جمعہ ہو یا کوئی دوسری نماز۔'' (ہر ایک کے لیے دوڑ کر آنا منع ہے)(طرح التثریب : ۲/۲۰٤.)

## ایک سوال:

لہٰذا کسی صاحب کے ذہن میں یہ سوال نہ ابھرے کہ مذکورہ حدیث میں ''حکم نہی'' اس شخص کے بارے میں ہے جسے نماز کے فوت ہو جانے کا خوف نہ ہو اور پھر بھی دوڑ کر جائے، ہاں! البتہ جس شخص کو نماز رہ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دوڑ کر نماز میں شرکت کرے۔

## جواب:

لیکن یہ سوال ہمارے نزدیک درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں عام حکم ہے: ''جب اذان کہی جائے تو نماز ادا کرنے سکون سے چلتے ہوئے آؤ۔''

اور دوسری بات یہ ہے کہ حدیث میں مذکورہ حکم نہی، کسی خاص شخص کے بارے میں نہیں جسے نماز رہ جانے کا اندیشہ ہو، بلکہ عام حکم ہے یعنی نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔ بہر حال سکون سے چل کر آنا چاہیے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مکمل اتباع ہو جائے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بعض (حصہ) نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہونے کے باوجود دوڑ کر آنے سے روکا گیا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز کا ارادہ کر لیتا ہے، اس وقت سے وہ شخص نماز (کے حکم) میں ہوتا ہے۔'' (صحيح مسلم، كتاب المساجد، رقم: ۱٥۲/۶۰۲.)

اور یہ حدیث نماز کی طرف آنے کے تمام اوقات کو شامل ہیں۔ نیز فرماتے ہیں:

## جو نماز تمہیں مل جائے، اسے پڑھ لو اور جو تم سے چھوٹ جائے، اسے پورا کرلو:

اس سے تنبیہ و تاکید ثابت ہوتی ہے۔ تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ نہی اس شخص کے بارے میں ہے۔ جسے نماز فوت ہو جانے کا خوف ہو۔'' (شرح مسلم للنووی، ص : ٥٤٤، ٥٤٥ ـ مطبوعه دار ابن حزم.)

علاوہ ازیں علامہ شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نماز ادا کرنے (دوڑ) کر نہ آؤ، اگرچہ تمہیں نماز فوت ہونے کا خوف ہی کیوں نہ ہو۔'' (عون المعبود : ۲/۱۶۷ ـ مطبوعه دار إحياء التراث العربيه)

اور امام ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں: ''نماز کے لیے (دوڑ) کر آنا جائز نہیں ہے۔ اگر چہ اسے علم ہو کہ نماز شروع ہو چکی ہے۔'' (المحلی : ۱۸۲/۳، مطبوعه دارالکتب العلمیه.)

البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض صحابہ مثلاً ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم (وغیرہ) کا کہنا ہے کہ ''تکبیر تحریمہ'' فوت ہونے کے خوف سے دوڑ کر نماز میں شرکت کی جا سکتی ہے، اور وہ خود بھی اس پر عمل کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه : ۳۵۹/۲۔ طرح التثریب : ۳۵۵/۲.)

اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ جب اذان کہی جائے تو نماز ادا کرنے سکون اور باوقار طریقہ سے چل کر آنا چاہیے، اور نماز فوت ہونے کے خوف سے تیز رفتاری اور جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔

کیونکہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلٰوةِ فَهُوَ فِي صَلٰوةٍ .))

''جب تم میں سے کوئی شخص نماز (پڑھنے) کا ارادہ کر لیتا ہے، اس وقت سے وہ شخص نماز (کے حکم) میں ہوتا ہے۔'' (صحيح مسلم، كتاب المساجد، رقم : ۶۰۲.)

نیز اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جس شخص نے نماز کا ایک جز بھی پا لیا گویا اس نے پوری نماز پالی۔ یعنی جماعت کی فضیلت پالی۔ (عون المعبود : ۱۶۷/۲.)

## دفع تعارض:

مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نماز کے لیے دوڑ کر آنا منع ہے، جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾

(جمعه : ۹)

''اے ایمان والو! جمعہ کے روز جب نماز کے لیے اذان کہی جائے، تو تم اللہ کو یاد کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ لپکو۔''

اس آیت مبارکہ اور حدیث نبوی کے درمیان بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں۔ چنانچہ اہل علم نے لفظ ''سَعْی'' کی تصریح فرمائی ہے اور کہا ہے: ''سعی'' سے مراد اطاعت ہے یعنی دنیاوی مشاغل ترک کر کے ذکر الٰہی اور جمعہ کی طرف جلدی کرنا۔

معلوم ہوا کہ اس آیت مبارکہ میں لفظ ''سعی'' سے مقصود دنیاوی مشاغل چھوڑ کر جلدی سے اللہ کے گھر یعنی مسجد میں پہنچنا ہے۔

**امر ثانی:** مسبوق (وہ شخص جس نے پوری جماعت نہ پائی ہو) کا امام کی اقتداء میں کچھ رکعتیں پا لینا اس کے لیے آخرِ نماز شمار ہوگا یا اول نماز؟

تو یاد رہے کہ ایسی تمام روایات جن میں یہ مسئلہ مذکور ہے، پر غور کرنے سے یہ بات واضح معلوم ہوتی ہے کہ مسبوق جو نماز امام کی اقتداء میں ادا کرے گا، وہ اس کی اول نماز شمار کی جائے گی اور جو نماز امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرے گا، وہ اس کی آخر نماز شمار کی جائے گی، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور سلف وخلف میں سے جمہور اہل علم کا یہی مؤقف ہے۔ علاوہ ازیں امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے (وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا) سے یہی استدلال سیدنا علی، عمر، ابودرداء، عمر بن عبدالعزیز، سعید ابن المسیب، حسن بصری اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم سے بھی نقل کیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۳۲۳، ۳۲٤.)

جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل علم کی ایک دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں مقتدی امام کی اقتداء میں جو نماز پڑھے گا، وہ اس کی آخری نماز شمار کی جائے گی۔ اور جو نماز امام کے سلام پھیر لینے کے بعد پڑھے گا، وہ اس کی اول نماز شمار ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ اپنے اس مؤقف کی تائید میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں ((وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ)) کے الفاظ ہیں اور حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حدیث میں ہے ((وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ)) "جو نماز رہ گئی ہے اس کو قضا کرو' اور ظاہر ہے قضاء پہلی نماز کی ہوتی ہے۔ لیکن امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سمیت جن لوگوں نے یہ مؤقف اختیا کیا ہے، درست نہیں ہے، اس لیے کہ لفظِ قضاء ہمیشہ فوت شدہ کے لیے مستعمل نہیں ہے، بلکہ ''ادا کرنے اور پورا کرنے'' کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔

چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جمہور اہل علم نے اس روایت سے متعلق یہ جواب دیا ہے کہ ''قضاء'' سے مراد پورا کرنا ہے، نہ کہ اصطلاحی قضاء جو فقہاء کے ہاں معروف ہے۔ اور لفظِ قضاء پورا کرنے کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ان میں چند مقامات درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۰۰) ''پس جب تم اپنے مناسک حج پورے کرلو۔''

اور دوسرے مقام پر اللہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ﴾ (الجمعه: ۱۲) ''پس جب تم نماز پوری کرلو۔'' اور کہا جاتا ہے: (قَضَيْتُ حَقَّ فُلَانٍ) ''میں نے فلاں کا حق ادا کردیا۔''

(شرح مسلم للنووی، ص: ٥٤٥)

معلوم ہوا اس اعتبار سے "فأتموا" اور "فأقضوا" کے درمیان کوئی مغایرت نہیں رہتی۔ (عون المعبود: ۲/۱٦۹.) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے۔ (فتح الباری: ۲/۱٥٦، دارالسلام الریاض)

# قاتل ومقتول دونوں پر اللہ تعالیٰ کا ہنسنا

۱۱۱...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((يَضْحَكُ اللّٰهُ لِرَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ ، كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ، قَالُوْا: كَيْفَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يُقْتَلُ هٰذَا ، فَيَلِجُ الْجَنَّةَ ، ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْاٰخَرِ ، فَيَهْدِيْهِ اِلَى الْاِسْلَامِ ، ثُمَّ يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُسْتَشْهَدُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے دو آمیوں (کی طرف دیکھ کر) مسکرا دیتا ہے۔ جن میں سے ایک دوسرے کا قاتل ہوگا، (اس کے باوجود) وہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے، اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کیسے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (وہ اس طرح کہ) جو اللہ کی راہ میں لڑا وہ تو شہید ہوا، اور جنت میں داخل ہوگیا۔ پھر اللہ نے دوسرے یعنی قاتل کو توبہ کی توفیق بخشی اور اسلام قبول کرنے کی ہدایت دی، پھر اس نے بھی اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور شہید ہوگیا۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ میں جہاد فی سبیل اللہ کی عظمت وفضیلت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا بیان بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ عمومی طور پر قاعدہ اور اصول تو یہ ہے کہ مسلمان کا قاتل اور مقتول مسلمان دونوں ایک ساتھ جنت میں داخل اور جمع نہیں ہو سکتے اور پھر حیرت یہ ہے کہ مقتول ہو بھی شہید، اس بارے میں یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ ایسے شخص کا قاتل واصل جہنم ہوگا۔

لیکن اللہ قدیر خود جب اپنے عجائباتِ قدرت دیکھ کر ہنس دیتا ہے کہ ایک کافر شخص نے لڑتے ہوئے مجاہد فی سبیل اللہ، کو شہید کر دیا ہے، لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اسی شخص کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیا، جس کی

(۱۱۱)...... صحيح بخارى، كتاب الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم، ثم يسلم فيسدد بعد، ويقتل، رقم: ۲۸۲٦۔ صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، رقم: ۱۸۹۰/۱۲۹، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ سنن نسائى، كتاب الجهاد، باب اجتماع القاتل والمقتول فى سبيل الله فى الجنة، رقم: ۳۱۷۰۔ مسند احمد: ۱٦/ ۹۷، رقم: ۸۲۰۸/۱۱۰۔ مصنف عبدالرزاق، باب من يضحك الله تعالىٰ إليه، رقم: ۲۰۲۸۰۔ شرح السنه، كتاب السير و الجهاد، باب ثواب الشهادة: ۱۰/۳٦۷.

بدولت وہ مسلمان لشکرِ اسلام کا سپاہی بن کر جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں جامِ شہادت نوش کر گیا۔ اس طرح قاتل اور مقتول دونوں جنت میں داخل ہو گئے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جس طرح دیگر صفات برحق ہیں، عین اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہنسا یعنی صفتِ ''ضحک'' بھی برحق ہے۔

## صفت ضحک کی تاویل کا منہج:

بعض اہل علم صفات الٰہیہ کے متعلق تاویل کا منہج اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''قاضی عیاض فرماتے ہیں: ''یہاں ''ہنسنا'' اللہ تعالیٰ کے لیے استعارۃً استعمال ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف (انسانوں میں متعارف) ہنسی کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ ہنسی کا محل اجسام ہوتے ہیں اور وہ چیزیں ہوتی ہیں جو تغیر پذیر ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔ یہاں ہنسی سے مراد اللہ تعالیٰ کا ان دونوں کے فعل پر راضی ہونا، ان کو ثواب عطا کرنا اور ان کی تعریف و تحسین کرنا ہے۔ اور اس سے فرشتوں کا ہنسنا بھی مراد ہوسکتا ہے کیونکہ بعض اوقات فرشتوں کے افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی جاتی ہے۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ١٤٥٤.)

مولانا رضا الحسن قادری اور رفیق چوہدری صاحب نے بھی صحیفہ کے حواشی میں یہی راہ اختیار کی ہے۔

بعض اہل علم نے اس کی تاویل میں کہا ہے: ''ہنسنے سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر راحت و رأفت اور رحمت کا نزول فرمانا ہے۔'' (طرح التثریب: ٧/٢٠٥)

## اس منہج کا ردّ:

لیکن یاد رہے کہ صفات الٰہیہ کی تاویل کرنا درست نہیں۔ درست بات یہ ہے کہ ان کی تاویل کرنے کی بجائے انہیں اپنی اصل حالت میں چھوڑ دیا جائے، ان کی تاویل اور کیفیت بیان کرنا مسلکِ سلف (صالحین) کے صریح مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے قطعاً مشابہہ نہیں ہیں۔ جب مشابہت میں دور کا واسطہ و تعلق ہی نہیں، تو ان میں تاویل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نیز جب وہ ذات ہی مختلف ہے تو ظاہر ہے، اس کی صفات بھی ہم سے مختلف ہوں گی: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔''

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اکثر سلف صالحین ایسی صفات کی تاویل کرنے سے منع فرماتے ہیں، بلکہ جیسے یہ وارد ہوئی ہے، اسی طرح تسلیم کرتے ہیں، اس عقیدہ کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہہ نہیں ہے۔'' (فتح الباری: ٦/٤٠)

صفات کو تسلیم کرنے کا معنٰی یہ ہے کہ ہمیں ان کے معانی تو معلوم ہیں، مگر کیفیت معلوم نہیں۔ صفاتِ الٰہیہ کی تاویل کے بارے میں ہم پہلے بھی بعض متفرق مقامات پر لکھ چکے ہیں کہ سلف صالحین کے نزدیک ان کی تاویل کرنا درست نہیں ہے، بلکہ انہیں من و عن ویسے ہی تسلیم کرنا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے شایانِ شان ہے۔

# کسی کی بیع پر بیع اور منگنی پر منگنی منع ہے

۱۱۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( لَا يَبِيْعُ اَحَدُكُمْ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ ، وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کا پیغام بھیجے۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث میں دو باتوں کی ممانعت کا بیان ہے۔

**اول:** پہلی ممانعت کسی مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی کرنے کے بارے میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جس عورت کو اس کا بھائی پیغام نکاح بھیجے، دوسرے بھائی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بھی اس عورت کو پیغامِ نکاح بھیجے، اس لیے کہ ایسا کرنے میں اس کی حق تلفی ہوتی ہے، نیز حق تلفی کے ساتھ ساتھ اس کو اس کی پسند کے رشتہ سے محروم بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۲۱۴۰ کے مطابق کسی عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کسی شادی شدہ مرد سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے، کیونکہ ایسا کرنے میں اس کی بہن کی حق تلفی ہے۔ جو کہ قطعاً غیر اخلاقی اور غیر منصفانہ فعل ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح نقل کرتے ہیں کہ ''یہ (حدیث اور ایسی تمام) احادیث اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرنے کی حرمت کو ظاہر کر رہی ہیں۔ اور جمہور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جب منگنی کرنے والے کا پیغام صراحت کے ساتھ منظور کر لیا جائے، اور وہ اس رشتہ کو چھوڑنے والا (بھی) نہ ہو یعنی مکمل میلان ہو چکا ہو۔ تو کسی دوسرے شخص کے لیے منگنی کا پیغام دینا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے جبکہ اس کو اچھی طرح رشتہ طے ہو جانے کا علم ہو، اور اگر دوسرے شخص نے پیغام بھیج کر نکاح کر لیا تو ایسا کرنے پر وہ گناہ گار ٹھہرے گا، البتہ اس

---

(۱۱۲) صحيح بخاری، كتاب البيوع، باب لا يبيع على بيع أخيه و لا يسوم على سوم أخيه حتى يأذن له أو يترك، رقم: ۲۱۳۹ـ صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبه أخيه حتى يأذن أو يترك، رقم: ۱٤۱۲، ۱٤۱۳ـ سنن نسائی، كتاب النكاح، باب خطبة الرجل إذا ترك الخاطب أو أذن له، رقم: ۳۲٤۸ـ سنن الترمذی، كتاب النكاح، باب ما جآء أن لا يخطب الرجل على خطبة أخيه: ۱۱۳٤ـ مسند احمد: ۹۸/۱٦، رقم: ۸۲۰۹، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ...... ـ مصنف عبدالرزاق، باب لا يبيع حاضر لباد، رقم: ۱٤۸٦۹ـ شرح السنه، باب بيع المصراة وغيره، رقم: ۲۰۹٤.

کا نکاح درست ہے، فسخ نہیں ہوگا۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۰۲٦.)

نیز امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''ہمارے نزدیک اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جب آدمی کسی عورت کو منگنی کا پیغام بھیجے اور وہ عورت اس پر رضامند اور اس کی طرف مائل ہو، تو کسی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ (بھی) اس کی طرف منگنی کا پیغام بھیجے۔''

(سنن الترمذی، تحت حدیث رقم: ۱۱۳٤، مطبوعه المکتبه المعارف للنشر و التوزیع.)

**الثـــانی**: دوسری نہی جو بیان ہوئی ہے، وہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرنے کے بارے میں ہے۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے ایک تو اس کی حق تلفی ہوتی ہے اور دوسرے اس شخص کو اپنی پسند کی چیز خریدنے سے محروم بھی کر دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا رویہ اختیار کرنے سے معاشرہ میں سدھار کی بجائے بگاڑ پیدا ہونے کا سخت اندیشہ ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے، البتہ غنائم اور مواریث میں ایسا سودا کرنا جائز ہے، جیسا کہ ''جامع الترمذی'' میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شخص کسی کی بیع (خرید وفروخت) پر بیع نہ کرے، یہاں تک کہ وہ (خود) اس کو ترک کر دے، ہاں! غنائم اور مواریث میں ایسا درست ہے۔''

چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ بیع پر بیع کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی چیز کو مدتِ خیار پر خریدا ہو، اور کوئی دوسرا شخص آ کر اسے کہے: اس بیع کو فسخ کر دو۔ میں آپ کو یہی چیز اس سے کم دام پر فروخت کروں گا، یہ حرام ہے۔ یا خریدار کہے: تم اس بیع کو فسخ کر دو، میں تمہیں اسی چیز کے اس سے زیادہ دام دوں گا۔ یہ بھی حرام ہے۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۱٦۱.)

علاوہ ازیں امام مالک رحمہ اللہ کا بھی تقریباً یہی قول ہے۔ (المؤطا: ٦٨٤/٢.)

آخر میں اس بات کی وضاحت کرتے چلیں کہ حدیث میں لفظ "اخیہ" سے مراد صرف مسلمان نہیں ہے، جیسا کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ اور ابوعبید بن حربویۃ (فقہ شافعی کے جلیل القدر امام ہیں) کا کہنا ہے، بلکہ جمہور اہل علم نے اسے عام رکھا ہے، اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''بھائی'' کا ذکر عرفاً ہے نہ کہ اس کا کوئی خاص مفہوم ہے۔

(فتح الباری: ٤٤٧/٤)

بہر حال اسے عام رکھنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ شیخ ابو داؤد راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جمہور علماء نے اسے عام رکھا ہے، کیونکہ یہ امر اخلاق سے بعید ہے کہ ایک شخص اپنا سامان بیچ رہا ہے یا کوئی شخص کچھ خرید رہا ہے ہم بیچ میں جا کودیں، اور اس کا فائدہ نہ ہونے دیں۔'' (شرح صحیح بخاری: ۳۲۷/۳، مطبوعه مکتبه قدوسیه)

# کافر سات اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے

۱۱۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اَلْكَافِرُ يَأْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَآءٍ ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِيْ مِعًى وَّاحِدٍ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، اور مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ کو ظاہری نگاہ سے دیکھا جائے، تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اہل کفر زیادہ کھاتے ہیں اور اہل ایمان کم، لیکن اگر اس حدیث اور اس جیسی تمام احادیث وآثار کو نگاہِ تدبر سے دیکھا جائے، تو یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ اس سے مراد کثرتِ طعام نہیں، وہ تو ایک تشبیہی بیان ہے۔ بلکہ اس سے مراد جملہ حیاتیاتی امور ہیں، جن میں عملی طور پر صاحب ایمان اور ایک صاحب کفر کے درمیان زمین وآسمان کا تفاوت نظر آتا ہے۔ مثلاً کثرتِ مال کی حرص، شہوت سے دلچسپی اور دولت سے محبت رکھنا وغیرہ۔ بہرحال اس حدیث میں مؤمن کے لیے دنیا میں تقلل اور کافر کے لیے استکثار کا بیان ہے، جیسا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا۔

(فتح الباری: ٦٦٧/٩ ، مطبوعه دارالسلام)

چنانچہ اسی بنیاد پر اہل علم نے اس حدیث کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے چند ایک ھدیۂ قارئین کی جارہی ہیں۔

**اول:** کافر کی سات آنتوں سے مراد، اس کی سات خصلتیں ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

(۱) حرص (۲) لالچ (۳) لمبی امید (۴) طمع
(۵) بدتمیز طبع (۶) حسد (۷) اور بھاری جسم والا ہونا۔

**ثاني:** یہ حکم بعض مؤمنوں اور بعض کفار کے لیے ہے۔ اس سے جنس مؤمن اور جنس کافر مراد نہیں ہے۔

(**۱۱۳**)...... صحيح بخاری، كتاب الأطعمه، باب المؤمن يأكل فی معی واحد، رقم: ٥٣٩٣، ٥٣٩٥، ٥٣٩٦، ٥٣٩٧۔ صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب الكافر يأكل فی سبعة أمعاء، رقم: ٢٠٦٠، ٢٠٦١، ٢٠٦٢، ٢٠٦٣۔ مسند احمد: ٩٨/١٦، رقم: ٨٢١٠/ ١١٧، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: ...... ۔ شرح السنه، كتاب الأطعمه، باب المؤمن يأكل فی معی واحد، رقم: ٢٨٧٩۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب المؤمن يأكل فی معیً واحد، رقم: ٤١٩/١٠ .

**ثالث**: حدیث میں مؤمن سے مراد کامل مؤمن ہے جو (دنیا میں) نفس پرستی سے اعراض کرتے ہوئے اپنی ضرورت کے مطابق خوراک استعمال کرتا ہے۔

**رابع**: بعض مؤمن ایک آنت میں کھاتے ہیں اور اکثر اہل کفر سات آنتوں میں کھاتے ہیں۔

**خامس**: مولانا داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس کے معنٰی یہ ہیں کہ کافر کی تمام تر حرص پیٹ ہوتا ہے اور مؤمن کا اصل مقصود آخرت ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا مؤمن کی شان یہی ہے کہ کم کھانا ایمان کی عمدہ سے عمدہ خصلت ہے اور زیادہ کھانے کی حرص کفر کی خصلت ہے۔''

(شرح صحیح بخاری، مولانا محمد داود راز: ۷/۱۳۰.)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اہل علم کا کہنا ہے: ''اس حدیث کا ماحاصل یہ ہے کہ دنیا میں تھوڑا کچھ حاصل کر کے اس پر قناعت کرنا اور دنیا میں زہد کی طرف راغب ہونا چاہیے۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۵٦۱.)

اس لیے کہ اسلام کم کھانے والوں کو مدح وثناء اور زیادہ کھانے والوں کی مذمت بیان کرتا ہے، علاوہ ازیں جاہلیت کے اہل عقل بھی اس چیز کو ترجیح دیتے ہیں۔

**سادس**: مؤمن کھانا ''بسم اللہ'' پڑھ کر دائیں ہاتھ کے ساتھ تناول کرتا ہے، لہٰذا برکت ہوتی ہے اور کم کھانے سے بھی سیر ہو جاتا ہے، جبکہ کافر کے کھانے میں اس کے ساتھ شیطان شریک ہوتا ہے اور کھانا بے برکت رہتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھنے اور بائیں ہاتھ سے کھانے کی وجہ سے شیطان بھی کھانا کھاتا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم: ۱۰۲/ ۲۰۱۷۔ سنن ابو داؤد، رقم: ۳۷٦٦.)

# سیّدنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کا نام ''خضر'' کیوں رکھا گیا؟

۱۱۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرُ خَضِراً ، لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلٰى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ ، فَإِذَا هِيَ تَهْتَزُّ تَحْتَهُ خَضِرًا . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خضر'' کا نام ''خضر'' اس لیے رکھا گیا کہ وہ ایک (مرتبہ) سفید ریت یا خشک زمین پر بیٹھے تو اچانک وہ زمین آپ کے نیچے سرسبز ہو کر لہلہانے لگی۔''

**شرح الحديث:**......اس فرمان نبوی ﷺ میں خضر عَلَیْہِ السَّلَام کی وجہ تسمیہ کا بیان ہوا ہے کہ انہیں ''خضر'' کس وجہ سے کہا جاتا تھا، لیکن حقیقتاً ان کا اصل نام ''بلیان'' یا ''خضرون'' یا پھر ''الیاس'' وغیرہ تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے ان اسماء کا ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری: ٦/٥٢٦، ٥٢٧.)

## وجہ تسمیہ:

مذکورہ حدیث میں ان کے لقب کی وجہ بیان ہوئی ہے، کہ انہیں ''خضر'' کس وجہ سے کہا جاتا تھا؟ تو جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ وہ خشک (سفید) زمین پر تشریف فرما ہوئے، تو اچانک وہ زمین ان کے نیچے سرسبز ہو کر لہلہانے لگی۔ اس سے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے تشریف فرما ہونے سے خشک گھاس ہری ہو جاتی تھی۔

## سیّدنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام نبی تھے یا ولی؟

اب رہا یہ مسئلہ کہ آیا جناب خضر نبی تھے یا ولی؟

''جناب خضر'' اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ اور اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اب ہم جناب خضر عَلَیْہِ السَّلَام کے نبی ہونے اور ان کے دنیا سے رحلت فرما جانے کے چند دلائل ذکر کر رہے ہیں۔

---

(**١١٤**)...... صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیآء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام، رقم: ٣٤٠٢، حدثنا محمد بن سعید الاصبهانی: اخبرنا ابن المبارك عن معمر، عن همام بن منبه، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ......۔ سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورة الکهف، رقم: ٣١٥١۔ مسند احمد: ١٦/٩٨۔٩٩، رقم: ٨٢١١.

### ا۔ خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کی تحقیق:

اس سے متعلق صحیح اور دلائل قویہ سے جو موقف ثابت ہے، وہ یہی ہے کہ جناب خضر علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ علامہ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بھی یہی مختار قول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جناب خضر نے تینوں کام کر لیے اور کہنے لگے:

﴿وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ﴾ (الکھف: ۸۲)

''میں نے اپنی رائے سے یہ فعل نہیں کیا۔''

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے تینوں کام، بچے کا قتل، کشتی توڑنا اور دیوار کھڑی کر دینا بذریعہ وحی کیے تھے، یاد رہے! وحی کا تعلق نبوت سے ہے، بغیر نبوت کے کسی شخص کو وحی نہیں آسکتی، بہر حال کسی انسان کو ناحق قتل کرنا، کسی کا نقصان کرنا وغیرہ شرعاً حرام ہے، اور یہ حرمت صرف دلائل قطعیہ سے اٹھ سکتی ہے۔

اور مزید موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝۶۵﴾

(الکھف: ٦٥)

''پس ان دونوں (موسیٰ اور نوجوان) نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص مہربانی دی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔''

یہاں رحمت سے مراد جمہور علماء کے نزدیک نبوت ہے کیونکہ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد جگہوں پر اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ علم سکھانے سے مراد بواسطہ وحی ہم نے انہیں تعلیم دی۔

معلوم ہوا کہ جناب خضر علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، نہ کہ ولی۔ اگر ولی مان بھی لیا جائے، تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ فعل بذریعہ الہام کیا تھا، تو الہام دلیل ظنی سے مستعار ہے اور ظنی دلیل کی بنیاد پر کسی انسان کو قتل کرنا قطعاً جائز نہیں۔

**دوسری دلیل:** علاوہ ازیں امورِ تکوینیہ میں جناب خضر علیہ السلام کا علم جناب موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ تھا۔ اگر انہیں ولی مان لیا جائے تو قطعاً جائز نہیں کہ ولی کا علم وقت کے نبی سے زیادہ ہو۔ بہر حال ولی کا علم نبی سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''کئی باتیں خضر علیہ السلام کے نبی ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

ا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۞ ﴾

(الکہف : ٦٥)

''پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا ہم نے اسے اپنے پاس سے رحمت سے نوازا تھا اور ہم نے اسے انہی طرف سے علم سکھایا تھا۔''

۲۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب ہو کر کہنا:

﴿ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۞ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۞ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۞ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۞ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۞ ﴾ (الکہف : ٦٦۔٧٠)

''کیا میں آپ کی پیروی اس شرط پر کر سکتا ہوں کہ آپ مجھے اس سے علم سکھائیں جو آپ کو ہدایت ورہنمائی سکھائی گئی ہے؟ کہا: تو میرے ساتھ (رہ کر) صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا۔ اور اس پر تو صبر کر بھی کیسے سکتا ہے جس کے متعلق آپ کو پوری خبر نہیں۔ انہوں نے کہا: ان شاء اللہ مجھے آپ صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا، کہا: اگر تو نے میری پیروی کرنی ہے تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا حتیٰ کہ میں خود تیرے لیے اس کا ذکر کروں۔''

اگر خضر علیہ السلام نبی کی بجائے ولی ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام آپ سے مذکورہ انداز سے بات نہ کرتے اور نہ آپ خود اس انداز سے جواب دیتے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ رہنے کی درخواست اس لیے کی تو اللہ کا دیا ہوا خاص علم ان سے حاصل کریں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا۔ اگر وہ نبی نہیں تھے وہ معصوم عن الخطاء بھی نہ تھے۔ تو پھر موسیٰ علیہ السلام جو (جلیل القدر، عظیم المرتبت عزت دار رسول اور غلطیوں سے محفوظ نبی تھے) کو ایک ولی (جو غلطیوں سے پاک نہیں) کی اتباع کرنے اور اس سے علم حاصل کرنے کی رغبت نہ ہوتی۔ اور نہ ہی آپ ان کے پاس جانے اور ان کے حالات معلوم کرنے کا عزم کرتے۔ حالانکہ انہیں خود نبی بنے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ ایک رائے کے مطابق اسی (۸۰) سال گذر چکے تھے۔

یہ بات بھی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان سے ملے تو ان کے سامنے تواضع اور انکساری اختیار کی۔ ان کی تعظیم وتوقیر بجا لائے اور طالب علم کی حیثیت سے ان کی پیروی کی، یہ سب باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ بھی آپ جیسے نبی تھے۔ ان کی طرف بھی آپ کی طرح وحی ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسرار نبوت سے خصوصی طور پر نوازا ہوا تھا جن پر موسیٰ علیہ السلام آگاہ نہیں تھے۔ حالانکہ آپ نبی اسرائیل کے برگزیدہ رسول تھے۔ اسی انداز سے الرمانی

نے بھی خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کا استدلال کیا ہے۔

۳۔ خضر علیہ السلام نے لڑکا قتل کیا تھا، تو یہ اللہ ملک العلام کی طرف سے وحی کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے، یہ تو ان کے نبی ہونے کی مستقل دلیل ہے۔ اور ان کے معصوم ہونے کا صاف صاف ثبوت ہے۔ کیونکہ ولی اپنی من مانی سے کسی کو قتل نہیں کرسکتا۔ ولی کا کشف والہام غلطی سے پاک نہیں ہوسکتا۔ بالاتفاق اس سے غلطی سرزد ہوسکتی ہے، جب کہ خضر علیہ السلام نے اس نابالغ بچے کو یہ جانتے ہوئے قتل کیا کہ اگر یہ بڑا ہوا تو کفر کرے گا اور اپنے والدین کو کفر پر مجبور کرے گا اور وہ اس کے ساتھ شدید محبت کی وجہ سے اس کی بات مان لیں گے۔ یہ عظیم مصلحت صرف خضر علیہ السلام کو ہی معلوم ہوئی کہ لڑکے کے زندہ رکھنے کے معاملے میں لڑکے کو قتل کر کے اس کے والدین کو کفر سے بچانا اور کفر کی سزا سے محفوظ رکھنا بہتر ہے۔تو یہ ان کے نبی ہونے کی دلیل اور اللہ کی طرف سے ان کے معصوم ہونے کی تائید ہے۔

۴۔ جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے افعال کی حقیقت واضح کی تو بعد میں فرمایا: ''یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہے اور میں نے اپنی مرضی سے یہ (کام) نہیں کیے۔'' (الکہف: ۸۲) یعنی یہ کام میں نے وحی اور اللہ کے حکم کے مطابق کیے ہیں۔

یہ وجوہات خضر علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور نبوت و رسالت حصول ولایت کے منافی نہیں۔ جیسے کچھ لوگوں کی رائے ہے۔(قصص الانبیاء، ص: ۳۳۶، ۳۳۷، طبع دارالفکر بیروت)

## سیّدنا خضر علیہ السلام فرشتے بھی نہ تھے:

بعض لوگ ان کے فرشتے ہونے کی رائے رکھتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''خضر علیہ السلام کے متعلق فرشتے ہونے کی رائے بہت تعجب خیز ہے۔ جب خضر علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت ہوگیا جیسے ہم نے اس کے دلائل بیان کیے ہیں تو ان لوگوں کی رائے کی کوئی دلیل و برہان نہ رہی جو کہتے ہیں کہ وہ ولی تھے اور پھر کہتے ہیں کہ ولی بعض اوقات کچھ معاملات کی حقیقت کو پالیتا ہے جن تک ظاہری شریعت والوں کی رسائی نہیں ہوتی، ان کی یہ بات بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے۔'' (قصص الانبیاء، ص: ۳۳۷، طبع دارالفکر بیروت)

## کیا سیّدنا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں؟ تو اس بارے علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ تمام صوفیاء اور بعض دوسرے علماء ان کی حیات کے قائل ہیں اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اور بعض دوسرے محدثین کا کہنا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں، اور یہی بات درست ہے۔

## حیاتِ سیّدنا خضر علیہ السلام کی نفی پر دلائل:

**دلیــــل اوّل:** چنانچہ امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ حدیث سے جب حیاتِ خضر علیہ السلام کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں قرآن مقدس کی اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا:

﴿وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ (الانبیآء: ٣٤)

''ہم نے آپ سے قبل کسی انسان کے لیے ہمیشہ رہنا مقدور نہیں کیا۔''

لہٰذا اگر خضر علیہ السلام بشر ہیں تو لازمی طور پر اس آیت کے عموم کے تحت داخل ہیں اور دلیل کے بغیر اس کی تخصیص نہیں کی جاسکتی۔ جب تک ثبوت نہ ہو، اس وقت تک اصل تو عدم یعنی کسی چیز کا نہ ہونا ہی ہے، النبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے تخصیص کی کوئی یقینی دلیل مروی نہیں جس کو قبول کرنا ضروری ہو۔

**دلیـل ثـانی:** اس طرح حیاتِ خضر علیہ السلام کی نفی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک بھی کھلی دلالت کر رہا ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو لوگ اب جی رہے ہیں (ٹھیک ایک) سو سال بعد ان میں سے کوئی (بھی) زندہ نہیں رہے گا۔''

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، رقم: ٦٤٧٩۔ صحیح بخاری، رقم: ١١٦.)

ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صحیح روایت حیاۃ خضر علیہ السلام کے نظریہ کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ اگر خضر علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے پہلے فوت ہو چکے ہیں، جیسا کہ غالب گمان ہے بلکہ قطعی رائے کے قریب قریب ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر وہ آپ کے دور تک زندہ ہیں تو مذکور حدیث کا تقاضا ہے کہ وہ سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے اور وہ اب دنیا میں موجود نہیں۔ کیونکہ وہ حدیث کے عموم میں داخل ہیں۔ اس کی تخصیص کرنے والی کوئی دلیل نہیں۔

**دلیـل ثـالـث:** ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جو حیات خضر کے قائل ہیں کہ اگر وہ اس دنیا میں یا جہاں کہیں حیات ہیں تو کفار کے خلاف لڑنے، مسلمانوں کی سپہ سالاری کرنے اور دیگر امور میں مسلمانوں کی معاونت و نصرت کرنے آخر کیوں نہیں تشریف لاتے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝٨١﴾

(آل عمران: ٨١)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے، فرمایا: کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا، فرمایا: گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ آپ ﷺ کی امت میں شامل ہوتے اور آپ کی شریعت پر چلتے۔ ان کے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔

اگر خضر علیہ السلام زمین پر ہوتے تو ان کا آپ کے جھنڈے تلے آ کر قتال کرنا ان کے لیے بہت زیادہ شرف وعظمت والا کام ہوتا۔

ابوطاہر العنباری کا کہنا ہے کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ یہ بات ابن الجوزی نے ''العجالة'' میں نقل کی ہے۔

**دلیل رابع:** حیاتِ خضر علیہ السلام پر زیادہ سے زیادہ جو دلیل وحجت بیان کی جاتی ہے۔ وہ صوفیاء اور بزرگوں سے منقول شدہ حکایات وخواب ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ خواب دیکھنے والے نے کس شرعی دلیل کی بنیاد پر اس کی اس بات کی تصدیق کی کہ وہ خضر علیہ السلام ہیں۔ بہر حال ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ سیدنا خضر علیہ السلام نہ ولی اور فرشتے ہیں اور نہ اس دنیا میں حیات ہے، بلکہ وہ اللہ کے نبی اور فوت شدہ ہیں۔

**تفصیل ملاحظہ فرمائیں:** قصص الانبياء، لابن كثير، ص: ٣٣٧۔ ٣٤٧۔ المدخل، ص: ١٦٧۔ ١٧٤۔ المنار المنيف، لابن القيم، ص: ٦٧۔٧٦۔ طرح التثريب: ٨/ ١٥٤۔ فتح الباری: ٦/ ٤٣٤۔ جواهر المعانی: ١/ ٢٤٦۔٢٤٧.

# تکبر اور غرور سے کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

۱۱۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى الْمُسْبِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يَعْنِيْ إِزَارَهٗ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکانے والے کی طرف (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''

**شرح الحديث**: ......اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص غرور اور گھمنڈ کی وجہ سے اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہو، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔ اس لیے کہ انسان کے لیے اصل برائی ہی غرور اور گھمنڈ ہے، جو ذات باری تعالیٰ کو قطعاً ناپسند ہے۔ لہٰذا غرور اور تکبر جس طرح بھی ہو، بہر حال وصورت مذموم ومکروہ ہے۔

نیز اس مضمون کی تمام روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لیے کوئی لباس فخر وغرور اور تکبر کی بناء پر لٹکانا غلط اور ناجائز ہے۔ چاہیے وہ قمیص ہو، شلوار ہو، تہبند ہو یا عمامہ ہو۔ جیسا کہ سنن ابی داوٗد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَلْإِسْبَالُ فِي الْإِزَارِ وَ الْقِمِيْصِ وَ الْعَمَامَةِ ، مَنْ جَرَّ مِنْهَا شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . ))

''جو شخص ازار، قمیص اور عمامہ میں سے کوئی ایک بھی تکبر سے لٹکائے گا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے نگاہ رحمت سے نہیں دیکھے گا۔''

(سنن ابو داود، كتاب اللباس، رقم: ٤٠٩٤ ـ صحيح الجامع الصغير، رقم: ٢٧٧٠ .)

لیکن یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ حدیث میں عمامہ (پگڑی) کے لٹکانے سے مراد وہ لٹکانا ہے کہ اس کے پلو کو

---

(۱۱۵)...... صحيح بخارى، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، رقم: ٥٧٩١، ٥٧٨٤، ٥٧٨٣، ٣٦٦٥ ـ صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم جرّ الثوب خيلاء وبيان حد ما يجوز إرخاؤه إليه وما يستحب، رقم: ٢٠٨٥/٤٣، ٢٠٨٥/٤٤، ٢٠٨٥/٤٥ ـ سنن الترمذى، كتاب اللباس، باب ما جآء جر ذيول النسآء، رقم: ١٧٣١ ـ مسند احمد، رقم: ٩٩/١٦ : ٨٢١٢/ ١١٩، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال : هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال : ...... ـ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب إسبال الإزار، رقم: ١٩٩٨١ .

دائیں اور بائیں جانب میں بطور فخر وغرور لٹکایا جائے، اور قمیض لٹکانے سے مراد کہ اس کے بازو کھول کر ہاتھوں سے تجاوز کیا جائے، جیسا کہ عمومی طور پر دیہاتوں اور بعض شہروں میں دیکھنے میں آیا ہے۔

اہل عرب کے ہاں لباس کا دامن اتنا طویل اور اتنا نیچے رکھنا کہ چلتے ہوئے گھسٹتا جائے، ان کی علامت فخر سمجھی جاتی تھی، اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

سیرۃ النبی از علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی میں لکھا ہے کہ: ''عربوں میں لباس کا دامن اتنا لمبا یا تہہ بند اتنا نیچے رکھنا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا چلے، بڑائی کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ ان کے بڑے بڑے امراء ورئیس اتنے ہی لمبے دامن رکھتے تھے اور اتنا ہی نیچے تہہ بند باندھتے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی اپنا ازار فخر وغرور سے بڑائی کے اظہار کے لیے گھسیٹ کر چلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہیں اٹھائے گا۔'' اس لیے مرد کو پاجامہ کی؟ اور تہہ بند کو اتنا نیچے نہیں کرنا چاہیے کہ ٹخنے چھپ جائیں، بلکہ آپ ﷺ نے پسند فرمایا ہے کہ پاجامہ اور تہہ بند نصف ساق (پنڈلی) تک ورنہ کم از کم ٹخنوں سے اونچا رہے۔ فرمایا: ازار نیچے لٹکانا غرور کی نشانی ہے اور خدا غرور کو پسند نہیں فرماتا البتہ عورتوں کو دامن یا گھیر نیچے تک لٹکانا بلکہ ایک آدھ بالشت نیچے رکھنا درست ہے۔''

(سیرة النبی صلی الله علیه وسلم: ٦/٣٨١، مطبوعه لاهور)

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر کے ڈھلکنے کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُ ذَالِكَ خُيَلَاءَ))

(سنن نسائی، رقم: ٥٣٥٤ - سنن ابوداود، رقم: ٤٠٨٥ - البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے)

''تو ان لوگوں میں سے نہیں جو اس فعل کو تکبر سے کرتے ہیں۔''

ایسے ہی حالت جنگ میں اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا بھی جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بعض متکبرین سے ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور بعض ایسے ہی جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جاتا ہے۔ وہ متکبرین جن سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے وہ ہیں جو قتال کے وقت اپنے آپ کو دشمن کے سامنے بڑا قوی ثابت کرنے کے لیے ایسے کرتے ہیں اللہ ان پر فخر کرتا ہے۔ (طرح التثریب: ٨/ ١٧٤)

**خلاصہ کلام:**

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کے لیے کپڑا ٹخنے سے نیچے لٹکانا شدید ترین جرم ہے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے خود مستثنیٰ قرار دیا۔ اور ایسے ہی حالت قتال بھی اس سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہے۔

# بنی اسرائیل کی ایک نافرمانی کا بیان

۱۱۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( قِيْـلَ لِبَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ: اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا: حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ، فَبَدَّلُوْا ، وَدَخَلُوا الْبَابَ يَزْحَفُوْنَ عَلٰى اَسْتَاهِهِمْ وَقَالُوْا: حَبَّةٌ فِىْ شَعَرَةٍ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ دروازے سے سجدہ کی حالت میں داخل ہوں۔ اور (ساتھ میں) یہ کہتے آؤ (اے اللہ!) ہماری مغفرت فرما دے (تاکہ تمہارے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں) لیکن انہوں نے اس میں تبدیلی کر ڈالی، چنانچہ وہ (بجائے سجدہ کرنے کے) اپنی سرینوں پر گھسٹتے ہوئے دروازے سے داخل ہوئے اور انہوں نے (حطة کی بجائے) حبة فی شعيرة (جو میں گیہوں) کہا۔''

**شرح الحديث:** ...... جب بیت المقدس فتح ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو لوگوں سے کہا کہ جب شہر کے دروازے پر پہنچو تو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، اور ''حِطَّةٌ'' کہتے جاؤ، یعنی اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف کر دے لیکن ان ظالموں نے بدباطن ہونے کے سبب سرکشی کی راہ اختیار کی، اور اپنے سرینوں کے بل ''حطة'' کی بجائے ''حبة فی شعيرة'' کہتے ہوئے داخل ہوئے چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی غایت درجہ اہانت تھی، اس لیے اللہ نے انہیں طاعون کی بیماری میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٥٩﴾﴾ (بقرہ: ۵۸، ۵۹)

---

(۱۱۶)...... صحيح بخارى، كتاب أحاديث الانبيآء، رقم: ٣٤٠٣، حدثنا اسحاق بن نصر، حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام بن منبه، انه سمع اباهريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله ﷺ : ......۔ صحيح مسلم، كتاب التفسير، رقم: ٣٠١٥/١، حدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ : ......۔ سنن الترمذى، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة البقرة، رقم: ٢٩٥٦۔ مسند احمد: ٩٩/١٦، رقم: ١٢٠/٨٢١٣.

''اور جب ہم نے کہا: اس بستی میں داخل ہو جاؤ، اور اس میں جتنا چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ، اور دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو، اور (حِطَّةٌ) کہتے جاؤ یعنی ہماری معافی ہو، ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ اور نیک لوگوں کو ہم زیادہ دیں گے۔ پھر ظالموں نے اس قول کی جگہ جو ان سے کہا گیا تھا ایک دوسرا قول بدل دیا، تو ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کے سبب آسمان سے ایک عذاب اتار دیا۔''

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی ''رجز'' کا لفظ آیا ہے تو اس کے معنی عذاب کے ہیں۔ مجاہد، ابو مالک، سدی، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ رجز کے معنی عذاب کے ہیں۔

ابن ابو حاتم نے سعد بن مالک، اسامہ بن زید اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلطَّاعُوْنُ رِجْزٌ عَذَابٌ عُذِّبَ بِهٖ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ))

''طاعون کا مرض ''رجز'' یعنی عذاب ہے، تم سے پہلے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب کے طور پر نازل فرمایا تھا۔''

(تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۱۱، طبع دارالسلام۔ تفسیر ابن آبی حاتم: ۱/ ۱۲۰۔ تفسیر الطبری: ۱/۴۳۶)

یہاں (القریة) سے مراد بیت المقدس ہے، ایک قول کے مطابق ''اریحا'' نامی بستی مراد ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے جس میں عمالقہ آباد تھے۔

## مفردات کی شرح:

''اَلْبَابُ'' امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہد وغیرہ کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جس دروازے سے جھک کر داخل ہونے کا حکم فرمایا تھا۔ اس سے مراد ''بیت المقدس'' کا دروازہ ہے، جو ''باب حطه'' کے نام سے معروف ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ: ''الباب'' سے گنبد کا وہ دروازہ مراد ہے جس کی جانب جناب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔

''سُجَّدًا'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تعظیماً حالتِ رکوع میں داخل ہونا ہے۔

(تفسیر الطبری: ۱/ ۴۲۷)

دوسرا قول یہ ہے کہ: انکساری اور تواضع کے ساتھ داخل ہونا ہے نہ کہ ہیئتِ متعینہ پر۔ (الجامع لأحکام

القرآن : ۱/ ۳۵۰) اس سے مراد نماز والا سجدہ نہیں ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ: انکساری اور شکر کرتے ہوئے داخل ہونا ہے، تاکہ یہ دخول آسان ہو جائے۔

اور امام وہب بن منبہ کا کہنا ہے کہ جب بنی اسرائیلیوں سے کہا گیا: تم لوگ اس دروازے سے داخل ہو جاؤ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم داخل ہو تو سجدہ کرو اور اللہ عزوجل کا شکر ادا کرو۔ (طرح التثريب : ۸/۱۶۶.)

"حِطَّةٌ" حسن رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ (اے ہمارے رب!) ہمارے گناہ بخش دے۔ ابن جبیر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ اس مراد "استغفار" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: اس سے مراد "لا الہ الا اللہ" کا (پڑھنا) ہے، اس لیے کہ یہ کلمہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (طرح التثريب : ۸/۱۶۶.)

ایک قول کے مطابق "حطة" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے جانا، دوسرا یہ کہ لوٹ مار اور قتلِ عام کے بجائے بستی کے باشندوں میں درگزر اور عام معافی کا اعلان کرتے جانا۔"

**خلاصہ کلام:**

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ انہیں حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کے اس موقع پر قول و فعل سے اس کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کریں، اپنے گناہوں کا اقرار کریں، گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کریں، اللہ تعالیٰ کو یہ بات چونکہ بے حد پسند ہے اس لیے اس کا جلد مظاہرہ کریں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣﴾ (النصر : ۱-۳)

"(اے نبی!) جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہوگئی) اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیجئے اور اس سے بخشش مانگیے۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔" (مختصر تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۱۰، طبع دارالسلام)

مزید برآں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امور شریعت میں رد و بدل یا زیادتی کرنا موجبِ ہلاکت ہے۔

(الجامع لاحكام القرآن: ۱/ ۳۵٤)

# نیند غالب ہوتو نماز نہ پڑھو

۱۱۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( إِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَاسْتَعْجَمَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى لِسَانِهِ ، فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُوْلُ ، فَلْيَضْطَجِعْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص قیام اللیل کرے اور قرآن اس کی زبان پر اٹکنے لگے اور وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، تو وہ لیٹ (سو) جائے۔''

**شرح الحديث:**......اس فرمان نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھنے لگے۔ چاہے وہ دن میں ہو یا رات میں، اسی طرح وہ نماز چاہے فرضی ہو، واجبی ہو یا نفلی اور اس پر نیند اس قدر غالب ہو کہ دورانِ نماز اس پر قرآن کی تلاوت کرنا بھاری اور ثقیل ہو جائے اور وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے؟ تو ایسی صورت میں اسے چاہیے کہ وہ نماز ترک کر کے آرام سے لیٹ جائے، پھر جب دیکھے کہ اب نیند کا غلبہ ختم ہو گیا تو باوضو ہو کر اپنی جائے نماز پر اللہ کے حضور کھڑا ہو جائے اور اپنی عبادت میں مصروف ہو جائے۔

لیکن یہ بات واضح رہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک نیند کے سبب نماز ترک کر کے آرام کرنے کا حکم اس صورت میں ہے جب فرض کا وقت فوت ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بات عام ہے کہ وہ نماز فرضی ہو یا نفلی، چاہے دن کی ہو یا رات کی، یہی مذہب ہمارا اور جمہور علماء کا ہے۔ لیکن فریضۂ نماز اپنے وقت سے فوت نہ ہونے پائے۔'' (شرح مسلم للنووی ٦٤٨، مطبوعه دار ابن حزم.)

---

(**۱۱۷**)...... صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب الوضوء من النوم من لم ير من النعسة و النعسيتن أو الخفقة وضوءا، رقم: ۲۱۲، ۲۱۳۔ صحيح مسلم، كتاب صلوٰة المسافرين و قصرها، باب أمر من نعس فى صلوٰته أو استعجم عليه القرآن أو الذكر بأن يرقد أو يقعد حتى يذهب عنه ذلك، رقم: ۲۲۳/ ۷۸۷، حدثنا محمد بن رافع قال حدثنا عبدالرزاق قال حدثنا معمر عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ : ......۔ مسند احمد، رقم: ٩٩/١٦، ٨٢١٤/ ١٢١۔ سنن ابى داود، كتاب الصلوٰة، باب النعاس فى الصلوة، رقم: ۱۳۰۷۔ سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوٰة والسنة فيها، باب ما جآء فى المصلىٰ إذا نعس، رقم: ۱۳۷۲۔ مصنف عبدالرزاق، رقم: ٤٢٢١۔ شرح السنه، باب ترك العمل عند غلبة النوم، والفتور: ٥٨/٤.

اکثر شارحین حدیث نے ایسا ہی لکھا ہے۔ (عون المعبود: ۱۱۷/۳، مطبوعہ احیاء التراث العربی۔ المنہل: ۲۳۵/۷۔ إنجاز الحاجه: ۱۵۸/۵، مطبوعه المکتبه القدوسیه لاهور.)

## حاصل کلام:

یہ ہے کہ جب کسی شخص پر نیند کا غلبہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ نماز پڑھنے کی بجائے اسے ترک کر دے اور آرام سے لیٹ جائے، پھر جب وہ سمجھے کہ اب غلبۂ نیند ختم ہو گیا تو پھر سے نماز پڑھنا شروع کر دے کیونکہ اگر وہ اسی حالت میں نماز پڑھتا رہا تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت درست کرنے کے بجائے غلط کر بیٹھے، جس سے قرآنی آیات کا اصل مفہوم بدل جائے، جو ایک بہت بڑا جرم ہے۔ اور ساتھ ساتھ اپنے لیے دعائے مغفرت کی بجائے بددعا کر بیٹھے، جو اس کے لیے سراسر باعث نقصان ہے۔ جیسا کہ صحیحین کی روایت سے واضح ہے۔

(صحیح بخاری، رقم: ۲۱۲۔ صحیح مسلم، رقم: ۷۸۵/۲۲۱.)

اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین

علاوہ ازیں اس حدیث نبوی ﷺ سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انسان کو نماز کی طرف رغبت دلائی ہے، اور بتایا ہے کہ نماز خشوع وخضوع، نشاطِ قلب اور تعقّل مکمل ہوش وحواس سے پڑھنی چاہیے، تاکہ اسے اس بات کا پورا ادراک ہو کہ اس نے نماز میں کیا پڑھا اور دعا میں کیا مانگا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝۱۴﴾ (طٰهٰ: ١٤)

''اور مجھے یاد کرنے کے لیے نماز قائم کیجیے۔''

اس لیے اگر کوئی شخص نماز میں الفاظ ادا کرتا ہے، اور اس کے ساتھ حضور قلب نہیں، بلکہ اس کا دل غافل ہے تو اس نے نماز کی غرض وغایت پوری نہیں کی۔ نماز رب تعالیٰ سے مناجات ہے، لہٰذا نماز میں جو کچھ پڑھا جا رہا ہے، اس کا پورا فہم ہونا چاہیے، حالت نشہ میں نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا، کہ اس حالت میں سمجھنے والا دل، شرابی کے، پہلو میں نہیں ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء: ٤٣)

''جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ نماز میں جو کچھ پڑھا جا رہا ہے، اس کا فہم، سمجھ، خشوع وخضوع اور حضور قلب ودماغ بہت ضروری ہے۔ وگرنہ نماز کا دل پر کچھ اثر نہ ہوگا۔

# زمانے کو برا مت کہو

۱۱۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: (( لَا يَقُلْ اِبْنُ اٰدَمَ: يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ ، فَاِنِّيْ اَنَا الدَّهْرُ ، اُرْسِلُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ، وَاِنْ شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا . ))

**ترجمة الحدیث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم کو ایسا نہیں کہنا چاہیے، ہائے زمانے کا برا ہو، کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں (پیدا کرنے والا) اور لیل و نہار کو (مسلسل) میں ہی بھیجتا ہوں اور جب میں چاہوں گا، تو ان دونوں کو روک لوں گا۔''

**شـرح الـحدیث:** ...... یہ حدیث قدسی ہے، اور اس میں تمام بنی آدم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق دیا گیا ہے، اور ساتھ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مدبّر، متصرف فی الأمور اور خالق حقیقی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے اور کوئی نہیں، وہی تو ہے جو لیل و نہار میں تبدّل، موسموں میں تغیّر، ماحولِ زمانہ میں تحرّک اور انسانی زندگی کے جملہ اُمور میں تکیّف و تعمّم پیدا کرتا رہتا ہے۔ وہ قادرِ مطلق اور صانع مطلق ہے۔ اس کی قادریت اور صانعیت میں کوئی بھی شریک نہیں، بلکہ ایسا تصور کرنا بھی موجبِ ہلاکت و بربادی ہے۔

یہ حدیث اصلاً ان لوگوں پر رد ہے جو اللہ تعالیٰ کو فاعل حقیقی تسلیم کرنے کے بجائے زمانے (اوقات، ساعات، حادثات) کو فاعل حقیقی تسلیم کرتے ہیں، اور اس بناء پر ان کے دنیاوی یا حیاتیاتی امور میں کوئی تضاد یا حادثاتی واقعہ پیش آجائے، تو وہ لوگ زمانے کو برا بھلا کہتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ حدیث کا حکم تو اگرچہ عام ہے یعنی تمام بنی آدم کے لیے ہے، لیکن اس کا پس منظر یا شان ورود ایک خاص قوم اور ایک خاص ملک کے باشندوں سے متعلق ہے۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دورِ جاہلیت میں اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ حالات کی

---

**(۱۱۸)**...... صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة الجاثیه، رقم: ٤٨٢٦، و کتاب الادب، رقم: ٦١٨١، ٦١٨٢ و کتاب التوحید، رقم: ٧٤٩١۔ صحیح مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب، باب النهی عن سب الدهر، رقم: ٢٢٤٦/١ و٢٢٤٦/٢، ٢٢٤٦/٣،٤،٥۔ مسند احمد: ١١٠/١٦، رقم: ٨٢١٥، حدثنا عبدالرزاق قال حدثنا معمر عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب مثل المؤمن الذی لا يقرأ القرآن، رقم: ٢٠٩٣٦۔ شرح السنه، باب مايكره من ألفاظ العادة و حفظ المنطق، رقم: ٣٣٨٥.

پستی کے وقت زمانے کو برا کہا کرتے تھے، اس لیے کہ وہ اپنے مصائب وآلام زمانے کی طرف منسوب کرتے، اور کہتے تھے کہ ہمیں زمانے کے زخم اور اس کی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ ان کے اس نظریہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی نقل فرمایا ہے:

﴿وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾

(الجاثیہ: ۲٤)

''اور یہ لوگ کہتے ہیں: زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ یہی ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردشِ ایّام (زمانے) کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔''

لہٰذا جو گالی وہ دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی، کیونکہ فاعل حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے، نہ کہ بقول ان کے زمانہ۔'' (شرح السنه: ۳٥٦/۱۲۔ شرح مسلم للنووی، ص: ۱٦۷۰.)

## میں ہی زمانہ ہوں:

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا ماحصل تین وجوہات ہیں۔

۱۔ اللہ عزوجل (تمام) امور کا مدبر ہے۔

۲۔ اللہ عزوجل ''صاحب الدھر'' ہے۔

۳۔ اللہ عزوجل زمانے کا پھیرنے والا ہے۔ (فتح الباری: ٦۹٤/۱۰، مطبوعه دارالسلام.)

## اہم نکتہ:

یہاں یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ کوئی شخص حدیث میں وارد لفظ ''الدھر'' سے یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ شاید یہ اسماء حسنیٰ میں سے کوئی ایک اسم ہو، کیونکہ ایسا سمجھنا درست نہیں، اس لیے کہ ''دھر'' زمانِ دنیا کی مدت کو کہتے ہیں نہ کہ اسم الٰہی کو، جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بعض غیر محققین نے یہ گمان کیا ہے کہ ''دھر'' اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے، جو کہ غلط ہے، حالانکہ دھر زمانِ دنیا کی مدت ہے۔'' (فتح الباری: ٦۹٤/۱۰.)

قاضی صاحب کی مراد فرقہ دھریہ اور معطلہ تھی۔ ابن ابی جمرۃ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ لیل ونہار کے مجموعے کا نام ''دھر'' شرعی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اس کا ذکر کیا اور پھر ''اَرسل اللیلَ والنھارَ'' سے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔'' (بهجة النفوس: ۱۸۰/٤.)

اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی لفظ کا معنیٰ ومفہوم اور کوئی کام کرنا نہ جانتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ اس میں داخل نہ کرے۔

## استدلالات محدثین:

۱۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص زبان سے زمانے کو گالی دے اور اس کا دل اس کے قول کی تصدیق نہ کر

رہا ہوتو وہ کافر نہیں ٹھہرتا۔ البتہ اس کا فعل کفار کا فعل ہے، اس مشابہت کی وجہ سے اس کو توبہ واستغفار کرنا ہوگی۔ اسی طرح یہ نہی غیر الدھر، اور غیر اللیل والنہار کو گالی دینے کی طرف متعدی ہوگی۔ اس لیے کہ جب علت آیات ہی ہوتو حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ (طرح التثریب : ۸/۱۵٦)

۲۔ اس حدیث سے اس بات کی نفی ہو جاتی ہے کہ ''للیل ونہار'' کی ذاتی تاثیر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اللہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ لہٰذا ایام کو منحوس قرار دینا درست نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((لَاعَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَا ھَامَۃَ وَلَا صَفَرَ))

(صحیح بخاری، کتاب الطب، رقم: ۵۷۵۷۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، رقم: ۲۲۲۰)

# اچھا غلام کون ہے؟

۱۱۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((نِـعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَّتَوَفَّاهُ اللّٰہُ يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَطَـاعَةَ سَيِّدِهٖ ، نِعِمَّا لَهٗ نِعِمَّا لَهٗ . ))

**ترجمة الحديث**: ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ہی خوب ہے وہ غلام جسے اللہ اپنے رب اور اپنے سردار کی احسن طریقے سے اطاعت کرتے ہوئے دنیا سے رخصت کرے، یہ اس کے لیے بہت ہی خوب ہے، یہ اس کے لیے بہت ہی خوب ہے۔''

**شرح الحديث**: ...... حدیث میں اس غلام کو انتہائی قابل ستائش ٹھہرایا گیا ہے، جو دو اطاعتیں بجالاتا ہو:

اوّل: اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت۔

دوم: اپنے مالک کی فرمانبرداری۔

اور ساتھ میں اسے یہ اعزاز بھی دیا گیا ہے کہ اگر وہ ان دو اطاعتوں کو ٹھیک طرح بجالائے گا، تو ہر ایک کے عوض اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عطاء کیا جائے گا یعنی ان دو اطاعتوں میں اس کے لیے دوگنا اجر ہے، جیسا کہ ''صحیح بخاری'' میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْـمَـمْـلُـوكُ الَّـذِيْ يُـحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهٖ ، وَيُؤَدِّي إِلَى سَيِّدِهٖ وَالَّذِيْ لَهُ عَلَيْهِ مِنَ الْـحَـقِّ وَالـنَّصِيْحَةِ وَ الطَّاعَةِ ، لَهُ اَجْرَانِ . )) ''جو غلام اپنے رب کی عبادت احسن طریقے سے بجالائے اور اپنے مالک کے، جو اس پر خیرخواہی اور فرمانبرداری کے حقوق ہیں، انہیں بھی ادا کرتا رہے تو اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب العتق، رقم: ۲۵۵۱)

---

(**۱۱۹**)...... صحيح بخاری، كتاب العتق، باب إذا أحسن عبادة ربه و نصح سيده، رقم: ۲۵۴۸، ۲۵۴۶، ۲۵۵۰، ۲۵۴۷۔ صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب ثواب العبدو أجره إذا نصح سيده و أحسن عبادة الله، رقم: ۱۶۶۷/۴۶، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۱۰۰/۱۶، رقم: ۸۲۱۶/۱۲۳۔ سنن الكبرىٰ، كتاب النفقات، باب فضل المملوك إذا نصح: ۱۲/۸، ۱۳۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب الآبق من سيده: ۳۴۷/۱۱، ۳۴۷۔ شرح السنه، باب ثواب المملوك إذا نصح لسيده، رقم: ۲۴۰۸.

واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو دو فرض ادا کرنے کے عوض دو گنا اجر عطاء فرمایا۔ اول یہ کہ اس نے عبادت الٰہی کا فریضہ ادا کیا۔ اور دوم یہ کہ اپنے آقا و مالک کی اطاعت کی جو شرعاً اس پر عائد تھی: "لاطاعة فی معصية" (صحیح بخاری، کتاب اخبار الاحاد، رقم: ۷۲۵۷۔ صحیح مسلم، رقم: ۱۸۴۰/۳۹) ''اللہ خالق کی نافرمانی میں کسی اور کی اطاعت قطعاً درست نہیں۔''

ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب کسی غلام پر دو واجبی اطاعتیں جمع ہوں اور وہ دونوں اطاعتوں کو (ٹھیک طرح سے) بجالائے تو اسے آزاد عبادت گذار کی نسبت دو گناہ اجر ملے گا۔ پہلی اطاعت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور دوسری اطاعت اپنے سردار کی (معروف طریقہ میں) فرمانبرداری کرنا ہے۔''

نیز فرماتے ہیں: ''غلام کو دو گنا اجر اس لیے ملتا ہے کہ عبادتِ الٰہی میں تو وہ دونوں (غلام اور آقا) برابر کے شریک ہیں لیکن غلام کو اپنے سردار پر ایک طرح سے فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سردار کی فرمانبرداری کرنے کا بھی حکم دیا ہوا ہے۔''

نیز فرماتے ہیں: ''اسی بناء پر میں کہتا ہوں کہ جس شخص پر دو فرض عائد ہوں اور وہ دونوں کو ادا کرتا ہو، تو ایسا شخص دوسرے شخص سے فضیلت میں زیادہ ہے جس پر صرف ایک فرض عائد ہو اور وہ اسے ادا کرتا ہو، مثلاً ایک شخص پر نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں اور وہ دونوں کو ادا کرتا ہے۔ اور دوسرا شخص جس پر صرف نماز فرض ہے اور وہ اس کو ادا کرتا ہے، تو ان دونوں میں پہلا شخص دوسرے پر فضیلت رکھتا ہے۔'' (طرح التثريب : ۲۲۶/۶.)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عبد موصوف کو دو گنا اجر اس لیے ملتا ہے کہ اسے غلامی کی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔'' (فتح الباری: ۲۱۸/۵، مطبوعه دارالسلام، الرياض.)

# حالت نماز میں تھوک آ جائے تو......؟

**۱۲۰**...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :

(( اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ لِلصَّلَاۃِ فَلَا یَبْصُقْ اَمَامَہٗ ، اِنَّہٗ یُنَاجِی اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاہُ ، وَلَا عَنْ یَمِیْنِہٖ ، فَاِنَّ عَنْ یَمِیْنِہٖ مَلَکًا ، وَلٰکِنْ یَبْزُق عَنْ شِمَالِہٖ ، اَوْ تَحْتَ رِجْلِہٖ ، فَیَدْفِنُہٗ . ))

**ترجمة الحدیث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو، تو وہ اپنے سامنے مت تھوکے، کیونکہ جب تک وہ اپنی جائے نماز میں ہوتا ہے، تب تک وہ اللہ عزوجل سے مناجات میں مشغول ہوتا ہے۔ اور (اسی طرح) وہ اپنے دائیں جانب (بھی) نہ تھوکے، کیونکہ اس کی دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے۔ ہاں (اگر تھوکنا چاہے تو) اپنے بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکے، پھر اسے دفن کر دے۔''

**شرح الحدیث:**......اس حدیث نبوی ﷺ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو مسجد کا ادب واحترام اور جائے نماز کی عظمت وخاصیت بتائی ہے، کہ جب کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو، تو اسے چاہیے کہ اپنے سامنے مت تھوکے، کیونکہ جب تک وہ اپنی جائے نماز پر ہوتا ہے، تب تک وہ اللہ سے مناجات میں مشغول ہوتا ہے۔ اور یہ بات واضح رہے کہ جائے نماز (مصلیٰ) سے مراد صرف مسجد ہی نہیں، بلکہ کوئی دوسری جگہ بھی ہوسکتی ہے۔ جہاں وہ کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ چنانچہ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدیث کے ظاہر سے عموم (ہی) مراد ہے، کیونکہ نماز پڑھنے والا اللہ سے مناجات کرتا ہے، چاہے وہ کسی بھی جگہ پر ہو اور (اسی طرح) اس کے دائیں جانب (ایک) فرشتہ بھی ہوتا ہے، چاہے وہ کسی بھی جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو۔'' (طرح التثریب : ۲/ ۳۸۰)

ظاہر ہے اپنے اللہ سے مناجات اور سرگوشی کرنے کے دوران تھوکنے کا عمل کرنا صریحاً خلافِ ادب ہے۔ ہاں!

---

(**۱۲۰**)...... صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب دفن النجاسة فی المسجد، رقم: ٤١٦، حدثنا اسحاق بن نصر قال حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن ھمام: سمع اباھریرۃ عن النبی ﷺ قال: ......۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب النھی عن البصاق فی المسجد، فی الصلوٰۃ وغیرھا، رقم: ٥٤٧، ٥٥٢، ٥٥٣۔ مسند احمد: ١٦/١٠٠۔١٠١، رقم: ٨٢١٧۔ سنن الکبریٰ، کتاب الصلوٰۃ، با ب الدلیل علی أنه إنما یبزق عن یّساره إذا کان فارغًا: ٢/٢٩٣۔ شرح السنه، کتاب الصلوٰۃ، باب کراھیة البزاق فی المسجد و نحو القبلة: ٢/٣٨١، ٣٨٢.

اگر اسے بأ مر مجبوری تھوکنا بھی پڑ جائے، تو اسے چاہیے کہ یا تو اپنے بائیں جانب تھوکے یا پھر بائیں پاؤں کے نیچے تھوک لے اور اسے دفن کر دے، لیکن یہ اس دور کی بات ہے جب مسجد کے فرش نہیں ہوا کرتے تھے، کچی زمین یا ریت ہوتی تھی جن میں تھوکنا اور اسے چھپانا عین ممکن تھا، البتہ آج اس دور میں اکثر طور پر مساجد کے فرش پختہ (سیمنٹ وغیرہ) ہوتے ہیں، جنہیں کھود کر تھوک کو چھپانا اور دفن کرنا مسجد کی زینت خراب کرنے کے مترادف ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا اگر تھوکنا ہو تو رومال یا چادر وغیرہ کا استعمال کر لینا چاہیے، جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ثابت ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، رقم: ٤١٧.)

ہاں! اگر آج بھی کسی دیہات وغیرہ میں مسجد کا فرش مٹی کا ہو، تو بائیں جانب اور اپنے پاؤں کے نیچے تھوکا اور تھوک کر دفن کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا تھا۔

مولانا داؤد راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ قدس سرہٗ نے تھوک سے متعلق ان جملہ ابواب اور ان میں روایت کردہ احادیث سے ثابت فرمایا کہ بوقت ضرورت تھوک، رینٹ، کھنگار، بلغم سب کا آنا لازمی ہے، مگر مسجد کا ادب اور نمازیوں کے آرام و راحت کا خیال ضروری ہے۔

ابتدائے اسلام میں مساجد خام تھیں، فرش بالکل خام مٹی کے ہوا کرتے تھے، جن میں تھوک لینا اور پھر ریت میں اس تھوک کو چھپا دینا ممکن تھا، آج کل مساجد پختہ، ان کے فرش پختہ، پھر ان پر بہترین حصیر (قالین) ہوتے ہیں۔ ان صورتوں اور ان حالات میں رومال کا استعمال ہی مناسب ہے۔ مسجد میں یا اس کے در دیوار پر تھوکنا یا رینٹ یا بلغم لگا دینا سخت گناہ اور مسجد کی بے ادبی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر اپنی سخت ترین ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔'' (شرح صحیح بخاری از داؤد راز: ١/٤٧١.)

## خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنے کا عمل مطلقاً منع ہے، چاہے وہ مسجد کے فرش پر ہو یا مسجد کی دیوار وغیرہ پر۔ اور اسی طرح قبلہ کی جانب رخ کر کے تھوکنا بھی منع ہے۔ چاہے وہ حالتِ نماز میں یا غیر نماز میں ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، مواضع الصلاۃ، رقم: ٥٤٨.)

بہر صورت تھوکنا منع ہے، لہٰذا شریعت کے اس منع کردہ فعل سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور دوسرے یہ کہ حدیث میں لفظ ''یُنَاجِی'' یعنی سرگوشی کرنا، استعمال ہوا ہے، جس سے مقصود یہ ہے کہ مخاطَب سے اس انداز میں خطاب کیا جائے کہ اس خطاب سے صرف مخاطَب ہی مخصوص ہو، اور سماعت خطاب میں دوسرا اس کا کوئی شریک نہ ہو۔ جیسا کہ علامہ ابن فورک رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ (مشکل الحدیث: ٥١٩.) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بندے کی طرف سے مناجاۃ حقیقی ہے، جبکہ رب کی طرف سے مجاز پر محمول ہوگی۔ (فتح الباری: ١/ ٥٠٨)

# خطبہ جمعہ خاموشی سے سننا

۱۲۱...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
((إِذَا قُلْتَ لِلنَّاسِ: اَنْصِتُوْا وَهُمْ يَتَكَلَّمُوْنَ ، فَقَدْ اَلْغَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ...... يَعنِىْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے روز (دورانِ خطبہ) لوگوں کو تیرا یہ کہنا ''چپ رہو'' جب کہ وہ باہم گفتگو کر رہے ہوں، ایک فضول اور لغو بات ہے۔''

**شرح الحديث**: ......اس صحیفہ کی روایت میں مطلقاً خاموش رہنے کا حکم بیان ہوا ہے یعنی جمعہ کے روز خاموش رہنا چاہیے جبکہ صحیحین اور مصنف وغیرہ کی روایات سے اس حدیث کی تقیید وتعیین ہوتی ہے کہ اس سے مراد جمعہ کے روز ''دورانِ خطبہ'' خاموش رہنا ہے، نہ کہ مطلقاً جمعہ کے روز۔ قصہ مختصر، مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

اس فرمان نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے روز جب امام خطبہ شروع کرے تو مقتدی حضرات کو چاہیے کہ وہ اسے انتہائی توجہ سے ساتھ سماعت کریں، اور دورانِ خطبہ اگر کچھ لوگ آپس میں بات چیت کر رہے ہوں تو انہیں خاموش کرانے کی بجائے خطبہ کی طرف اپنا دھیان رکھیں، کیونکہ ایسا کرنا ایک لغو، فضول اور بے فائدہ کام ہے۔ البتہ اشارہ کر کے انہیں روکنا کسی قباحت کو مستلزم نہیں ہے۔ لہٰذا زیرِ شرح حدیث کی بنیاد پر اہل علم نے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ خطبہ کے دوران خاموش رہنا واجب ہے اور بات چیت کرنا قطعاً غلط ہے۔

چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہل علم رحمہم اللہ کا کہنا ہے: خطبہ کے دوران خاموش رہنا واجب ہے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ جس شخص تک امام کی آواز نہ پہنچ رہی ہو، آیا اس پر بھی انصات (خاموشی) لازم ہے یا نہیں؟

---

(۱۲۱)...... صحیح بخاری، کتاب الجمعه، باب الإنصات یوم الجمعه و الإمام یخطب، رقم: ۹۳٤۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فی الإنصات یوم الجمعة فی الخطبة، رقم: ۱۲، ۸۵۱/۱۱۔ سنن الترمذی، ابواب الصلوٰة، باب ما جآء فی کراهية الكلامِ والامام يخطب، رقم: ۵۱۲۔ مسند احمد: ۱۰۱/۱٦، رقم: ۱۲۵/۸۳۱۸، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قَال: ...... ۔ مصنف عبدالرزاق، باب ما يقع فی الجمعة: ۲۲۳/۳.

اس سے متعلق امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کو (بھی) خاموش رہنا واجب ہے۔'' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ((اَلْـإِمَــامُ يَخْطُبُ)) اس بات پر کھلی دلیل ہے کہ خطبہ کے دوران خاموش رہنا واجب ہے اور اس میں کلام کرنا منع ہے۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۲۸۱، مطبوعه دارابن حزم.)

نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابن مسیّب کی روایت (جو انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے) ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: ''اس حدیث پر اکثر اہل علم کا عمل ہے، اور انہوں نے یہ مکروہ سمجھا ہے کہ کوئی شخص دورانِ خطبہ گفتگو کرے۔ نیز فرماتے ہیں: اگر کوئی خطبہ کے دوران گفتگو کر رہا ہو، تو اسے اشارہ کے ساتھ منع کر لینا چاہیے۔''

(سنن الترمذی، تحت رقم: ۵۱۲، مطبوعه مكتبه المعارف للنشر والتوزيع)

اور یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ کراہت کے معنیٰ ان کے غلبۂ استعمال کے سبب حرمت پر دلالت کر رہے ہیں، جیسا کہ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''متقدمین کے ہاں جس چیز پر کثرتِ کراہت کا اطلاق ہوتا تھا، وہ اسے حرام سمجھتے تھے۔''

نیز ابن بطال کا کہنا ہے: ''مفتیان کی ایک جماعت خطبہ کے دوران خاموش رہنے کو واجب قرار دیتی ہے۔''

(طرح التثريب: ۱۹۲/۳، ۱۹۳)

اہل علم کی تصریحات سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران خاموش رہنا واجب ہے اور اس میں بات چیت کرنا منع۔ ذیل میں رقم کردہ حدیث سے اس مسئلہ کی پوری وضاحت ہو جائے گی۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ براءۃ پڑھنا شروع کی، تو میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اس سورۃ کا نزول کب ہوا؟ مگر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے، تو میں نے ان سے کہا: میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تھا؟ مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری نماز لغو ہے۔

ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں (سیدھا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک جانب بیٹھا ہوا تھا اور آپ سورۃ براءۃ کی قراءت فرما رہے تھے، میں نے ان سے پوچھا: یہ سورۃ کب نازل ہوئی؟ مگر انہوں نے مجھے جواب نہ دیا سوائے اس کے کہ تیری نماز لغو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے صحیح کہا۔ (سنن الكبرىٰ، كتاب الجمعه، باب الإنصات للخطبة، رقم: ۵۸۳۲.)

اس کے علاوہ یہ حدیث مستدرک حاکم، مسند بزار، مسند احمد، مسند ابی یعلی اور صحیح ابن حبان میں بھی موجود ہے۔

(طرح التثريب: ۲۰۱/۳)

پس اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ مقتدی خطبہ کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت نہیں کر سکتے، البتہ اس سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: اول یہ کہ امام اور مقتدی ایک دوسرے کے ساتھ ہم کلام ہو سکتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا ایک صحابی سے "تحیة المسجد" سے متعلق پوچھنا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجمعة، رقم: ۸۷۵/۵۵)

اور مقتدی کا اپنے امام سے ہم کلام ہونا، جیسے ایک صحابی کا رسول اللہ ﷺ سے بارش کی دعا کی درخواست کرنا۔(صحیح بخاری، کتاب الجمعة، رقم : ۹۲۳)

دوسرے یہ کہ اگر امام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کرے یا کس موذی جانور وغیرہ کا خطرہ ہو، تو اس کی مذمت کے لیے ہم کلام ہوا جا سکتا ہے اور گفتگو بھی کی جا سکتی ہے، جیسا کہ حجاج بن یوسف کے زمانے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر خطباء سب وشتم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن عروہ (دوران خطبہ) خطیب کے سامنے خاموش بیٹھے تھے، لیکن جب وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتا، تو بول اٹھتے تھے اور فرماتے: ہم دورانِ خطبہ اس خاموشی کا حکم نہیں دیئے گئے۔'' (طرح التثریب: ۱۹۳/۳، ۱۹٤)

بہرحال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے دوران مقتدی خاموشی سے بیٹھیں اور اس میں بات چیت کرنے سے گریز کریں، کیونکہ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔

# جس کا کوئی ولی نہیں، اس کا میں ولی ہوں

۱۲۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ ، فَاَيُّكُمْ مَاتَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيْعَةً فَادْعُوْنِي ، فَاِنِّيْ وَلِيُّهٗ ، وَ اَيُّكُمْ مَا تَرَكَ مَالًا ، فَلْيُؤْثَرْ بِمَا لِهٖ عَصَبَتُهٗ مَنْ كَانَ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کتاب اللہ کے مطابق دوسرے لوگوں کی نسبت میں اہل ایمان کا زیادہ قریبی ہوں، پس تم میں سے جو کوئی قرض یا عیال چھوڑ کر مرے، تو مجھے بلاؤ میں ان کی کفالت کروں گا۔ اور جو کوئی مال چھوڑ کر مرا، تو وہ (ورثہ میں) اپنے ورثاء کو ترجیح دے گا، وہ جو بھی ہوں۔''

**شرح الحديث:** ......رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک کہ میں اہل ایمان کا زیادہ قریبی ہوں۔ اصل میں قرآنِ مقدس کی اس آیت: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الاحزاب : ٦) ''نبی (ﷺ) اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی جانوں پر مقدم ہیں۔'' کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تمام اہل ایمان سے اور اہل ایمان کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق اور ناطہ ہے، وہ تمام دوسرے انسانی تعلقات اور رشتے، ناطوں سے بالا تر ہے، کوئی رشتہ اس رشتے سے اور کوئی ناطہ اس ناطہ سے جو رسول اللہ اور اہل ایمان اور اہل اسلام کے درمیان ہے آٹے میں مقدارِ نمک کے برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اہل ایمان کے لیے ان کے والدین سے بھی بڑھ کر شفیق ورحیم اور ان کی اپنی جان سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں۔ ان کے والدین اور ان کے اہل وعیال تو انہیں ضرر ونقصان پہنچا سکتے ہیں، ان سے خود غرضی برت سکتے ہیں۔ مگر سبحان اللہ! قربان جایئے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر کہ وہ ان کے حق میں صرف وہی بات کرتے ہیں جس میں ان کے لیے حقیقی فلاح وکامیابی کا راز مضمر ہے۔ جب اتنی قربت، احسان مندی اور شفقت ورحمت ہے، تو رسول اللہ ﷺ کا بھی

---

(**۱۲۲**)...... صحيح بخارى، كتاب الكفالة، باب الدين، رقم: ٢٢٩٨، ٢٣٩٨، ٥٣٧١، ٢٣٩٩، ٤٧٨١، ٦٧٣١، ٦٧٤٥۔ صحيح مسلم، كتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، رقم: ١٦١٩/١٦، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث، منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ١٦/ ١٠١۔١٠٢، رقم: ٨٢١٩/ ١٢٦۔ مصنف عبدالرزاق، باب من مات و عليه دَين، رقم: ١٥٢٦١۔ شرح السنه، كتاب الفرائض، رقم: ٢٢١٥، وقال: هذا حديث صحيح.

اہل ایمان واہل اسلام پر یہ حق ہے کہ وہ آپ کو اپنے والدین، اہل وعیال اور اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھیں، نیز رسول اللہ ﷺ کے ہر فیصلے اور ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کردیں۔ چنانچہ یہی مضمون صحیحین کی روایت میں کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔ وہ یہ کہ:

(( لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ . ))

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الایمان، رقم: ۱۵.)

علاوہ ازیں امام قرطبی رحمہ اللہ آیت: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر کئی احکامات کو منسوخ قرار دیا، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے شخص کا جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے جس پر قرض ہوتا۔ لیکن اللہ نے جب رسول اللہ ﷺ کے لیے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں، پس جو شخص اس حالت میں مرا کہ وہ قرض دار تھا، تو اس کے قرضہ کی ادائیگی میرے ذمہ ہے، اور جو شخص مال چھوڑ کر مرا، تو وہ مال اس کے وارثین کے لیے ہے۔ (یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے) لیکن اس اضافہ کے ساتھ: ''جو شخص قرض یا اہل وعیال چھوڑ کر مرا، تو ان کا میں ولی (کفالت کرنے والا) ہو۔''

(صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، رقم: ۲۳۹۹)

اس آیت میں ''ولایت'' کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر ہے۔''

(الجامع الأحکام القرآن، ص: ۵۲۰۳، ۵۲۰۴)

امام نووی رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی شفقت ورحمت کو ایک حسین پیرائے میں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ میں تمہاری مصالح کا ذمہ دار ہوں، چاہے وہ حیات سے یا موت سے متعلق ہوں۔ اور میں ایک مسلمان کا دونوں حالتوں میں کفیل ہوں (اول یہ کہ) اگر اس نے مرنے کے بعد قرض چھوڑا ہے تو اس کی ادائیگی میں خود کروں گا۔ اور اگر اس نے ترکہ میں (کوئی) مال چھوڑا ہے تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے، میں اس سے کوئی حصہ نہیں لوں گا۔ (دوسرے یہ کہ) اگر اس (میت) نے اپنے پیچھے محتاج اہل وعیال چھوڑے ہیں تو ان کا نان ونفقہ میرے ذمہ ہے۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۲۳۲، مطبوعہ دار ابن حزم)

## خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کے ساتھ انتہائی شفقت اور رحم دلی کا مظاہرہ فرماتے تھے، نیز علامہ نووی رحمہ اللہ کے بقول رسول اللہ ﷺ ان کی تمام مصلحتوں کو پورا کرنے کا ذمہ خود لے لیا

کرتے تھے، چاہے وہ زندگی سے متعلق ہوں یا موت سے متعلق، اور فوت شدگان کے اہل وعیال کے نان ونفقے کا بندوبست بھی اپنی ذمہ داری میں لے لیتے تھے۔

اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی غریب نادار مسلمان بحالتِ قرض انتقال کر جائے تو سرکاری خزانے سے اس کے قرض کی ادائیگی کی جائے گی۔ اور ساتھ میں یتیم بچوں کی پرورش اور بیوہ عورتوں کے نان ونفقے کا بندوبست بھی کیا جائے گا، جیسا کہ خلفائے راشدین کے مبارک دور میں یہ سلسلہ چلتا رہا، لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج بیت المال اور سرکاری خزانے میں جمع شدہ رقم بجائے یتیم اور غریب بچوں کی پرورش وتربیت اور بیوہ عورتوں کے نان ونفقے پر خرچ کرنے کے رؤسا اور امرا کے پیٹوں میں دھکیل دی جاتی ہے۔

# دعا عزم مصمم کے ساتھ کرو
# یہ مت کہو کہ اے اللہ! تو چاہے تو بخش دے

۱۲۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنْ شِئْتَ ، اَوْ اِرْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ ، اَوْ اُرْزُقْنِيْ اِنْ شِئْتَ ، لِيَعْزِمِ الْمَسْئَلَةَ ، اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ : لَا مُكْرِهَ لَهٗ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس انداز سے دعا نہ کرے کہ ''اے اللہ! اگر تو چاہے مجھے بخش دے، اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، یا اگر تو چاہے تو مجھے رزق دے۔'' بلکہ وہ پورے یقین کے ساتھ مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر گزرتا ہے، اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث کا مطلب بڑا صاف اور واضح ہے کہ انسان کو چاہیے کہ دعا کرتے وقت ایسا انداز اور رویہ اختیار کرے، جس میں قبولیت دعا کا یقین ہو جائے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ دعا صدقِ دل سے پورے وثوق اور یقین کامل کے ساتھ مانگنی چاہیے، اللہ کی رحمت سے ناامید اور مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ وہ جس ذات سے سوال کر رہا ہے، وہ انتہائی کریم اور رحیم ذات ہے۔ اور اس میں یہ عقیدہ بھی کارفرما ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا بہر صورت قبول فرمائے گا، چاہے فی الفور یا کچھ تاخیر سے مگر دعا اپنا رنگ بہر حال لا کر رہے گی، جیسا کہ روز مرہ کے تجربات اس پر شاہد ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص اپنی دعا کو مشئیتِ الٰہی سے معلق کرتا ہے، تو یہ قطعاً درست نہیں یعنی وہ اپنی دعا میں ایسے کلمات استعمال کرے کہ اے اللہ، اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اگر تو چاہے تو مجھے رزق دے وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ دعا کو مشئیتِ الٰہی سے معلق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز اللہ تعالیٰ سے مانگی تو جا رہی ہے، مگر اس کی رضا اور خوشی کے ساتھ، گویا وہ شخص

(۱۲۳)...... صحيح بخارى، كتاب التوحيد، باب فى المشيئة والإرادة، رقم: ۷۴۷۷، حدثنا يحيى حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام، سمع اباهريرة عن النبى ﷺ قال: ......۔ صحيح مسلم، كتاب الذكر و الدعاء و التوبة والإستغفار، باب العزم بالدعآء ولا يقل إن شئت، رقم: ۹،۸،۷/۲۶۷۹۔ مسند احمد: ۱۶: ۱۰۲، رقم: ۱۲۷/۸۲۲۰۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب الدعآء، رقم: ۱۹۶۴۱۔ شرح السنه، كتاب الدعوات، باب من دعا فليعزم، رقم: ۱۳۹۱.

کہہ رہا ہے: یہ چیز مجھے حتمی طور پر تو نہیں چاہیے۔ البتہ تو چاہے اور اس پر تیری رضا مندی بھی ہو، تو وہ مجھے عنایت فرما دے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بالکل منزہ و پاک ہے۔

لہٰذا اپنی دعا کو مشئیت الٰہی سے معلق کرنے کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی فائدہ۔ بہر حال اپنی دعا کو تعلیق سے محفوظ رکھنا چاہیے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی ہو جائے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ سے پورے یقین اور اصرار کے ساتھ دعا مانگنا مستحب ہے۔ اور دعا کو اس کی مشئیت سے معلق کرنا مکروہ ہے، کیونکہ دعا (سوال) کو اس وقت مشئیت سے معلق کیا جاتا ہے جب جبر کی نفی کرنا مقصود ہو، یعنی تم چاہو تو عنایت کر دو، وگرنہ تم پر کوئی جبر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر غیر متصور ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب مانگنے والا یہ کہے: ''تم چاہو تو عنایت کر دو'' یہ صورت استغناء ہے، جب کہ سب (بنی آدم) اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، اس سے کوئی مستغنی نہیں ہے۔''

(شرح مسلم للنووی، ص: ۱۸۹٤، مطبوعه دار ابن حزم)

اس مختصر کلام سے یہ بات روشن ہوگئی کہ دعا کو مشئیتِ الٰہی سے معلق کرنے کی بجائے ایسے انداز سے مانگنی چاہیے کہ قبولیتِ دعا میں بندے کو پورا یقین آ جائے۔

اور دوسری بات یہ کہ دعا کو مشئیت الٰہی سے معلق کرنے کی جو نہی وارد ہوئی ہے اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ ((إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ لَا مُكْرِهَ لَهُ)) ''اللہ تعالیٰ پر کسی کی کوئی زبردستی نہیں چلتی، بلکہ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔''

# پہلی امتوں کے لیے

# مال غنیمت جائز نہ تھا......اور ایک نبی کا واقعہ

۱۲۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( غَزَا نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ ، فَقَالَ لِلْقَوْمِ : لَا يَتْبَعْنِىْ رَجُلٌ قَدْ كَانَ مَلَكَ بُضْعَ اِمْرَءَ ةٍ وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَّبْنِىَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِىْ ، وَلَا اٰخَرُ قَدْ بَنٰى بَنَاءً لَهٗ ، وَلَمَّا يَرْفَعْ سَقْفَهَا ، وَلَا اٰخَرُ قَدِ اشْتَرٰى غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلَادَهَا۔ فَغَزَا ، فَدَنَا الْقَرْيَةَ حِيْنَ صُلِّىَ الْعَصْرَ ، اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ : اَنْتِ مَامُوْرَةٌ . وَّ اَنَا مَامُوْرٌ ، اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَىَّ شَيْئًا ، فَحُبِسَتْ عَلَيْهِ ، حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ فَجَمَعُوْا مَا غَنِمُوْا ، فَاَقْبَلَتِ النَّارُ لِتَأْكُلَهٗ ، فَاَبَتْ اَنْ تَطْعَمَهٗ ، فَقَالَ: فِيْكُمْ غُلُوْلٌ ، فَلْيُبَايِعْنِىْ مِنْ كُلِّ قَبِيْلَةٍ رَجُلٌ ، فَبَايَعُوْهُ فَلَصِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهٖ ، فَقَالَ: فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ ، فَلْتُبَايِعْنِىْ قَبِيْلَتُكَ۔ فَبَايَعَتْهُ قَبِيْلَتُهٗ ، فَلَصِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةٍ ، فَقَالَ: فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ ، اَنْتُمْ غَلَلْتُمْ" قَالَ : فَاَخْرَجُوْا لَهٗ مِثْلَ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِّنْ ذَهَبٍ ، فَوَضَعُوْهُ فِى الْمَالِ ، وَ هُوَ بِالصَّعِيْدِ ، فَاَقْبَلَتِ النَّارُ فَاَكَلَتْهُ ، قَالَ: فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ مِّنْ قَبْلِنَا ، ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاٰى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا ، فَطَيَّبَهَا لَنَا . ))

**ترجمة الحديث:** ...... *''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (گذشتہ) انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی نے لڑائی تیاری کی اور انہوں نے قوم سے کہا: ایسا شخص میری اتباع نہ کرے جس نے شادی کی ہے اور وہ اپنی بیوی سے شب زفاف گزارنے کا متمنی ہو۔ لیکن ابھی اپنی بیوی سے خلوت نشین نہیں ہوا۔ اور*

---

(۱۲٤)...... صحيح بخاری، كتاب فرض الخمس، باب قول النبی ﷺ واحلت لكم الغنائم، رقم: ۳۱۳٤، حدثنا محمد بن العلاء عن ابن المبارك، عن معمر، عن همام بن منبه، عن ابی هريرة رضي الله عنه قال: قال النبی ﷺ : ......۔ صحيح مسلم، كتاب الجهاد و السير، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم: ۱۷٤۷/۳۲، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ : ......۔ مسند احمد: ۱۰۲/۱٦، رقم: ۸۲۲۱/۱۲۸۔ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجهاد، باب الغلول، رقم: ۹٤۹۲۔ شرح السنه، باب حل الغنيمة لهذه الأمة، رقم: ۲۷۱۹.

نہ وہ شخص میری پیروی کرے جس نے اپنا مکان تعمیر کیا ہے لیکن اس پر چھت نہیں چڑھائی اور نہ وہ شخص چلے جس نے گابھن بکریاں اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہیں اور وہ ان کے بچے پیدا ہونے کا منتظر ہے، پھر اس نبی نے جنگ لڑی نمازِ عصر کے وقت یا عصر کے قریب اس بستی میں پہنچے تو اس (نبی علیہ السلام) نے سورج سے کہا: ''تو بھی امرِ الٰہی کا پابند ہے اور میں بھی امرِ الٰہی کا پابند ہوں۔ (اس کے بعد اللہ کے حضور دعا کی) اے اللہ! اس سورج کو کچھ وقت میری خاطر روک دے۔ پھر وہ سورج روک دیا گیا، حتیٰ کہ اللہ نے انہیں فتح یاب فرمایا، پھر لوگوں نے مالِ غنیمت جمع کیا (جب جمع کر چکے تو) پھر اسے لقمہ (جلانے) کے لیے آگ آئی، لیکن اس نے لقمہ (جلانے) بنانے (کھانے) سے انکار کر دیا۔ اس پر اس (نبی علیہ السلام) نے کہا: تم میں سے کسی آدمی نے (مال غنیمت) میں خیانت کی ہے۔ لہٰذا ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے، پھر جب سلسلۂ بیعت شروع ہوا۔ تو ایک آدمی کا ہاتھ اس نبی (علیہ السلام) کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: خیانت کرنے والا آدمی تمہارے ہی قبیلہ میں موجود ہے، لہٰذا اب تمہارا پورا قبیلہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔ چنانچہ انہوں نے بیعت کی اور پھر دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ نبی علیہ السلام کے ہاتھ سے چمٹ گئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: خیانت تمہارے قبیلہ والوں نے کی ہے۔ آخر کار وہ گائے کے سر کے برابر سونا نکال لائے (جو مال غنیمت میں سے چرا لیا گیا تھا) اور اسے مال غنیمت میں رکھ دیا، پھر آگ آئی اور اس مال کو لقمہ بنا لیا۔ (آخر میں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم سے پہلے لوگوں کے لیے غنیمت کا مال جائز نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور عاجزی کے پیش نظر اس مال کو ہمارے لیے جائز بنا دیا۔''

**شرح الحدیث:** ......اس فرمان نبوی ﷺ میں انبیاء سابقین میں جس پیغمبر کا تذکرہ ہوا ہے وہ جناب سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام ہیں اور جس بستی کا تذکرہ ہوا ہے، وہ مقام ''اریحا'' ہے۔ جیسا کہ مستدرک حاکم میں کعب الاحبار کے طریق سے مروی روایت سے واضح ہے۔

(مستدرك حاكم، كتاب قسم الفيء، رقم: ٢٦١٨ وقال: هذا حديث صحيح غريب، ووافقه الذهبي)

اور اس کی اصل میں ایک صحیح مرفوع حدیث ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ لِبَشَرٍ اِلَّا لِيُوْشَعْ بِنْ نُوْن لَيَالِي سَارَ اِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ)) (فتح الباری: ٦/ ٢٢١۔ ابن حجر فرماتے ہیں: اس حدیث کے راوی قابل احتجاج ہیں۔)

''سورج کو یوشع بن نون (علیہ السلام) کے سوا کسی بشر کے لیے نہیں ٹھہرایا گیا جن راتوں میں انہوں نے بیت

المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔''

## سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور واقعہ ردشمس کی حقیقت:

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ردشمس کا معجزہ بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپور اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی اور امام طبرانی نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ''ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز قضا ہوگئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو سورج لوٹ آیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی تو سورج غائب ہوگیا۔''

(فتح الباری: ٦/٢٢٢۔ المعجم الکبیر: ٢٤/ ١٤٥۔١٥١۔ طرح التثریب: ٧/ ٢٤٩)

## تحقیق:

یہ واقعہ درست نہیں، موضوع درجہ کا ہے۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں: امام احمد کا کہنا ہے کہ ''واقعہ ردشمس'' کی کوئی اصل نہیں۔ (المقاصد الحسنة)

اس بنیاد پر علامہ ابن الجوزی نے اسے ''کتاب الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ''منهاج السنة: ٨/ ١٦٥'' اور ابن کثیر نے ''البداية والنهاية: ٦/ ١٢٣۔ ١٣٢ پر اسے موضوع قرار دیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، محدث البانی رحمہ اللہ کی کتاب ''سلسلة الضعيفة، رقم: ٩٧١''

## اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے لیے مالِ غنیمت کی حلت:

امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے قبل ہر ایک امت کے لیے اموالِ غنیمت کا استعمال ناجائز اور حرام تھا، بلکہ اس مال کو آسمان سے آئی ہوئی آگ کھا جاتی تھی، مگر امت محمدیہ کے لیے اموال غنیمت کا استعمال جائز اور حلال ٹھہرایا گیا، نیز اس امت کے لیے اموالِ غنیمت کا استعمال جائز ٹھہرانا، یہ محض اللہ تعالیٰ کا اس امت پر احسانِ عظیم اور فضلِ خاص ہے اور وہ بھی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلۂ شرف کی وجہ سے ہے۔

لیکن یہ بات مستحضر رہے کہ اموال غنیمت میں خیانت کرنا جس طرح گذشتہ امتوں کے لیے گناہ عظیم تھا، ٹھیک اس طرح ہماری امت پر بھی گناہ عظیم ہے۔

اب رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''ہماری کمزوری اور عاجزی کے پیش نظر مال غنیمت کو ہمارے لیے جائز ٹھہرادیا گیا'' سے کیا مراد ہے؟ اس سے متعلق مولانا داؤد راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان مفلس اور نادار تھے اور خدا کی بارگاہ میں عاجزی اور فروتنی سے حاضر ہوتے تھے۔ پروردگار کو ان کی عاجزی پسند آئی اور یہ سرفرازی ہوئی کہ غنیمت کے مال ان کے لیے حلال کردیئے گئے۔'' (شرح صحیح بخاری: ٤/٤٨٧.)

## مستنبط فوائد:

اس فرمان نبوی سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

**اول:** بعض نادانوں کے فعل بد سے پوری جماعت کی گرفت ہوتی ہے۔

**ثاني:** انبیاء علیہم السلام امرِ باطن میں وحی یا بذریعہ معجزات فیصلہ کرتے ہیں، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کیونکہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے خلاف بظاہر کوئی ثبوت نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے بعض احکام اور فیصلے ظاہری حجت پر قائم ہوتے ہیں، جیسا کہ ''صحیحین'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے واضح ہے۔

**ثالث:** امور (مہمہ) صرف ان لوگوں کے سپرد کرنے چاہیں، جو دنیاوی مشاغل سے فارغ ہوں اور ساتھ مستقل مزاج اور پختہ عزم رکھنے والے ہوں۔

**رابع:** اس مضمون کی کچھ تفصیل حدیث نمبر ۸۸ کے تحت بھی گزر چکی ہے، اس کو اس کے ساتھ ملا کر مستفید ہوں۔

# سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی طرف اشارہ

۱۲۵...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

(( بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُ اَنِّیْ اَنْزِعُ عَلٰی حَوْضٍ اَسْقِی النَّاسَ ، فَاَتَانِیْ اَبُوْبَکْرٍ ، فَاَخَذَ الْدَلْوَ مِنْ یَدِیْ لِیُرِیْحَنِیْ ، فَنَزَعَ دَلْوَیْنِ ، وَفِی نَزْعِہٖ ضَعْفٌ ، فَاَتَانِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَاللّٰہُ یَغْفِرُ لَہٗ ، فَاَخَذَھَا مِنْہُ ، فَلَمْ یَنْزِعْ رَجُلٌ نَزْعَہٗ حَتّٰی وَلَّی النَّاسُ وَالْحَوضُ یَتَفَجَّرُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں سو رہا تھا، میں نے خواب دیکھا کہ میں حوض سے پانی کھینچ کر لوگوں کو پلا رہا ہوں، پھر ابو بکر (رضی اللہ عنہ) میرے پاس آئے اور مجھے راحت پہنچانے کے لیے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا، اور دو ڈول پانی نکالا، اور ان کے پانی نکالنے میں کمزوری تھی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر میرے پاس عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) آئے اور وہ ڈول ان سے لے لیا اور ان کے پانی نکالنے میں ان جیسا کوئی دوسرا آدمی ڈول نہ نکال سکا، حتیٰ کہ لوگ سیراب ہو کر چلے گئے اور حوض لبالب بہہ رہا تھا۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث نبوی ﷺ میں خلیفہ راشد سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی سوائے انبیاء کے فضیلت و برتری تمام لوگوں پر ان کی مدت خلافت اور خلافت سے حاصل شدہ نتائج اور ثمرات کو ایک خواب اور پیشین گوئی کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ بات یقینی اور حتمی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ پیشین گوئی آپ ﷺ کی وفات کے بعد حرف بہ حرف صادق آئی۔ اگر کوئی صاحب اس نبوی پیشین گوئی کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہے تو تاریخی صفحۂ قرطاس پر خلافتِ صدیقی اور خلافتِ فاروقی کا مطالعہ کر لے۔

(۱۲۵)...... صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب الإستراحة فی المنام، رقم: ۷۰۲۲، حدثنا اسحاق بن ابراهیم، حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام: انه سمع اباهریرة رضی اللہ عنہ یقول: قال رسول الله ﷺ: ......۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، رقم: ۲۳۹۲/۱۷، ۱۹، ۲۳۹۲/۱۸۔ مسند احمد: ۱۰۳/۱۶، رقم: ۸۲۲۲/۱۲۹۔ شرح السنه، کتاب فضائل الصحابه، باب فی فضائل عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۸۸۲۔ مشکوٰة المصابیح، رقم: ۶۰۴۰، ۶۰۴۱.

## خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کے سب سے بڑے محسن اور اسرارِ نبوی کے محرم تھے۔ اس لیے وہ قدرتاً نیابت نبوی ﷺ کے سب سے زیادہ اہل و مستحق تھے اور آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں خاص خاص مواقع پر اس کا شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کے مرض الموت میں، جب نقل وحرکت کی طاقت آپ ﷺ میں نہ رہی، اس وقت آپ ﷺ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد نبوی کی امامت کا شرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو عطا فرمایا۔ (صحیح بخاری، باب اهل العلم والفضل احق بالامامة) جو درحقیقت آپ ﷺ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے اس لیے آپ ﷺ اپنی جانب سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کر کے اس کو توڑنا نہ چاہتے تھے۔ اس لیے صراحتاً کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی تعلیم نے آپ کے حاشیہ نشینوں میں ایسی بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کر دی تھی کہ آپ کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا اس لیے آپ نے آئندہ کے بارے میں تصریح سے سکوت فرمایا۔'' (تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی: ١٤٣/١)

## خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

''گو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تدبر، ان کی صداقت وحق پرستی اور ان کی اہلیت مسلم تھی لیکن ان کے مزاج کی سختی کی وجہ سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی، لوگ کسی قدر ڈرتے تھے، چنانچہ استخلاف کے وقت بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا، لیکن انہوں نے ان کے شبہات دُور کر کے مطمئن کر دیا اور تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ جمادی الثانی ١٣ھ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔''

(تفصیل کے لیے دیکھیں: طبقات ابن سعد، جلد اوّل، حالات استخلاف عمر رضی اللہ عنہ، بحوالہ تاریخ اسلام: ١٧٠/١)

## استدلالات محدثین اور مفردات کی شرح:

اس حدیث کے ذیل میں اہل علم نے جو تشریحات اور تفسیرات کی ہیں، ان میں سے چند ایک ہم آئندہ سطور میں نقل کر رہے ہیں:

١۔ فَأَخَذَ الدَّلْوَ مِن يَّدِي لِيُرِيْحَنِيْ: اہل علم کا کہنا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نیابت اور ان کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور ''لِيُرِيْحَنِيْ'' تاکہ مجھے راحت پہنچائے دنیاوی تھکاوٹوں اور مشقتوں سے راحت ملے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے (مرض الموت کے وقت اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: ((لَا كَرْبَ عَلٰى أَبِيْكَ بَعْدَ الْيَوْمِ .)) ''آج کے بعد تیرے باپ پر

کوئی تکلیف وکرب نہ ہوگی۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۷۴۹)

۲۔ وَفِیْ نَزْعِهِ ضَعْفٌ: اس بارے میں اہل علم کا کہنا ہے کہ اس جملے سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی کمی آتی ہے اور نہ عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت صدیق اکبر پر ثابت ہوتی ہے، بلکہ اس میں تو صدیق اکبر کی مدتِ خلافت کی کمی کا بیان ہے۔ جیسا کہ تمام ''شارحین حدیث'' اس پر متفق ہیں۔

نیز امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اپنی کتاب 'الأم' میں فرماتے ہیں: ''وَفِیْ نَزْعِهِ ضَعْفٌ'' میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کی کمی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جلد آنے کی طرف اشارہ ہے، علاوہ ازیں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صدیق اکبر اہل ارتداد کے ساتھ جنگ کرنے میں مشغول ہو جائیں گے، جس بناء پر ان کا سلسلۂ فتوحات عمر رضی اللہ عنہ کی طویل مدت خلافت کی بناء پر کم ہوگا۔'' (فتح الباری، ص: ۵۰/۷، مطبوعہ دارالسلام)

۳۔ فَلَمْ يَنْزِعْ رَجُلٌ نَزْعَهُ: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت طویل اور لمبی ہونے کی وجہ سے لوگ بہت نفع مند ہوں گے۔ اس لیے کہ اس میں (جنگی) فتوحات، غنائم، اموال اور اسلامی آبادی زیادہ ہوگی۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۷۵۰)

۴۔ بہر حال اس حدیث سے شیخین یعنی ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی با کمال سیرت، عظمت اور صحبتِ رسول کا اثر اور ان کے دورِ خلافت سے لوگوں کا منافع کثیر اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے۔

۵۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دنیا نیک لوگوں کے لیے باعثِ تکلیف ومشقت ہے جب کہ آخرت ان کے لیے باعث راحت ہے۔

# قیامت سے پہلے ایک عجمی قوم سے لڑائی

۱۲۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا خُوْزَ كِرْمَانَ ، قَوْمٌ مِّنَ الْاَعَاجِمِ ، حُمْرَ الْوُجُوْهِ ، فُطْسَ الْاُنُوْفِ ، صِغَارَ الْاَعْيُنِ ، كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت تب تک قائم نہ ہوگی جب تک تم ''جورکرمان'' سے قتال نہ کرلو گے، وہ ایک عجمی قوم ہے۔ ان کے چہرے سرخ، آنکھیں چھوٹی اور ناک چپٹی ہوگی۔ ان کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے کوٹی ہوئی ڈھالیں ہیں۔''

**شرح الحديث:** ......معزز قارئین کرام! اس فرمان نبوی ﷺ میں جس عجمی قوم کا ذکر ہوا ہے، اس کا نام ''خـوز'' ہے اور بعض روایتوں میں ''جـوز'' بتلایا گیا ہے، بہرحال یہ ایک عجمی قوم ہے اور ''کرمان'' عجم کے مشہور شہروں میں ایک شہر کا نام ہے جو خراسان اور بحر ہند کے درمیان ہے جس کی طرف اس قوم کی نسبت و اضافت کی گئی ہے۔ قدیم زمانے میں اس علاقے کو سوزیانی (Susiane) کہا جاتا تھا اور آج کل اسے عربستان کہتے ہیں۔ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ اس کو ''ر'' کے ساتھ ''خـور'' بھی پڑھا گیا ہے۔ (اشـعة الـلـمعـات: ٤/ ٢٩٨۔ الـقـامـوس الـمـحيط، ص: ٤٤٧ و ١٠٦٣۔ المنجد فی الاعلام، ص ١٨٣ و ٤٣٦۔ طرح التثريب: ٢٢٢/٧، ٢٢٣۔ فتح الباری: ٧٤٢/٦)

كَـأَنَّ وُجُـوْهَـهُـمُ الْـمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الْـمَجَّانُ جمع ہے ''مـجـن'' کی'' اور ''مـجـن'' کے معنی ''التّـرس'' یعنی ڈھال کے ہیں، اور ڈھال سے اپنے پورے بدن کو تیر (وغیرہ) سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے چہروں کو اس معنی میں تشبیہ دی گئی کہ جو چوڑے اور ڈھال کی طرح

---

(**١٢٦**)...... صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، رقم: ٣٥٩٠، حدثنا یحیی، حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ: ان النبی ﷺ قال: ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا خُوْزًا وَكِرْمَانَ مِنَ الْاَعَاجِمِ، حُمْرَ الْوُجُوْهِ، فُطْسَ الْاُنُوْفِ، صِغَارَ الْاَعْيُنِ، كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ، نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ)) تَابَعَهُ غَيْرُهُ عَنْ عَبْدِالرَّزَّاق...... صحیح مسلم، کتاب الفتن و أشراط الساعة، باب لاتقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل، رقم: ٦٦، ٦٥، ٦٤، ٢٩١٢/٦٣۔ مسند احمد: ١٠٤/١٦، رقم: ٨٢٢٣/١٣٠۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب أشراط الساعة، رقم: ٢٠٧٨٢۔ شرح السنه، کتاب الفتن، باب قتال الترك و قتال الیهود، رقم: ٤٢٤٤.

گول ہوں گے۔

اور ''مُطْرَقَةُ'' سے ان کے چہروں کو اس معنی میں تشبیہہ دی گئی کہ وہ بہت زیادہ موٹے اور گوشت والے ہوں گے۔'' (فتح الباری: ٦/٧٤٣۔ شرح مسلم للنووی، ص: ٢٠٠٩)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اور انہوں نے جس قوم کی یہ صفات بیان فرمائی ہیں، وہ ساری کی ساری صفات تُرک، قوم میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی سرخ چہرے والے، چھوٹی آنکھوں والے، چپٹی ناک والے، بال کے جوتے پہننے والے اور ان کے چہرے ایسے ہیں جیسے کوئی ہوئی ڈھال ہوتی ہے۔ اور اس قوم سے مسلمانوں نے کئی مرتبہ لڑائی کی ہے۔''

(طرح التثریب: ٧/٢٢٤۔ شرح مسلم للنووی، ص: ٢٠١٠)

# قیامت سے پہلے بال کے جوتے والوں سے جنگ

۱۲۷...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :
(( لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم ایسی قوم سے قتال نہ کرو جس کے جوتے بال کے ہوں گے۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث میں بھی اسی پیشین گوئی کا ذکر ہے، جس کی تشریح قدرے تفصیل کے ساتھ حدیث نمبر(۱۲۶) کے تحت گذر چکی ہے، مزید چند مسائل اور استدلالات یہاں بھی ذکر کیے دیتے ہیں، جو گزشتہ سے پیوستہ حدیث کی شرح میں بیان نہیں کیے گئے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱۔ نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ : سے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کے بال لمبے لمبے ہوں گے، حتیٰ کہ ان کے وہ بال ان کے جوتوں تک آ پہنچیں گے۔
۲۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے جوتے بالوں کی گندھی ہوئی لٹ سے بناتے ہوں گے۔ جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے وہ قوم بال کے جوتے پہنے گی۔
۳۔ اس سے مراد قندس ہیں جسے وہ پہنیں گے، اور وہ جوتے آبی کتوں کے چمڑے سے تیار کیے جائیں گے۔

(فتح الباری: ٦/٦٠٨.)

۴۔ سید الصادقین ﷺ کی یہ پیشین گوئی پہلی صدی ہجری کے آخری میں بنو امیہ کے دور میں حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس قوم کے ساتھ جنگ کی اور ان کے علاقے فتح کر لیے۔

(**۱۲۷**)...... صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب قتال الذين ينتعلون الشعر، رقم: ٢٩٢٩ـ صحیح مسلم، كتاب الفتن، باب لاتقدم الساعة حتى لمير الرجل بقبرا الرجل، رقم: ٧٣١٢ـ مسند احمد: ١٦/ ١٠٤، رقم: ٨٢٢٤ / ١٣١، حدثنا عبدالرزاق بن همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه ، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ......ـ شرح السنة، كتاب الفتن، باب قتال الترك وقتال اليهود: ١٥/ ٣٩. (یاد رہے کہ یہ حدیث نمبر(۱۲۶) کا ایک جز ہے۔)

# گھوڑے اور اونٹ والوں میں فخر وغرور اور بکری والوں میں عاجزی ہوتی ہے

۱۲۸...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اَلْخُيَلَاءُ وَالْفَخْرُ فِيْ اَهْلِ الْخَيْلِ وَالْاِبِلِ ، وَالسَّكِيْنَةُ فِيْ اَهْلِ الْغَنَمِ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' گھوڑے اور اونٹ والوں میں فخر وغرور ہوتا ہے، اور بکریاں چرانے والوں میں سنجیدگی اور وقار ہے۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث نبوی ﷺ سے واضح ہو رہا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانی میں خیر اور بھلائی ہے، لیکن اس وقت جب انہیں تکبر وفخر وغرور کے لیے نہ رکھا جائے اور نہ پالا جائے۔ اگر فخر وغرور اور تکبر کے لیے رکھا گیا تو یہ مذموم وصف ہے یعنی اس گھوڑے میں خیر اور بھلائی والی کوئی بات نہیں ہوگی۔

امام خطابی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:''اس فرمان نبوی ﷺ میں گھوڑوں اور اونٹ رکھنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے، اس لیے کہ وہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کی دیکھ بھال میں اتنا مشغول اور مصروف ہو جاتے ہیں کہ دینی امور سے غافل ہو جاتے ہیں۔ جس کی پاداش میں ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔''

اور دوسری بات یہ ہے کہ ''اس حدیث میں ( بکری والوں ) کی تخصیص کی گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ اونٹ والوں کی نسبت اطمینان اور سکونت میں زیادہ ہوتے ہیں، جب کہ اونٹ والے مال ودولت کی فراوانی میں ان سے زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ چیز فخر وغرور کا باعث بنتی ہے۔''(فتح الباری: ٦/٤٢٣)

علاوہ ازیں علامہ ابی مالکی رقمطراز ہیں:''اس فرمان میں اونٹوں کا ذکر کسی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد مال کی فراوانی ہے، کیونکہ لوگوں کو حقیر سمجھنے اور تکبر کرنے کا باعث مال کی فراوانی ہوتا ہے اور جہاں تک

---

(**۱۲۸**)...... صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال، رقم: ٣٣٠١۔ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب تفاضل أهل الإیمان فیه، رقم: ٩١، ٨٦، ٥٢/٨٥۔ مسند احمد: ١٠٤/١٦، رقم: ٨٢٢٥، حدثنا عبدالرزاق بن همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبو هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ......

اونٹوں کے تذکرہ کا تعلق ہے، تو وہ اس لیے کہ اس زمانہ میں اہل عرب کے ہاں کثرتِ مال کی علامت اونٹوں کی کثرت تھی۔'' (اکمال اکمال المعلم: ۱/۱۵۷، مطبوعه دار الکتب العالمیه بیروت.)

معلوم ہوا کہ انسانی نفسیات پر ماحول، آب و ہوا ور سواری سے بھی خاص حد تک اثر پڑتا ہے، عمومی طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جو شخص اچھی قسم کی سواری پر بیٹھنے والا ہو، وہ فخر وغرور اور تکبر میں زیادہ ہوتا ہے۔

# امارت اور حکمرانی قریش کا حق ہے

**۱۲۹**...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ :
(( اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِّقُرَيْشٍ فِیْ ھٰذَا الشَّأْنِ ...... أُرَاہُ يَعْنِی الْإِمَارَةَ...... مُسْلِمُھُمْ تَبَعٌ لِّمُسْلِمِھِمْ ، وَكَافِرُھُمْ تَبَعٌ لِّكَافِرِھِمْ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ لوگ اس معاملہ یعنی امارت میں قریش کے تابع ہیں۔ مسلمان، مسلمان قریشیوں کے اور کافر، کافر قریشیوں کے تابع ہیں۔''

**شرح الحديث:**...... رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہے کہ اہل قریش زمانۂ جاہلیت اور قبول اسلام، دونوں زمانوں میں لوگوں پر حکمران تھے، یعنی زمانۂ جاہلیت میں کفار پر حکمرانی کرتے تھے اور قبول اسلام کے بعد اسلام کے مستحکم اصولوں کی بنیاد پر مسلمانوں کی قیادت اور صدارت کیا کرتے تھے۔ یا آج کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ اہل قریش مسلمانوں کے اربابِ حکومت تھے، نیز اس فرمان نبوی ﷺ سے اہل قریش کی فضیلت و برتری بھی ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے فضیلتِ قریش پر استدلال کیا ہے۔

(صحیح بخاری، باب مناقب قریش۔ طرح التثریب: ۸/۸۱)

علامہ نووی رحمہ اللہ یہ حدیث اور اس معنی کی دوسری احادیث نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: ''ان احادیث میں اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص کی گئی ہے، اور ان کے علاوہ کسی ایک کے لیے (بھی) اس کا روادار ہونا درست نہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے: تمام علماء کا مذہب ہے کہ خلیفہ ہونے کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث کو یوم سقیفہ میں انصار پر بطور دلیل پیش کیا اور انصار میں کسی ایک نے بھی اس سے انکار نہیں کیا، چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ نیز

---

(**۱۲۹**)...... صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب قول اللہ تعالیٰ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ، رقم: ۳۴۹۵۔ صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب الناس تبع لقریش و الخلافة فی القریش، رقم: ۱۸۱۸/۲، ۱۸۱۸/۱، ۱۸۲۱/۵، ۱۸۲۱/۶، ۱۸۲۱/۷، ۱۸۲۱/۸، وحدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذكر احاديث منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۱۰۵/۱۶، رقم: ۸۲۲۶/۱۳۳۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، فضائل قریش، رقم: ۱۹۸۹۵۔ شرح السنه، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب قریش، رقم: ۳۸۴۷.

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اہل علم نے اس مسئلہ کو مسائلِ اجماع میں شمار کیا ہے، اور علماء سلف میں سے کوئی ایک قول وفعل (بھی) اس کے مخالف منقول نہیں۔''

علاوہ ازیں نظام معتزلی، خوارج اور اہل بدعت کا یہ کہنا ہے: غیر قریش کو بھی خلافت سونپی جاسکتی ہے، لیکن ان لوگوں کا یہ قول ونظریہ باطل ہے۔ اور اجماع المسلمین کے مخالف ہے۔''

نیز اہل قریش کی ہر دو زمانوں میں لوگوں پر حکمرانی کرنے کے متعلق لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ((النَّاسُ تبعٌ لِقُرَيْشٍ فِی الْخَيْرِ وَ الشَّرِ)) لوگ خیر وشر (ہر دو) میں قریش کے تابع ہیں۔ کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی اہل قریش لوگوں پر حکمران اور کعبہ کے متولی تھے اور لوگ ان کے اسلام قبول کرنے کے منتظر تھے۔ چنانچہ جونہی فتح مکہ ہوا، اور قریش نے اسلام قبول کیا، تو لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں ان کی اتباع کی اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، نیز اسی طرح اسلام میں بھی وہی خلفاء رہے۔''

(شرح مسلم للنووی، ص: ١٤١٦، مطبوعه دار ابن حزم۔ طرح التثريب: ٨/٨٠)

امام نووی رحمہ اللہ کی اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اجماعاً خلافت اہل قریش کے ساتھ مختص ہے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ اہل قریش کے لیے خلافت کا اختصاص مطلقاً نہیں ہے، بلکہ مقید ہے یعنی جب تک وہ اقامت دین کی سر بلندی کے لیے کوشاں اور معاشرت میں اس دین الٰہی کا قیام رکھیں گے، تب تک وہ اس خلافت سے متصف اور اس کے مستحق رہیں گے۔ لیکن جب وہ اس فریضۂ کی انجام دہی سے غافل ہو گئے تو یہ خلافت ان سے چھین لی جائے گی، جیسا کہ اس بات کی تائید ''صحیح بخاری'' کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((إِنَّ هَـذَا الْاَمْـرَ فِـی قُـرَيْـشٍ لَايُعَادِيْهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللّٰهُ عَلَی وَجْهِهِ مَا اَقَامُوْا الدِّيْنَ .))

''خلافت قریش میں رہے گی، کوئی بھی ان سے اگر دشمنی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دے گا، لیکن اس وقت تک جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔'' (صحیح بخاری کتاب الأحکام، رقم: ٧١٣٩.)

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی یہی کہنا ہے۔ (فتح الباری: ١٣/١١٧.)

علاوہ ازیں تاریخ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ خلافت کا سہرا بعد از وفاتِ نبی ﷺ تقریباً پانچ چھ صدی تک بنوعباس اور بنوامیہ کے سر پر رہا، لیکن جب وہ اس خلافت کا پاس رکھنے کی بجائے اس میں غفلت برتنے لگے، تو وہ ان سے چھین لیا گیا۔

# قریش کی عورتوں کی فضیلت

**۱۳۰**...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( خَيْـرُ نِسَـآءٍ رَكِبْـنَ الْإِبِـلَ صَـالِحُ نِسَاءُ قُرَيْشٍ ، اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِىْ صِغْرِهٖ وَ اَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِىْ ذَاتِ يَدِهٖ . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹ پر سفر کرنے والی عورتوں میں بہترین قریش کی عورتیں ہیں، جو اپنے بچوں پر کم سنی میں انتہائی شفیق اور اپنے شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والی ہیں۔''

**شرح الحديث**: ......اس حدیث نبوی ﷺ میں قریشی عورتوں کی مدح وثناء اور فضیلت بیان ہوئی ہے، اور ساتھ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اہل قریش کی عورتیں ان تمام خوبیوں اور اوصافِ حمیدہ سے فطرتاً متصف ہیں۔ اس لیے حدیث میں ان کا ذکر ذرا خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ وگرنہ ایسی ہر وہ عورت جس میں یہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہوں، چہ جائے کہ وہ عورت قریش خاندان سے تعلق نہ رکھتی ہو، اس مدح وثناء کی مستحق ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما دیا کہ قریش کی عورتیں اس وجہ سے بہتر ہوتی ہیں کہ وہ اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں بڑی مشفق ومہربان ہوتی ہیں، اور شوہر کے مال وغیرہ کی سب سے زیادہ محافظت کرتی ہیں۔ اور ظاہر ہے یہی دو مقصد ہیں جو نکاح کے مقاصد میں سب سے زیادہ اہم ہیں، اور ان ہی سے تدبیر منزل اور نظامِ خانہ داری وابستہ ہے، پس یہ امر مستحب ہے کہ ایسے قبیلے اور خاندان والی عورت سے نکاح کیا جائے جن کی عادات واخلاق واطوار اچھے ہوں اور ان میں قریش عورتوں کے اوصاف بھی پائے جائیں۔'' (حجة اللّٰه البالغه، بحواله شرح صحيح بخارى، از داؤد راز: ۷/۱۱۱.)

---

(**۱۳۰**)...... صحيح بخارى، كتاب أحاديث الانبيآء، باب قوله تعالىٰ (اِذْ قَالَتُ الملآئكة يا مريم)، رقم: ٣٤٣٤ وكتاب النكاح، رقم: ٥٠٨٢ وكتاب النفقات، رقم: ٥٣٦٥ـ صحيح مسلم، كتاب فضائل نسآء قريش: ٢٥٦٧/٢٠٢، حدثنا محمد بن رافع وعبد بن حميد، قال ابن رافع حدثنا، وقال عبد اخبرنا۔ عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ......ـ مسند احمد: ١٦/١٠٥، رقم: ٨٢٢٧/١٣٤ـ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب حق الرجل علی إمرأته، رقم: ٢٠٦٠٣ـ شرح السنه، كتاب الفضائل، باب قال الله تعالىٰ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ، رقم: ٣٩٦٥.

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں اہل قریش کی عورتوں کی فضیلت کا بیان ہے کہ وہ اپنی اولاد پر انتہائی مشفق ہوا کرتی ہیں، ان کی بہتر تربیت کرتی ہیں اور اپنے خاوند کے مال اور اس کی امانت کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔ نیز اپنے خاوند کے مال کو حسنِ تدبیر سے خرچ کرتی ہیں۔''

اس حدیث کا مقصد یہ ہے: ''اہل عرب کی عورتوں میں قریشی عورتیں سب سے زیادہ افضل و برتر ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ عموماً اہل عرب اہل عجم سے افضل ہوتے ہیں۔ البتہ چند افراد کا اختصاص ہونا الگ بات ہے۔''

(شرح مسلم للنووی، ص: ۱۷۱۸)

قارئین کرام! یہ بات واضح رہے کہ یہ فضیلت تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱٤)

''یقیناً تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مکرم شخص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہو۔''

## ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ:

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیدۃ مریم علیہا السلام پر بھی نساء قریش کو فضیلت و برتری حاصل ہے۔ لیکن یہ بات قطعاً درست نہیں ہے، اور اس کے درست نہ ہونے کی مختلف وجوہات ہیں۔

۱۔ سیدہ مریم علیہا السلام نے کبھی اونٹ کی سواری کی ہی نہیں اور اس بات کی دلیل 'صحیح بخاری' کی مذکورہ روایت میں ہے جسے بیان کرنے کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((وَلَمْ تَرْكَبْ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ بَعِيْرًا قَطُّ)) ''اور مریم بنت عمران علیہا السلام نے اونٹ کی سواری کبھی کی ہی نہیں۔'' (صحیح بخاری، رقم: ۳٤۳٤.)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قول کو مسند احمد اور مسند ابو یعلیٰ کی بیان کردہ روایت میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ وقد علم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الخ. (فتح الباری: ٦/٥٧٧)

بہرحال سیدہ مریم علیہا السلام نے اونٹ کی سواری کبھی نہیں کی اور جہاں تک نساءِ قریش کی فضیلت و برتری کا تعلق ہے وہ صرف ان عورتوں پر ہے، جنہوں نے اونٹ کی سواری کی ہو۔

۲۔ اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نساء قریش سے نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، جبکہ سیدہ مریم علیہا السلام کا زمانہ بہت پہلے کا ہے، اور وہ اس دنیا میں موجود بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا ان سے نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سیدہ مریم علیہا السلام کو نساء قریش پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔

# نظر لگنا حق ہے اور سرمہ بھروانا ممنوع ہے

۱۳۱......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
(( اَلْعَيْنُ حَقٌّ ، وَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَشْمِ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر کا لگ جانا حق ہے۔اور رسول اللہ ﷺ نے وشم یعنی گود کر سرمہ بھروانے سے منع فرمایا۔''

**شرح الحديث:** ......اس حدیث شریف میں دو امور بیان ہوئے ہیں۔جن کی تفصیل حسب ذیل ہیں:

اول: نظر کا لگ جانا حق ہے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ نظر کا لگنا مطلقاً برحق ہے یعنی چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہر دو میں سے کسی کو بھی نظر لگ سکتی ہے۔لیکن یہ نظر محض حسد کی وجہ سے نہیں، بلکہ کسی اَن ہونی اور خوبصورت چیز کو دیکھنے کی وجہ سے بھی لگ جاتی ہے۔

حافظ ابن قیم جوزیہ رحمہ اللہ نے ''نظرِ بد'' کے بارے میں جو تحقیق پیش کی ہے اس کا خلاصہ قرطاس پر تحریر کر دیا جاتا ہے، تاکہ اسے پڑھ کر ہر عام و خاص اس سے خوب فائدہ حاصل کر سکے۔ نیز جو لوگ ''نظر بد'' کے انکاری ہیں، ان کے اس نظریہ کا عقلی و نقلی دلائل سے پوری طرح تعاقب بھی کیا جا سکے۔ چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حسد زدہ میں ضرر رسانی میں نظرِ حاسد کی تاثیر ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، ہاں البتہ اس کا انکاری صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو حقیقتِ انسانیت سے عاری ہو، اور یہی ہے ''نظر بد'' کی حقیقتِ تاثیر، اس لیے کہ حاسد کا خبیث نفس انتہائی گھٹیا کیفیات کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اور حسد زدہ کے تقابل میں آتا ہے اور اس پر اس خبیث کیفیت کی وجہ سے مؤثر ہوتا ہے۔لہٰذا یہ بات سمجھانے کے لیے سانپ کی مثال پیش کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ سانپ میں زہریلا مادہ پوری قوت کے ساتھ پوشیدہ رہتا ہے۔ جب وہ اپنے مخالف کے تقابل میں آتا

(۱۳۱)...... صحیح بخاری، کتاب الطب، با ب العین، رقم: ۵۷٤۰ ، حدثنا اسحاق بن نصر، حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ...... و کتاب اللباس، رقم: ۵۹٤٤، حدثنا یحیی، حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ......۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب و المرض والرقی، رقم: ۲۱۸۸/٤۱، حدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهریرة عن رسول الله ﷺ فذکر احادیث منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۱۰٦/۱٦، رقم: ۸۲۲۸/۱۳۵۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب الرق والعین والنفث، رقم: ۱۹۷۷۸۔ شرح السنه، کتاب اللباس، باب النهی عن وصل الشعر و الوشم: ۱۰۳/۱۲.

ہے تو اس کی قوتِ غضب اور زیادہ ہو جاتی ہے اور ایک نقصان دہ کیفیت کے ساتھ یہ قوت پوری طرح ابھر آتی ہے اور بعض اوقات تو یہ قوت اتنی شدت اختیار کر جاتی ہے کہ اس کی تاثیر سے جنین (حاملہ کا حمل) ساقط ہو جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا چھوٹی دم کے موذی سانپ اور دو دھاریوں والی چھوٹی دم کے زہریلے سانپ کے بارے میں ارشاد ہے: ((إِنَّهُمَا يَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ وَيَسْقُطَانِ الْحُبْلَ)) ''یہ دونوں سانپ قوتِ بصارت سلب کر لیتے ہیں اور حمل کو گرا دیتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، کتاب السلام، رقم: ۲۲۳۳)

نیز نظر بد کے مختلف اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اسی طرح سے یہ کیفیت انسان میں محض دیکھتے ہی اثر کر جاتی ہے، چہ جائے کہ اس کو مس کرے، اس لیے کہ ایسے نفوس میں خباثت غیر معمولی طریق سے ہوتی ہے اور ان کی کیفیات مؤثرہ اور تاثیراتِ خبیثہ چھونے کی محتاج نہیں ہوتیں کہ اجسام تک پہنچ پائیں۔ اس کے برعکس نفس کا اثر کبھی اتصال اور ملنے سے، کبھی آمنا سامنا ہونے سے، کبھی نگاہ و نظر پڑنے سے، کبھی روح کی اثر پذیری کی طرف متوجہ ہونے سے، کبھی تعوذ اور کبھی وہم و خیال پیدا کرنے سے ہوتا ہے، نیز نظر بد لگانے والے کا اثر محض دیکھنے ہی پر موقوف نہیں بلکہ بہت سے ایسی نظر لگانے والے اندھے ہوتے ہیں جو بن دیکھے ہی نگاہ ڈال کر جس شخص کو نظر بد سے متاثر کرنا ہو تو اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ﴾ (القلم: ۵۱)

''جب یہ کافر لوگ کلامِ نصیحت سنتے ہیں تو تمہیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمہارے قدم اکھاڑ دیں گے۔'' (الطب النبوی، ص: ۱۵۳، ۱۵۴)

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''نظرِ بد'' قرآن سے اشارتاً اور احادیث صحیحہ سے صراحتاً ثابت ہے، اور جو لوگ اس کے انکاری ہیں وہ درست مؤقف پر نہیں ہیں۔

## طب نبوی کی روشنی میں نظر بد کا علاج:

اگر کوئی شخص نظر بد کا شکار ہو جائے تو اسے حواس باختہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا آسان اور بہترین علاج بتایا ہے، اور وہ ہے چند کلمات کا پڑھ کر دم کرنا، وہ کلمات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سورۃ فاتحہ، معوذتین اور آیت الکرسی کی تلاوت نظر بد سے بچاؤ کا باعث ہے۔

۲۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: (نبی کریم ﷺ کے زمانہ طیبہ میں) نظر بد لگانے والے کو حکم دیا جاتا اور وہ وضو کرتا پھر ''نظر بد شدہ'' آدمی اس پانی سے غسل کر لیتا۔'' (سنن ابو داود، کتاب الطب، رقم: ۳۸۸۰۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح الاسناد'' قرار دیا ہے)

۳۔ نظر بد والے کے سر پر دایاں ہاتھ رکھ کر دم کیا جائے:

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ))

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، رقم: ۳۳۷۱)

## الثانی: جسم میں گود کر سرمہ بھروانے کی ممانعت:

اہل عرب کی عورتوں میں یہ دستور تھا کہ وہ تزیینِ بدن کے لیے وشم یعنی بدن میں باریک باریک سوراخ کروا کے پھر اس میں سرمہ بھرواتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ بلکہ بعض روایات میں وشم کرنے اور کروانے والی دونوں عورتوں کے متعلق لعنت جیسے بڑے سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ نیز جسم کو گودنا یا وشم کروانا باعثِ تکلیف تو ہے ہی، مگر اس کے ساتھ ساتھ تخلیق الٰہی کو بدل دینے کے مترادف بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ (النسآء: ۱۹۹) ''پس وہ اللہ کی تخلیق کو بدل ڈالیں گے۔''

چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الإکـلیـل'' میں اور قاضی بیضاوی نے تفسیر میں لکھا ہے کہ لفظ ''خلق اللہ'' سے مراد (عورتوں کا جسم) گودانا اور گالوں پر خوبصورتی اور زینت کے لیے نشان بنوانا (یعنی مصنوعی تیل وغیرہ) ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے گودنے والی اور گدوانے والی اور چہرے کے بال اکھیڑنے والی، خوبصورتی کے لیے دانتوں پر سوہن کرنے والی، اللہ کی تخلیق میں تغیر کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ بنو اسد کی ام یعقوب نامی عورت کو یہ بات پہنچی تو وہ آئی اور کہا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ نے اس طرح لعنت کی ہے؟ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہو اور وہ کتاب اللہ میں بھی موجود ہو۔ اس نے کہا: میں نے پورا قرآن پڑھا ہے مگر اس میں یہ چیز مجھے نہیں ملی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو تمہیں یہ بات مل جاتی۔ کیا تو نے یہ نہیں پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷) ''رسول اللہ جو چیز تمہیں دیں، وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے باز آجاؤ۔''

تو اس نے کہا: کیوں نہیں؟ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے نبی ﷺ نے اسی کام سے روکا ہے تو اس عورت نے کہا: تمہاری بیوی میں بھی یہ بات موجود ہے، انہوں نے کہا: جاؤ اور دیکھو۔ وہ گئی اور اسے ان کی بیوی میں ایسی کوئی بات نظر نہ آئی۔ پھر واپس آئی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس میں ایسا عمل موجود ہوتا تو میں اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات چھوڑ دیتا۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة حشر، رقم: ٤٨٨٦)

لہٰذا کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ چہرے یا باقی جسم پر نیل وغیرہ بھر کر پھول بنائے کیونکہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فعل پر لعنت فرمائی ہے اور جس فعل پر اور اس کے کرنے والے پر لعنت کی جائے تو اس کے حرام ہونے میں شک نہیں۔

# نماز کے انتظار کا ثواب اور فضیلت

۱۳۲...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( لَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِىْ صَلٰوةٍ مَا كَانَتْ هِىَ تَحْبِسُهُ ، وَلَا يَمْنَعُهُ اَنْ يَّخْرُجَ اِلَّا اِنْتِظَارُهَا . ))

**ترجمة الحديث**:...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ہمیشہ نماز میں رہتا ہے جب تک نماز اسے روکے رکھتی ہے، اور نماز سے نکلنے سے اس کے انتظار کے سوا کوئی اور امر مانع نہ ہو۔''

**شرح الحديث**: ...... اس حدیث میں اس قسم کی دیگر احادیث میں یہ بتایا گیا کہ جو شخص مسجد میں باوضو ہو کر نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ بہت زیادہ فضیلت اور اجر کا مستحق ہے۔ اس کے لیے پہلی فضیلت تو یہ ہے کہ جب تک نماز کھڑی نہیں ہوتی تب تک اس نمازی کا سارا وقت نماز ہی میں شمار ہوتا ہے، جس سے وہ نماز کا ثواب اور فضیلت حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا اس نمازی کو چاہیے کہ نماز پڑھے بغیر اس کا ثواب اور فضیلت حاصل کرنے کے لیے، لغو اور فضول حرکات سے قطعی گریز کرے، جیسا کہ ''مستدرک حاکم'' میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( إِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُكُمْ فِىْ بَيْتِهِ ثُمَّ اَتَى الْمَسْجِدَ كَانَ فِى صَلٰوةٍ حَتَى يَرْجِعَ فَلَا يَقُلْ هَكَذَا ، وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِه . ))

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں وضو بنا کر مسجد میں آئے تو اس کا شمار نماز ہی میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ واپس چلا جائے (لیکن) اس طرح (کا کوئی کام) نہ کرے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔ یعنی تشبیہ دی۔'' (مستدرك حاكم ،

(**۱۳۲**)...... صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء الا من المخرجين، رقم: ۱۷٦ و كتاب الأذان، رقم: ٦٤٧ وكتاب البيوع، رقم: ۲۱۱۹۔ صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلوٰة، باب فضل صلوٰة الجماعة و انتظار الصلوٰة، رقم: ٦٤٩/٢٧٦، وحدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه، عن ابى هريرة رضي الله عنه عن النبى ﷺ، قال: ((اَحَدُكُمْ مَا قَعَدَ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، فِىْ صَلَاةٍ، مَا لَمْ يُحْدِثْ، تَدْعُوْلَهُ الْمَلَائِكَةُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ))...... سنن الترمذى، ابواب الصلوٰة، باب ما جآء فى القعود فى المسجد و انتظار الصلوٰة، من الفضل، رقم: ۳۳۰۔ مسند احمد: ١٠٦/١٦، رقم: ١٣٦/٨٢٢٩۔ شرح السنه، باب فضل القعود فى المسجد لإنتظار الصلوٰة: ٢/ ٣٦٩.

كتاب الصلوٰة، كتاب الإمامة و صلوٰة الجماعة، رقم: ٧٧٢ وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشخين۔ **نیز صحیح ابن حبان اور سنن ابی داوَد میں بھی یہ روایت موجود ہے، مگر اس کے الفاظ کچھ مختلف ہیں۔ لیکن مفہوم ایک ہی ہے۔** سنن ابى داؤد، كتاب الصلوٰة، باب ما جآء فى الهدى فى المشى الى الصلوة، رقم: ٥٧١۔ و صحيح ابن حبان، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة و الجماعة، رقم: ٢٠٣٤)

**معلوم ہوا کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے شخص کو کہ تشبیک اور اس قسم کے دیگر لغو اور فضول اعمال سے گریز کرنا چاہیے اور اس شخص کے لیے دوسری فضیلت یہ ہے کہ جب وہ نماز کے انتظار میں باوضو بیٹھا رہتا ہے تو فرشتے اس کے لیے مغفرت کی اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ 'صحیح مسلم' میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(( أَحَدُكُمْ مَاقَعَدَ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ فِى صَلٰوةٍ مَا لَمْ يُحْدِثْ تَدْعُوْلَهُ الْمَلَائِكَةُ اللَّهُمَّ اغْفِرْلَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ . ))**

(صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل الصلاة المكتوبة فى جماعة وفضل انتظار الصلاة، رقم: ١٥١١)

''جب تک تم میں سے کوئی شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے۔ وہ نماز ہی میں ہے جب تک اس کا وضو نہ ٹوٹے تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں: اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔''

دعاءِ ملائیکہ کا شرف حاصل کرنے کے لیے ہر آدمی کو زیادہ سے زیادہ جستجو اور کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان کی دعا اللہ کے دربار میں بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

**نوٹ:** اس حدیث کی مفصل شرح حدیث نمبر ۹ میں بیان ہو چکی ہے۔ استفادہ کے لیے وہاں رجوع کریں۔

# اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے

۱۳۳...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور صدقہ کی ابتداء اپنی قریبی رشتہ داروں سے کرو۔''

**شرح الحديث:** ......صدقہ اور مال خرچ کرنے والا ہاتھ سوال کرنے اور مانگنے والے ہاتھ سے بہتر اور بلند ہے، اس کی شرح کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

(( أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَ التَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى ، وَ الْيَدُ الْعُلْيَا اَلْمُنْفِقَةُ وَ السُّفْلٰى السَّائِلَةُ . ))

''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے صدقے کا وعظ اور سوال نہ کرنے کی نصیحت فرما رہے تھے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (نیز) اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا اور نچلا ہاتھ مانگنے والا ہے۔'' (صحيح مسلم، كتاب الزكاة، رقم: ۱۰۳۳.)

نیز اگر کسی شخص کو صدقہ کرنا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صدقے کا آغاز اپنے غریب و مفلس اقرباء سے کرے اور بعد میں دوسرے مستحقین پر تقسیم کر دے۔ کیونکہ صدقہ و خیرات کے زیادہ مستحق غریب اور مفلس اقرباء ہیں۔ جن پر صدقہ و خیرات کرنے والے کو دوگنا ثواب ملتا ہے۔ ایک صدقہ کرنے کا ثواب اور دوسرا ان غریب اور مفلس اقرباء سے صلہ رحمی اور ہمدردی کرنے کا ثواب۔

(۱۳۳)...... صحيح بخاری، كتاب النفقات، باب وجوب النفقة على الأهل و العيال، رقم: ۵۳۵۵، ۱۴۲۹۔ صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، باب بيان اليد العليا خير من اليد السفلى، وأن اليد العليا هى النفقة، وأن السفلى هى الآخذة، رقم: ۱۰۳۳، ۱۰۳۶۔ مسند احمد: ۱۰۷/۱۶، رقم: ۸۲۳۰/۱۳۷، حدثنا عبدالرزاق همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبوهريرة عن رسول الله ﷺ، قال: .......

## مستنبط مسائل:

۱۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنی جان اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے، اس لیے کہ یہ اس کی ذمہ داری ہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ بخلاف دوسروں پر خرچ کرنے میں۔

۲۔ صدقہ اتنی مقدار میں کرنا چاہیے کہ آدمی صدقے کے بعد بھی غنی رہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''افضل ترین صدقہ وہ ہے کہ جس میں صدقے کے بعد بھی آدمی غنی رہے۔''

# نبی کریم ﷺ کا عیسیٰ علیہ السلام سے قریبی تعلق

۱۳۴...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ، قَالُوْا: كَيْفَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ مِّنْ عَلَّاتٍ ، اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى ، وَ دِيْنُهُمْ وَاحِدٌ ، وَلَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں دنیا وآخرت (دونوں جہانوں) میں عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (تمام) انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں الگ الگ ہیں، مگر دین سب کا ایک (ہی) ہے۔ پس ہم دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں۔''

**شرح الحديث:** ......رسول اللہ ﷺ کا دونوں جہانوں یعنی دنیا اور آخرت میں دوسرے لوگوں کی نسبت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے انتہائی قریبی تعلق ہے، اس قربت کی وجہ اور علت یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس بات کی بشارت سنائی تھی کہ میرے بعد ''محمد'' نامی ایک شخص رسول بن کر آئیں گے، جو آپ کو تسلیاں دیں گے اور ایسی ایسی باتیں بتائیں گے جو میں آپ لوگوں کو نہیں بتا پایا۔ اور وہ بھی وہیں سے علم حاصل کریں گے جہاں سے میں علم حاصل کرتا ہوں۔

**ایک شبہ اور اس کا ازالہ:**

ممکن ہے یہ حدیث پڑھ کر کسی ذہن میں سوال پیدا ہو کہ مذکورہ حدیث اس آیت:

﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾ ﴾ (آل عمران: ٦٨)

---

(١٣٤)...... صحيح بخارى، كتاب أحاديث الأنبيآء، باب قول الله تعالىٰ وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا، رقم: ٣٤٤٢، ٣٤٤٣۔ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى علیہ السلام، رقم: ٢٣٦٥/١٤٣، وحدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبدالرزاق، حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث، منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ١٠٧/١٦، رقم: ٨٢٣١/١٣٨۔ شرح السنه، كتاب الفضائل، باب فضائل سيد الأولين و الأخرين، رقم: ٣٦١٩ وقال: هذا حديث متفق على صحته.

''لوگوں میں سب سے زیادہ ابراہیم کے حقدار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ مؤمنوں کا دوست ہے۔''

سے متعارض ہے، جبکہ اس حدیث میں کوئی ایسا متعارض پہلو بیان نہیں ہوا جو اس آیت کے مخالف ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ جس طرح دوسرے لوگوں کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام کے قریبی تعلق دار ہیں، ٹھیک اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی تعلق وقربت داری ہے، البتہ کیفیت وقربت میں کچھ فرق ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام سے رسول اللہ ﷺ کے جس تعلق وقربت کا تذکرہ ہوا ہے، اس سے مراد اقتداء اور اتباع کا تعلق وقربت ہے، اور حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام سے جس تعلق وقربت کا تذکرہ ہوا ہے، اس سے مراد زمانے کا قرب وتعلق ہے۔

# قرب کی وجوہات

علاوہ ازیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے اسی قریبی تعلق کے بارے میں پوچھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی مختلف وجوہات بیان فرمائیں، جو سطور میں بالترتیب اور قدرے مفصل بیان کی جا رہی ہیں:

## ۱۔تمام انبیاء بھائی ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ تشبیہاً فرمایا ہے۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح علاتی بھائی ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جملہ انبیاء کا دین ایک ہی ہے اور شریعتیں یعنی فروعی مسائل الگ الگ ہیں۔

چنانچہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی مائیں تو مختلف ہیں، لیکن ان کا دین ایک ہی ہے۔'' نیز اعیانی، علاتی اور اخیافی بہن بھائی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعیانی: جن کے ماں باپ ایک ہی ہوں۔ انہیں عینی (سگے) بہن بھائی کہا جاتا ہے۔

علاتی: جن کا باپ ایک اور ماں جدا جدا ہو، انہیں علاتی بہن بھائی کہا جاتا ہے۔

اخیافی: اور جن کا باپ جدا اور ماں ایک ہو، اخیافی بہن بھائی کہا جاتا ہے۔

بہر حال اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ تمام انبیاء کا اصل دین ایک ہی ہے اگرچہ ان کی شریعتیں مختلف ہیں۔ جیسا کہ علاتی اولاد کا باپ ایک ہی ہوتا ہے، مگر ان کی مائیں جدا جدا ہوتی ہیں۔'' (شرح السنه: ۱۳/ ۲۰۰.)

## ۲۔انبیاء کا دین ایک (ہی) ہے:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ تمام انبیاء دعوتِ توحید لے کر تشریف لائے تھے، اور اطاعتِ الٰہی کا حکم دینے آئے تھے، اگرچہ ان کی صفتیں جدا جدا تھیں۔ مگر مشن ایک ہی تھا۔''

(شرح مسلم للنووی، ص: ۱۷۲۹)

**۳۔ ہمارے درمیانی عرصہ میں کوئی نبی نہیں ہے:**

اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سوائے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی تشریف نہیں لائے۔

(فتح الباری: ۵۹۷/۲، مطبوعہ دارالسلام)

نیز حافظ ابو زرعہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں ان لوگوں پر کھلا رد ہے، جو کہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیآء ورسل آئے تھے، اور اکثر نصاریٰ کا کہنا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جنہیں لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا وہ عیسیٰ کے حواری تھے۔ لیکن ان نصاریٰ کا قول ہے جن کے بارے میں ہے ''لَعَنَهُمُ اللّٰهُ''

(طرح التثریب: ۲۴۵/۶)

# دو جھوٹے نبیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی

۱۳۵......وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( بَيْـنَا اَنَا نَائِمٌ ، اِذْ اُوْتِيْتُ خَزَآئِنَ الْاَرْضِ وَوُضِعَ فِيْ يَدِى سَوَارَان مِنْ ذَهَبٍ ، فَـكَبُـرَا عَـلَيَّ وَاَهَمَّانِيْ ، فَأُوْحِيَ اِلَيَّ اَن انْفُخْهُمَا ، فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا ، فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ اللَّذَيْنِ اَنَا بَيْنَهُمَا ، صَاحِبَ صَنْعَاءَ ، وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مرتبہ میں سو رہا تھا جب مجھے زمین کے خزانے پیش کیے گیے، اور میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے۔ وہ مجھ پر بڑے گراں گزرے اور مجھے انتہائی پریشان کیا، پھر مجھے وحی کی گئی کہ انہیں پھونک دو، چنانچہ میں نے پھونک ماری تو وہ (دونوں) اڑ گئے، میں نے اس خواب کی تعبیر نکالی کہ میں دو جھوٹوں کے درمیان ہوں (جن میں سے) ایک صنعاء والا اور دوسرا یمامہ والا ہے۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان میں رسول اللہ ﷺ نے دو جھوٹے نبیوں یعنی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کی تباہی و بربادی کی پشین گوئی کی اور وہ دونوں اس نبوی پشین گوئی کے مطابق تباہ و برباد ہو گئے۔ اسود عنسی تو رسول اللہ ﷺ کے دور ہی میں مر گیا، اور دوسرا مسیلمہ کذاب دورِ صدیقی میں ہلاک ہوا۔

مولانا داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: اسود عنسی تو محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مارا گیا اور مسیلمہ کذاب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ختم ہوا۔ سچ آخر سچ ہوتا ہے اور جھوٹ چند روز چلتا ہے، پھر مٹ جاتا ہے۔ آج اسود

---

(۱۳۵)...... صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفة، رقم: ٤٣٧٥، حدثنی اسحاق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق عن معمر، عن همام انه سمع اباهريرة رضی اللہ عنہ يقول: قال رسول الله ﷺ: ......۔ و کتاب التعبیر، رقم: ۷۰۳۷، حدثنی اسحاق بن ابراهيم الحنظلی، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ماحدثنا به ابوهريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ: ......۔ صحیح مسلم، کتاب الرؤيا، باب رؤيا البنی ﷺ: ۲۲۷٤/۲۲، وحدثنا محمد بن رافع: حدثنا عبدالرزاق: حدثنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهريرة عن رسول الله ﷺ، فذکر احاديث، منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ۱۰۸/۱٦، رقم: ۱۳۹/۸۲۳۲۔ شرح السنه، کتاب الرؤيا، باب السوار و الحلی، رقم: ۳۲۹۷ و قال: هذاحديث متفق علی صحته.

اور مسیلمہ کا ایک ماننے والا باقی نہیں اور حضرت محمد ﷺ کے تابعدار قیامت تک باقی رہیں گے، عیسائی مشنریاں کس قدر جانفشانی سے کام کر رہی ہیں، پھر بھی وہ ناکام ہیں۔ اسلام اپنی برکتوں کے نتیجے میں خود بخود پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ سچ ہے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(شرح صحیح بخاری، از مولانا داؤد راز: ۵/۵۹۳.)

## میں نیند میں تھا، مجھے زمین کے خزانے پیش کیے گئے:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''صحیح مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں یوں آیا ہے کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئی۔ چنانچہ اہل علم کا کہنا ہے: اس کی تعبیر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت زمین پر مسلط ہوگی اور اس کے شہروں کو فتح کر کے اس کے خزائن کی مالک بن جائے گی، اور الحمد للہ ایسا ہی واقع ہوا۔ وَهِيَ مِنَ الْمُعْجَزَاتِ۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۶۸۷، مطبوعہ دار ابن حزم.)

# اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے جنت ملے گی

۱۳۶...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

(( لَيْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ يُنَجِّيْهِ عَمَلُهٗ ، وَلٰكِنْ سَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا ، قَالُوْا: وَ لَا اَنْتَ ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : وَ لَا اَنَا ، اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ وَّ فَضْلٍ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی بھی شخص کو (محض) اس کا عمل اس کا نجات دہندہ نہیں ہے۔ لہٰذا راہ راست پر رہو اور (صراط مستقیم کے) قریب قریب رہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا عمل بھی آپ کی خلاصی کا باعث نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی عمل سے نجات حاصل نہیں کر پاؤں گا، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے مجھے ڈھانپ لے (تو الگ بات ہے)۔''

**شرح الحديث:** ......حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بنی آدم محض اپنے اعمال کی بدولت جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کی بدولت داخلِ جنت ہوگا۔ اور اس میں کسی انسان کی کوئی تخصیص و تعیین نہیں، بلکہ یہ حکم مطلق ہے یعنی چاہے کوئی انبیاء و رسل علیہم السلام میں سے ہوں یا صلحائے امت میں سے حتی کہ نبی مکرم جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے داخل جنت ہونا پڑے گا، تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص محض اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پا سکتا (اس پر) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بھی؟ فرمایا: ہاں! میں بھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے ڈھانپ لے۔'' اس سے واضح معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہونے کے لیے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے محتاج ہیں، تو دوسرے بطریقِ اولیٰ محتاج ہوں گے۔

---

(**۱۳۶**)...... صحيح بخارى، كتاب المرض، باب تمنى المريض الموت، رقم: ۵٦٧٣ و كتاب الرقاق، رقم: ٦٤٦٣، ٦٤٦٤، ٦٤٦٧ـ صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين و أحكامهم، باب من يدخل أحد الجنة بعمله، بل رحمة الله تعالىٰ، رقم: ٧٦، ٧٥، ٧٤، ٧٣، ٧٢، ٢٨١٦/٧١ـ مسند احمد: ١٠٨/١٦، رقم: ١٤٠/٨٢٣٤، حدثنا عبدالرزاق همام، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبوهريرة عن رسول الله ﷺ، قال: ......ـ مصنف عبدالرزاق، كتاب الجامع، باب دخول الجنة: ٢٨٩/١١ـ شرح السنه، كتاب الرقاق، باب المقصد فى العمل و العلم بألانجاة الا برحمة الله تعالىٰ: ٣٨٩/١٤، ٣٩٠.

اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ انسان محض اپنے اعمال کی وجہ سے داخلِ جنت نہیں ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا۔ جبکہ معتزلہ کا کہنا ہے: انسان جو نیک اعمال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پر اس کی جزاء دینا واجب ہو جاتا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقل سے ثواب وعقاب اور ایجاب وتحریم کا ثبوت نہیں ہوتا اور نہ ہی دیگر احکامِ تکلیفیہ، بلکہ ان تمام امور کا ثبوت محض شریعت سے ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اہل سنت کا یہ بھی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب اور لازم نہیں، بلکہ سب جہان اس کی ملکیت ہیں، اور دنیا وآخرت اس کی سلطنت و بادشاہت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ سب کے سب صالح اور اطاعت گزاروں کو جہنم میں داخل کر دے، تو یہ اس کا عدل ہوگا۔ اور جب وہ ان پر انعام واکرام کر کے انہیں داخلِ جنت کر دے، تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ تمام کفار پر انعام کر کے انہیں داخل جنت کر دے تو وہ اس کا مالک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو خبر بیان فرمائی ہے وہ اس کے مطابق کرے گا کہ اہل ایمان کی مغفرت فرما کر انہیں اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ اور کفار کو عذاب دے گا، اور اپنے عدل سے انہیں جہنم میں رکھے گا۔

**معتزلہ کا مذہب:**

معتزلہ شرعی احکام کو عقل سے ثابت کرتے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ پر نیک اعمال کا بدلہ دینا واجب اور ضروری ہے، اور جو چیز انسان کے حق میں اولیٰ ہو، اس کا کرنا بھی اللہ پر واجب ہے۔ البتہ اس کے خلاف کرنا اس پر ممتنع ہے۔ لہٰذا معتزلہ نے اپنی اختراعات کی وجہ سے نصوص شرعیہ کو یعنی قرآن وسنت کو اعلانیہ طور پر ترک کیا ہے۔
بہر حال اس باب کی احادیث اہل حق کے مذہب پر دلیل ہے کہ کوئی شخص محض اپنے عمل کی بدولت ثواب اور جنت کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔'' (شرح مسلم للنووی، ص: ۱۹۶۹.)

**ایک شبہ اور اس کا ازالہ:**

ممکن ہے کہ مذکورہ بالا بحث پڑھنے کے بعد کسی قاری کے ذہن میں یہ شبہ کھٹکے کہ ذیل کی آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں اعمالِ صالحہ کی بدولت داخلہ ہوگا؟ اس اعتبار سے یہ احادیث قرآنی آیت کے مخالف ہیں؟ وہ آیات قرآنی درج ذیل ہیں:

۱۔ ﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (اعراف: ٤٣)
''اور انہیں پکار کر بتا دیا جائے گا کہ تمہیں تمہارے اعمال کی وجہ سے اس جنت کا وارث بنا دیا گیا ہے۔''

۲۔ ﴿وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الزخرف: ۷۲)
''یہ وہ جنت ہے جس کا تمہیں نیک اعمال کرنے کی وجہ سے وارث بنا دیا گیا ہے۔''

ازالہ:

جنت میں داخلہ اعمالِ صالحہ سے ہوگا، لیکن اعمالِ صالحہ اوران اعمال کی قبولیت تو اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت پر ہی منحصر ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ انسان محض اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے داخل ہوگا۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان آیات واحادیث میں تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عمل لذاتہ جنت میں داخل ہونے کو لازم نہیں کرتا، بلکہ عمل سے جنت اس لیے واجب اور لازم ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عمل کو دخولِ جنت کی نشانی بنا دیا ہے۔ اور (دوسری بات یہ کہ) اعمال صالحہ کو توفیق بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے اصلاً جنت میں داخل ہونا اللہ کے فضل سے ہوتا ہے۔'' (تفسیر کبیر للرازی: ٤/٢١١، مطبوعه دارالفکر بیروت.)

خلاصۂ بحث:

یہ ہے کہ داخلِ جنت ہونے کے لیے اعمال صالحہ ظاہری سبب جب کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت حقیقی اور معنوی سبب ہے۔ نیز اس حدیث میں اعمال کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحمت کے امیدوار بننے کے ساتھ اعمال میں میانہ روی بھی اختیار کرو۔ علاوہ ازیں ہماری چند سالہ محنتِ حیات کا صلہ ہمارے لیے جنت میں ہمیشہ کی زندگی نہیں ہوسکتا، یہ تو محض اللہ کے فضل وکرم سے ہی ہوگا۔

# دو قسم کی تجارت اور دو قسم کا لباس منع ہے

۱۳۷...... قَالَ: وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَلُبْسَتَيْنِ ، اَنْ يَّحْتَبِىَ اَحَدُكُمْ فِى الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ، لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهٖ مِنْهُ شَىْءٌ ، وَاَنْ يَّشْتَمِلَ فِىْ اِزَارِهٖ اِذَا مَا صَلّٰى ، اِلَّا اَنْ يُخَالِفَ بَيْنَ طَرَفِهٖ عَلٰى عَاتِقِهٖ ، وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللَّمْسِ وَالْاِلْقَاءِ وَالنَّجْشِ . ))

**ترجمة الحديث:** ...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے خرید وفروخت کے دو طریقوں اور لباس پہننے کی دو صورتوں سے منع فرمایا: (لباس کی ممنوعہ صورتیں یہ ہیں) تم میں سے کوئی شخص اس حال میں ایک کپڑے میں حبوہ کرے (۱) کہ اس کی شرم گاہ پر کپڑا نہ ہو۔ (۲) جب وہ (ایک چادر میں) نماز پڑھے تو اسے اس انداز سے لپیٹے کہ اس چادر کے دونوں کنارے اس کی گردن پر مخالف اطراف سے بندھے ہوں۔
اور رسول اللہ ﷺ نے خرید وفروخت کا سامان چھو کر، یا کنکری پھینک کر سودا کرنے اور بیع نجش (دلالی کی بیع) سے منع کیا۔''

**شرح الحديث:** ......اس فرمان میں رسول اللہ ﷺ نے دو قسم کی تجارت اور دو طرح کے لباس سے منع فرمایا ہے:

**ممنوع لباس:**

۱۔ ایسا لباس پہننا شرعاً منع ہے جس سے آدمی برہنہ ہو۔ اور حدیث میں لفظ ''الإحتباء'' استعمال ہوا ہے کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنی سرین کے بل بیٹھے اور اپنی پنڈلیوں کو کھڑا رکھے اور ایسی حالت میں اپنے اوپر صرف ایک کپڑا لپیٹ لے۔ اہل عرب اپنی مجالس میں ایسے بیٹھا کرتے تھے، چونکہ اس طرح بیٹھنے میں شرم گاہ کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ایسے بیٹھنے اور ایک کپڑا جس سے شرم گاہ کھلنے کا اندیشہ ہو، پہننے

(۱۳۷)...... صحيح بخارى، كتاب الصلوٰة، باب ما يستر من العورة، رقم: ۳۶۷، ۳۶۸ و كتاب مواقيت الصلوٰة، رقم: ۵۸۴ وكتاب البيوع، رقم: ۲۱۴۴، ۲۱۴۵ـ صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب ابطال بيع الملامسه و المنابذة، رقم: ۱۵۱۱/۱۱۲، ۱۵۱۲/۳ـ مسند احمد: ۱۰۹/۱۶، رقم: ۸۲۳۴/ ۱۴۱، حدثنا عبدالرزاق همام ، حدثنا معمر عن همام بن منبه، قال: هذا ما حدثنا به أبوهريرة عن رسول الله ﷺ، قال: ......

سے منع فرمایا۔

۲۔ صرف تہبند اپنے شانوں پر ڈال کر نماز پڑھنا شرعاً ممنوع ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں: لبادہ کندھوں پر ڈالنے سے رکوع سجود کے وقت وہ گر پڑنے لگتا ہے اور نمازی ان کو بار بار سنبھالتا ہے جو نماز سے توجہ منتشر کرنے کا باعث ہے، البتہ کندھوں پر اس طرح ڈال لیں کہ وہ پھر ہلتے گرتے نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔'' (صحیفه همام بن منبه، ص: ۱٦٢ مترجم.)

## ممنوع تجارت:

مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تجارت سے متعلق جن دو چیزوں سے منع فرمایا ہے، وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ خریدار کسی چیز پر ہاتھ رکھ کر یا اس پر کوئی کپڑا یا کنکری وغیرہ پھینک کر کہے، سودا طے ہوا۔ تو اس صورت میں سودا طے نہیں ہوگا اور ایسی تجارت درست نہیں، جیسا کہ اہل عرب میں دستور تھا۔ اس لیے کہ اس میں ہر فریق کے لیے دھوکے کا امکان ہے۔

۲۔ دھوکے کے طور پر قیمت بڑھا کر یعنی بغیر نیتِ خرید کے بولی دینا بھی شرعاً ممنوع ہے۔ اس لیے کہ اس میں اصل خریدار کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ اہل عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ بعض لوگ اپنے دوست واحباب کی خاطر جھوٹ پر زیادہ قیمت ادا کر کے مال خریدتے تھے، تاکہ مارکیٹ کے ریٹ میں اضافہ ہو اور لوگ یہی سمجھتے تھے واقعی اس مال کی اتنی ہی قیمت ہے، جیسا کہ آج ہمارے معاشرے میں بھی اکثر جگہوں پر سلسلۂ تجارت ایسے ہی ہوتا ہے۔

# کن کن صورتوں میں قصاص اور تاوان نہ لیا جائے

۱۳۸...... وَقَالَ :

(( اَلْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَالنَّارُ جُبَارٌ ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ . ))

**ترجمة الحديث:**...... ''اور (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: ''جانور کے زخمی (یا مارنے کا)، کان میں گرنے اور زخمی ہونے پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ آگ میں گر کر مر جانے پر بھی کوئی تاوان نہیں ہے اور دفینے میں سے ۱/۵ حصہ (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا) ہے۔''

**شرح الحديث:** ...... مذکورہ بالا حدیث میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں اگر کوئی نفس ان کی زد میں آ کر مر جائے، زخمی ہو جائے یا کسی قسم کا کوئی نقصان کروا بیٹھے، تو ایسی صورت میں ان کا مالک تاوان اور چٹی دینے سے بری ہوگا، کیونکہ اس میں نہ تو اس کا کوئی قصور ہے اور نہ مداخلت، لہٰذا وہ اس ذمہ داری سے بری ہوگا۔ ہاں اگر اس نے قصداً اوارادتاً کسی نفس کو جانور کے ذریعہ زخمی کروایا کنویں یا کان میں گرایا یا پھر آگ میں گرا کر مروا ڈالا، تو بلا شک و شبہ وہ اس حادثے کا ذمہ دار ہے اور اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ جبکہ زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جاتا کہ کوئی شخص جانور کے ذریعے کنویں میں گر کر مر گیا ہو، تو وہ لوگ انہیں قاتل قرار دے کر سزا دیا کرتے تھے، جو ایک لایعنی اور غیر معقول فعل ہے۔

## ''رکاز'' یعنی مدفون خزانے میں پانچوں ۱/۵ حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے:

''رکاز'' اس خزانے کو کہتے ہیں جو گذشتہ لوگوں نے زمین میں دفن کر دیا ہو، تو مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی شخص کو

(**۱۳۸**)...... صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الرکازالخمس، رقم: ۱٤۹۹ و کتاب المساقاۃ، رقم: ۲۲٥٥، و کتاب الدیات، رقم: ٦۹۱۳، ٦۹۱۲۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب جرح العجماء و المعدن والبئر جبار، رقم: ٤٦، ٤٥/۱۷۱۰۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب فی النار تعدی، رقم: ٤٥۹٤، حدثنا محمد بن المتوکل العسقلانی، حدثنا عبدالرزاق، ح وحدثنا جعفر بن مسافر التنیسی، حدثنا زید بن المبارک، حدثنا عبدالملك الصنعانی، کلاهما عن معمر، عن همام بن منبه، عن ابی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: ......۔ سنن ابن ماجه، کتاب الدیات، باب الجبار، رقم: ۲٦۷٦۔ مسند احمد: ۱۰۹/۱٦، رقم: ۸۲۳٥/ ۱٤۲.

مدفون خزانہ مل جائے تو پانچواں ۵/۱ حصہ بیت المال میں جمع کرا دے اور بقیہ خزانہ اپنی ضروریات کے لیے وقف کر دے۔(طرح التثریب: ٤/ ٢١.)

جس طرح اسلامی حکومت کے معدوم ہونے کی صورت میں زکوٰۃ، فطرانہ اور دوسرے واجبات ادا کیے جاتے ہیں۔ ایسے دفینے کا پانچواں حصہ بھی غرباء اور مساکین میں ادا کر دیا جائے، دفینے کا مالک پانچواں حصہ اپنی ذات پر خرچ کرے، شریعت میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔

# مال غنیمت کی تقسیم کے حکم کے متعلق

۱۳۹...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :
(( اَیُّمَا قَرْیَةٍ اَتَیْتُمُوْھَا ، وَ اَقَمْتُمْ فِیْھَا فَسَھْمُکُمْ ...... وَ اَظُنُّہٗ قَالَ: فَھِیَ لَکُمْ ، اَوْ نَحْوَہٗ مِنَ الْکَلَامِ ، وَ اَیُّمَا قَرْیَةٍ عَصَتِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَاِنَّ خُمُسَھَا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ، ثُمَّ ھِیَ لَکُمْ بَعْدُ . ))

**ترجمة الحدیث:**...... ''اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جس بستی میں جاؤ اور وہاں قیام کرو، میرا خیال ہے کہ پھر آپ نے فرمایا: تو تمہارا حصہ اس بستی میں ہوگا یا وہ تمہاری ملکیت ہے۔ یا ایسا ہی کوئی اور کلام۔ اور جو بستی (والے) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو فتح کی صورت میں ان کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، پھر وہ بھی تمہارے ہی لیے ہے۔''

**شرح الحدیث:**...... حدیث میں دو قسم کے مالوں کا تذکرہ ہوا ہے۔

**اوّل:** مال ''فے''۔

**ثانی:** مال ''غنیمت''۔

## مال فے:

اس مال کو کہتے ہیں جو مسلم مجاہدین کو گھوڑے اور اونٹ دوڑائے بغیر حاصل ہوا ہو۔ یعنی اس میں کوئی مشقت نہ اٹھائی ہو، مثلاً کوئی ذمی مر جائے اور اس کا والی وارث نہ ہو اور اسی طرح جزیہ کے طور پر جو مال حاصل ہو وغیرہ وغیرہ۔

## مال فے کا حکم:

مال فے کا حکم سورۃ حشر کی آیات نمبر ۷ تا ۱۰ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ ہم ذیل کی

---

(۱۳۹)...... صحیح مسلم ، کتاب الجهاد والسیر، باب حکم الفئی، رقم: ۱۷۵٦/٤٧، حدثنا احمد بن حنبل ومحمد بن رافع قالا، حدثنا عبدالرزاق، اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال: هذا ما حدثنا ابوهریرة عن محمد رسول الله ﷺ، فذکر احادیث منها: وقال رسول الله ﷺ: ......۔ مسند احمد: ٩٣/١٦، رقم: ٨٢٠٠/١٠٧۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب اهل الکتاب، باب اخذ من الأرض علوة، رقم: ١٠١٣٧۔ شرح السنه، کتاب الجهاد، باب حل الغنیمة لهٰذه الأمة، رقم: ٢٧١٩۔ السنن الکبری للبیهقي، کتاب قسم الفیء والغنیمة: ٣١٨/٦۔ الاموال لابی عبید، رقم: ١٤٠.

سطور میں نقل کر رہے ہیں۔اموالِ فے کو محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات آپ کے اقرباء، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ حصہ بیت المال کی طرف منتقل ہو گیا، تاکہ وہ حصہ اس مشن کی خدمت پر صرف ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے سپرد کیا تھا۔

البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: مال "فے" میں بھی خمس واجب ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ یعنی، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ "مال فے" سارے کا سارا مصالحِ امت پر خرچ ہوگا۔

**مال غنیمت:**

اس مال کو کہتے ہیں، جو فوج میدانِ کارزار میں اپنے دشمن سے نبرد آزما ہوئی ہو اور اس نے لڑائی کر کے وہ مال ان سے حاصل کیا ہو۔

**مال غنیمت کا حکم:**

مال غنیمت کا حکم سورۃ انفال آیت نمبر ۴۱ میں بیان کیا گیا ہے، کہ اس مال کے پانچ حصے کیے جائیں، چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں۔اور پانچواں ۱/۵ حصہ اللہ اور رسول، رسول کے اقربا، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر خرچ کیا جائے۔(شرح مسلم للنووی: ٤/٣٦١۔ طرح التثریب: ٧/ ٢٠٠۔٢٠١)

تمّت صحيفة همّام بن منبّه والحمد لله ☆

☆ **نوٹ**:...... صحیفہ ہمام بن منبہ کا یہ مخطوط ۷۵۵ھ میں لکھا گیا تھا، اب اسے "مخطوط دار الكتب المصرية" کہا جاتا ہے، اسی کے متن کو بنیاد بنا کر ترجمہ، تخریج اور تشریح کا کام کیا گیا ہے۔والحمد لله!